شکاری

طیبہ یونس



ناول

طیبہ یونس

شکاری

اس نے خوف سے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔اس کے جوتوں کی آواز اب قریب سے سنائی دے رہی تھی۔اس نے بڑی ہمت سے اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی،تو سامنے اسے ایک سایہ نظر آیا۔جو اَب اس کے قریب آچکا تھا۔

ایک دفعہ پھر ہمت کرکیاس نے اپنے منہ سے آواز نکالنے کی کوشش کی پر ناکام رہی۔اپنی والدہ اور بڑے بھائی کا چہرہ دھندلا سا دکھائی دیا۔اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔اس نے ہاتھ کی انگلیوں کو مضبوطی سے بند کر لیا۔اسے لگا وہ دوبارہ بیہوش ہونے والی ہے۔شاید اس نشہ کا اثر تھا جو تھوڑی دیر پہلے اسے دیا گیا تھا۔

اس نے بڑے پیار سے اس کا نام پکارا۔اور پھر اس کے گھونگھریالے بالوں میں اپنا ہاتھ پھیرا۔وہ کچھ کہنا چاہتی تھی پر زبان نے ساتھ نہیں دیا۔اسے محسوس ہوا کوئی اس کے گالوں پر اپنہ ہاتھ پھیر رہا ہے۔اسے سخت کوفت ہوئی جیسے کوئی گندی نالی کا کیڑا اس کے معصوم جسم پر رینگ رہا ہو۔

کمرے کا دروازہ بند تھا اور اندر اندھیرا تھا۔اسے دو لوگوں کی موجودگی کا احساس ہوا۔وہ کسی ویڈیو کی بات کررہے تھے۔ان دونوں میں بحث ہورہی تھی۔اب ان میں سے ایک دوبارہ اس کی طرف جھکا۔اس نے ذرا

ہمت کر کے دوبارہ اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ کھلا، اسے روشنی دکھائی دی۔ وہ دونوں وہاں سے بھاگ گئے۔ ایک شخص اندر داخل ہوا۔ اس نے بھورے رنگ کا ٹراؤزر پہنا ہوا تھا۔

"بھائی۔۔۔" اتنا کہا اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ بیہوش ہو گئی۔

☆......☆......☆

وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے شیشے کے سامنے کھڑی تھی۔ اپنے کالے بالوں کی پونی ٹیل بنائی۔ پہلے بڑی احتیاط سے اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں لینس لگائے۔ پھر مسکارا لگایا۔ اب فاؤنڈیشن کی باری تھی۔ اسے کھولا اور گھڑی پر نظر ڈالی۔ نخرے سے اپنے کندھے اچکائے۔ اور فاؤنڈیشن لگانے لگی۔

رابعہ کی آواز سنائی دی۔ پر پرواہ کس کو تھی۔

"یہ رابعہ بھی نا۔۔۔ ان کو میری ذرا پرواہ نہیں ہے۔" وہ منہ میں بڑبڑائی اور ہلکی سی لپ سٹک لگائی۔ اب وہ مکمل تیار تھی۔ اپنے اوپر ایک نظر ڈالی اور مسکرائی۔

"کیا بات ہے میری۔۔۔ میک اپ ہو تو ایسا۔ ذرا جو پتا چل رہا ہو کہ میں نے میک اپ کیا ہے۔" وہ دوبارہ مسکرائی۔ کرسی سے اپنی جیکٹ اٹھائی۔ سکارف سر پر لیا۔ اسکے بال اب نظر نہیں آ رہے تھے۔ اپنے جوتے پہنے، بیگ لیا اور سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی۔

"تیار ہو گئی۔ اب مہربانی کر کے ناشتہ کر لو۔" رابعہ نے ٹماٹر دیگچی میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"آج آپ پھر اپنے بیٹے کی پسند کے دال چاول پکا رہی ہیں۔" اس کی نظر پاس پڑی دال پر پڑی۔ اپنا بیگ کرسی کی پشت کے ساتھ لٹکایا اور کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی۔

"پرسوں تمہاری پسند کی کڑی بنائی تھی۔ آج اس کی پسند کی ڈش بنا رہی ہوں۔" ٹماٹر بھن گئے تو اندر پانی ڈالا۔ ساتھ میں دال ڈالی اور ڈھکن دے کر سٹی لگا دی۔

"بھائی کہاں ہیں؟ کل بھی سارا دن نظر نہیں آئے۔" منہ میں نوالہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"بس وہی مصیبت جو پچھلے ایک سال سے بھگت رہے ہیں۔ کل بھی کورٹ گئے ہوئے تھے۔ آج پھر عدالت میں حاضری تھی۔ دیکھو کیا بنتا ہے۔" وہ بھی پاس والی کرسی پر بیٹھ گئیں اور چاول صاف کرنے لگیں۔

اس نے چائے ختم کی اور برتن سنک میں رکھ دیے۔ دروازے کی بیل بجی، جا کر گیٹ کھولا۔ کوریئر والا سامان دے گیا۔ وہ واپس کچن میں آئی۔

"مجھے تم سے بات کرنی تھی۔" رابعہ کی آواز پر وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

"جی کیا بات ہے جلدی بولیں میں لیٹ ہو رہی ہوں۔" سوالیہ نظروں سے رابعہ کو دیکھنے لگی۔

"میں بچوں کے ساتھ گھومنے جا رہی ہوں۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔" اب وہ لہسن چھیلنے لگیں۔

"مجھے بڑی مشکل سے جاب ملی ہے۔ میری پسند کی جاب ہے۔ میں یہ جاب نہیں چھوڑ سکتی۔" اپنے شانے اچکا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ پھر گھر پر اکیلے رکنا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔" ان کو اللہ حافظ کہا، اپنا بیگ لیا اور گھر سے باہر آ گئی۔ آج موسم کافی اچھا تھا۔ ساری رات بارش ہوئی تھی۔ جس سے موسم کافی خوشگوار ہو گیا تھا۔ وہ پیدل چلتی ہوئی اپنی جاب پر پہنچی۔ وہاں کی ایک پرانی ورکر نے اسے سارا کام سمجھا دیا۔ اس جاب سے وہ بہت خوش تھی۔

☆......☆......☆

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ صبح بارش ہوئی تھی اور سڑکوں پر اب بھی کہیں کہیں پانی موجود تھا۔

وہ اپنی بائیک پر سوار تھا۔ اور خالی سڑکوں پر آرام سے سفر کر رہا تھا۔ سادہ سے ٹراؤزر کے اوپر کالے رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ جس کی آستین اوپر کی طرف چڑھی ہوئی تھیں۔ پیچھے بیگ لٹکایا ہوا تھا۔ پیروں میں سپورٹس شوز تھے۔ سر پر ہیلمیٹ تھا۔

وہ ایک سڑک کے کنارے رکا اور اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر ایک سنسان گلی میں داخل ہوا۔ وہاں خاموشی تھی اور ہر کوئی اپنے گھروں میں آرام سے سو رہا تھا۔ گلی میں ایک کتے نے اسے گھور کر دیکھا۔ اور اس پر بھونکنے لگا۔ اجنبی کو دیکھ کر شاید وہ اپنی وفاداری کا ثبوت دے رہا تھا۔

اس نے اپنی بائیک کی رفتار آہستہ کی۔ اپنی جیب سے بسکٹ نکالا اور اس کی طرف پھینک دیا۔ کتا فوراً اس پر لپکا۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھا اور وہاں سے غائب ہو گیا۔ چند گھروں کو پیچھے چھوڑ کر وہ اپنی منزل پر پہنچا۔

بائیک ایک دکان کے آگے روکی۔ دکان بند تھی۔ چند قدم چل کر ایک گھر کے آگے کھڑا ہوا۔ باہر سے اس گھر کا جائزہ لیا۔ کچھ فاصلے پر سٹریٹ لائٹ جل رہی تھی۔ اس کی روشنی اس ہیلمیٹ والے شخص کے لیے کافی تھی۔

ایک بار آس پاس دیکھا اور اللہ کا نام لے کر دیوار پر چڑھا اور اندر چھلانگ لگا دی۔ صحن بہت چھوٹا تھا۔ دائیں طرف ایک پرانی سائیکل کھڑی تھی۔ اس کی نظر دوسری طرف پڑی۔ وہاں ایک درخت لگا ہوا تھا۔ پانی نہ ملنے کی وجہ سے وہ کافی سوکھا ہوا تھا۔ اس کے پاس کچرے کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ جیب سے ایک پن نکالی اور بہت آسانی سے تالا کھولا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ کندھے سے اپنا بیگ اتارا۔ پاکٹ سے ٹارچ نکالی اور اس کو آن کیا اور بیگ واپس پہن لیا۔ اپنا ہیلمٹ اتارا اسے قریب پڑی چارپائی پر رکھ دیا۔ ٹارچ کی روشنی سے گھر کا جائزہ لینے لگا۔

سامنے دو کمرے تھے۔ ایک بڑا اور دوسرا کمرہ چھوٹا تھا۔ سائیڈ پر ایک کچن تھا۔ وہ پہلے بڑے کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں ایک ڈبل بیڈ اور سنگھار میز تھا۔ سنگھار میز کے اوپر تین پرفیوم تھے۔ اس نے ڈراز کھولیں سب خالی تھیں۔ دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں لکڑی کی ایک بڑی سی الماری دیوار میں نصب تھی۔

اس نے پوری الماری کی تلاشی لی۔ اندر کپڑے اور ضرورت کا سامان تھا۔ اس نے الماری بند کر دی۔ اسے مایوسی ہوئی۔ اب اس نے کچن کا رخ کیا۔ فریج کھولی وہاں ایسا کچھ نہ تھا۔ کچن کافی گندا تھا۔ وہاں لکڑی کی چند شیلف بنی ہوئی تھیں۔ جن پر ڈبے پڑے ہوئے تھے۔

وہ ساتھ لگی سیڑھیوں کے ذریعے اوپر چلا گیا۔ اوپر بھی کوئی خاص چیز ہاتھ نہ لگی۔ ایک طرف چند کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔ باقی کمرے خالی تھے۔ ایک کمرے میں واشنگ مشین تھی۔ پاس زمین پر گندے کپڑوں کا ڈھیر تھا۔ وہ خالی ہاتھ نیچے آ گیا۔ سامنے دیوار پر نظر پڑی۔ وہاں ایک کیلنڈر تھا۔ ٹارچ کی روشنی اس پر ڈالی۔ کچھ تاریخوں پر نشان لگے ہوئے تھے۔ انہیں اپنے دماغ میں محفوظ کیا۔ ٹارچ بند کی اسے اپنی جیب میں ڈالا۔ ہیلمٹ اٹھایا اور باہر نکل گیا۔ دروازہ بند کیا اور تالا لگانے لگا۔ ایک پل کے لیے رک گیا۔ جیسے اندر سے کسی نے اسے آواز دی ہو۔

اس کا نام پکارا ہو۔

اسے مدد کے لیے بلایا ہو۔

فوراً تالا اتارا، دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ اسے پسینہ آنے لگا۔ ہیلمٹ ادھر پھینک دیا۔ بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ ٹارچ نکالی اور دوبارہ تلاشی لینے لگا۔ دل زور سے دھڑکا اور اوپر کی منزل کی طرف دیکھا۔ لمبے لمبے ڈگ لیے زینے چڑھ کر اوپر پہنچا۔ واشنگ مشین کے پاس پہنچا۔ اپنے جوتے سے کپڑوں کو ہلایا۔

آخر اس کی محنت رنگ لائی۔ اس نے اپنا بیگ اتارا اور اندر سے دستانے نکالے۔ ٹارچ کی روشنی کپڑوں کے قریب کی۔ وہ کسی چھوٹے بچے کی جرابیں تھیں۔ اس نے بیگ سے ایک شاپر نکالا اور ان جرابوں کو ان میں ڈال دیا۔ ٹارچ اور دستانے جیب میں ڈالے۔ بیگ بند کیا اور نیچے آ گیا۔ ہیلمٹ پہنا، باہر نکلا دروازہ بند کیا اور تالا لگا دیا۔

دیوار کے پاس واپس آیا اور اوپر چڑھنے لگا۔ وہاں درخت کے نیچے کچرے کے پاس اسے کچھ چمکا۔ جیب سے ٹارچ نکالی اور پاس گیا۔ اور گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا۔ وہ ایک خالی انجکشن کی سوئی تھی۔ جو اندھیرے میں چمکی تھی۔ اس نے دو چار گالیاں نکالیں۔ دوبارہ دستانے پہنے اور بڑی احتیاط سے اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ دیوار چڑھی اور باہر آ گیا۔ باہر بالکل ویسی ہی خاموشی اور اندھیرا تھا۔

اپنی بائیک کے پاس گیا اسے کک مار کر سٹارٹ کیا۔ اور وہاں سے نکل آیا۔ واپسی پر اس کتے پر نظر پڑی وہ اب بجلی کے کھمبے کے پاس سو رہا تھا۔ وہ سڑک تک پہنچا اور ایک جگہ اپنی بائیک روکی۔ سر سے ہیلمٹ اتارا۔ جیب سے موبائل نکالا اور اپنے ساتھی کو کال ملائی جو فارنسک لیب میں تھا۔ اسے اپنا کام بتایا اور کال کاٹ دی۔ بائیک سٹاٹ کی اور وہاں سے روانہ ہوا۔

☆......☆......☆

وہ شام بہت اداس تھی۔ سورج کی کرنیں مدہم پڑ چکی تھیں۔ اس گھر میں لگے درخت کے پتے بھی اداس لگ رہے تھے۔ البتہ صحن میں لگے موتی کے پھولوں کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ چڑیاں اپنے گھونسلوں میں جانے کے لیے تیار تھیں۔ اندھیرا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ خزاں کا موسم جیسے اس کے اندر سما رہا تھا۔ اسکی آنکھوں میں اداسی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ کب سے کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ صحن میں پڑے سوکھے پتوں کو دیکھ رہی تھی۔ جو ہوا چلنے کی وجہ سے

حرکت کرتے تھے۔اس نے سفید شال جس پر پھول بنے ہوئے تھے وہ اوڑھی ہوئی تھی۔بالوں کا جوڑا بنایا ہوا تھا۔سادہ شلوار قمیض کے ساتھ کالے رنگ کا سوئیٹر پہنا ہوا تھا۔

گیٹ پر بیل ہوئی، وہ چونکی اور گیٹ کی طرف دیکھا۔بلال جو چودہ سال کا تھا اس نے دروازہ کھولا۔وہ پردے کے پیچھے چھپ گئی۔چند لوگ اندر داخل ہوئے، اور گھر میں آ گئے۔اس نے پردہ آگے کر دیا۔بیڈ پر نظر پڑی وہ کمبل لے کر دنیا کی تکلیفوں اور مشکلات سے دور مزے سے سو رہا تھا۔

وہ چل کر اس کے پاس آئی اور اس کے سرہانے بیٹھ گئی۔اس کے ماتھے کو چوما اور اسکا کمبل ٹھیک کیا۔پاس پڑے فوٹو فریم پر نظر پڑی۔اس کو اٹھایا اور اسے چوما اور سینے سے لگا لیا۔اسکے آنسو بہنے لگے۔تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔اس نے وہ فریم واپس رکھ دیا۔اپنے آنسو صاف کیے۔اور اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"پھوپھو۔۔۔وہ مہمان آئے ہیں۔امی آپ کو بلا رہی تھیں۔" بلال نے پیغام دیا اور وہاں سے چلا گیا۔

اس نے بیڈ پر نظر ڈالی، وہ ابھی تک سو رہا تھا۔اپنی شال ٹھیک کی اور کمرے سے باہر آ گئی۔ڈرائنگ روم میں سب جمع تھے۔اندر سے باتوں کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں۔اس کے پھر سے آنسو بہنے لگے۔اور کچن میں آ گئی۔ماسی چائے بنا رہی تھی۔وہ بھی اس کی مدد کرنے لگی۔

"تم یہاں ہو وہاں سب تمہارا پوچھ رہے ہیں؟" بھابھی ہاجرہ کچن میں داخل ہوئیں۔

"بس کچھ کام کر رہی تھی۔" اس نے نظریں پھیر لیں۔

"کام ہو جائیں گے۔آپ کے بھائی آئے ہیں۔آپ کو بلا رہے ہیں۔" نظریں سامنے کھڑی لڑکی پر تھیں۔جو دودھ گرم کر رہی تھی۔

" مجھے کسی سے نہیں ملنا۔" اس کا صبر جواب دے گیا۔وہ دودھ کا گلاس لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔دودھ کے گلاس کو چھوٹی میز پر رکھا۔فیڈر اٹھایا اور اس میں دودھ ڈالا۔اور بیڈ پر لیٹے اپنے بیٹے کے پاس آ گئی۔اس کے منہ میں فیڈر ڈالا اور اس کے پاس لیٹ گئی۔اور آنکھیں بند کر لیں۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی اور اس کے بڑے بھائی اندر داخل ہوئے۔وہ سوٹ ٹائی میں ملبوس تھے۔وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔وہ بھی بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گئے۔کافی دیر خاموش رہنے کے بعد بولے۔

"چھوٹی کب تک اس طرح سے زندگی گزاروگی؟ اس طرح تو تم ڈیپریشن کا شکار ہو جاؤ گی۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" اسکے لہجے میں غم اور تکلیف تھی۔

"میں اچھے سے جانتا ہوں کہ تم کتنی ٹھیک ہو۔ کم از کم اپنے بیٹے کا خیال کرو۔ وہ اب بڑا ہو رہا ہے۔ جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔ اللہ نے سب ایسے ہی لکھا تھا۔" نعمان بھائی نے اسے سمجھایا۔

"میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ اپنا اور اپنے بیٹے کا خرچہ خود اٹھا رہی ہوں۔"

"میں خرچے کی بات نہیں کر رہا۔" وہ خفا ہوئے۔ "تم ہمارے ساتھ امریکہ چلو۔ حیدر شہید ہو چکا ہے۔ تم اس بات کو تسلیم کیوں نہیں کر لیتی۔ میں نے تم سے ذکر کیا تھا فون پر ایک رشتے کے بارے میں۔ کیا سوچا ہے تم نے اس بارے میں؟" وہ ابھی بات کر رہے تھے۔ دروازہ پھر سے کھلا اور نعمان کی بیگم اونچی ہیل پہنے اندر داخل ہوئی۔

انکل عزیز اور ان کی بیگم کے چار بچے تھے۔ انہوں نے چاروں کی شادیاں کر دی تھیں۔ بڑے دونوں بہن بھائی اپنی فیملیز کے ساتھ امریکہ میں سیٹل تھے۔ چھوٹا بھائی سلمان اپنی بیگم ہاجرہ کے ساتھ پاکستان میں رہتا تھا۔ انکے تین بچے ہیں دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ سب سے چھوٹی بہن کی شادی کو تین سال ہوئے تھے۔ اسکا شوہر آرمی میں تھا۔ آٹھ ماہ پہلے وہ بارڈر پر شہید ہو گیا تھا۔ انکا ایک بیٹا ہے جو ابھی دو سال کا ہے۔ اس واقعہ نے اس کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ دونوں میاں بیوی میں بہت محبت تھی۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ میں نے شاپنگ کرنی ہے۔ پرسوں ہماری فلائٹ ہے۔ میں نے بچوں کے لیے کچھ سامان لینا تھا۔" صدف نے ایک تلخ نظر اپنی نند پر ڈالی۔ وہ اپنے سسرال کو پسند نہیں کرتی تھی۔ پھر نخرے سے بولی "آپ لازماً رشتے کی بات کر رہے ہوں گے۔ ویسے میں نے بھی اپنے بھائی کی بات کی تھی۔ اسکا اپنا کاروبار ہے اور۔"

"اور وہ نشہ کرتا ہے اور وہ میری بہن سے پچیس سال بڑا ہے۔ یہ نہیں بتایا۔" وہ غصے سے بولے۔ اور کھڑے ہوئے۔ جیب سے ایک نوٹوں کا لفافہ نکالا اور اپنی بہن کی طرف بڑھایا۔

"یہ رکھ لو۔ تم دونوں کے کام آئے گا۔"

اس نے ایک نظر صدف پر ڈالی۔اس کے چہرے کے تاثرات وہ اچھے سے سمجھ رہی تھی۔

"مجھے ان کی ضرورت نہیں۔اتنا کما لیتی ہوں کہ اپنا اور اپنے بیٹے کا خرچہ اٹھا سکوں۔" اس نے وہ پیسے زبردستی اپنے بھائی کو واپس کر دیے۔انہوں نے غصے سے اپنی بیگم کو دیکھا اور کمرے سے نکل گئے۔صدف نے ایک فاتحانہ نظر سے اپنی نند کو دیکھا اور وہاں سے چلی گئی۔اس نے اٹھ کر دروازہ بند کیا اور واپس اپنے بیٹے کے پاس آ گئی۔اس کے منہ سے فیڈر نکالا اور سائیڈ پر رکھ دیا۔وہ پھر اپنی اسٹڈی ٹیبل پر آ گئی۔گاڑی کی آواز آئی۔اس نے کھڑکی سے دیکھا۔اپنا لیپ ٹاپ آن کیا اور اپنی میلز چیک کیں۔تھوڑی دیر بعد گھر میں مکمل خاموشی ہو گئی۔سب سونے کے لیے اپنے کمروں میں چلے گئے۔وہ نیچے کچن میں آئی۔اپنے لیے چائے بنائی اور واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

اسکے والدین اس دنیا میں نہیں تھے۔اللہ کا کرم تھا کہ سلمان بھائی اور اسکی بیگم ہاجرہ کا سلوک ان دونوں کے ساتھ اچھا تھا۔ویسے بھی وہ آن لائن کما لیتی تھی۔جس سے وہ ان پر بوجھ نہیں تھی۔

☆......☆......☆

آج ساری رات اسے نیند نہیں آئی۔وہ اپنے بیڈ پر لیٹی تھی اور بار بار ہاتھ پر پہنی گھڑی کو دیکھتی۔گھڑی کی پٹی جامنی رنگ کی تھی۔جس کے ساتھ تین سبز رنگ کے موتی لٹک رہے تھے۔اسے صبح ہونے کا بے چینی سے انتظار تھا۔شکر کر کے فجر کی اذان سنائی دی۔وہ فوراً اٹھی اور واش روم گھس گئی۔فریش ہوئی، وضو کیا اور نماز ادا کی۔

ساتھ والے کمرے سے آواز آئی۔ابا بھی اٹھ گئے۔وہ مسکرائی۔اپنے سوٹ کیس پر نظر پڑی۔اسے دوبارہ کھول کر چیک کیا اور اپنی تسلی کی۔کچن میں آ کر ناشتہ تیار کیا۔ابا بھی مسجد سے آ گئے۔ان کے ساتھ مل کر ناشتہ کیا۔ناشتے سے فارغ ہو کر فٹافٹ برتن دھوئے اور اپنے کمرے میں آ گئی۔اپنی پسند کا سوٹ الماری سے نکالا جو سبز رنگ کا تھا اور نہانے چلی گئی۔نہا کر آئی اور شیشے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔بال خشک کرنے لگی۔بالوں کی دو چٹیا بنائیں۔اور گلے میں دوپٹہ لیا۔وہ بار بار ٹائم کو دیکھتی۔آخر وہ وقت آ گیا جس کا اسے بے چینی سے انتظار تھا۔جیسے ہی ابا نے اسے آواز دی۔اپنا سوٹ کیس پکڑا، کندھے پر پرس ڈالا اور فوراً باہر آئی۔ابا بھی پہلے سے تیار تھے۔دونوں گھر سے باہر آئے۔گیٹ لاک کیا رکشہ لیا اور سٹیشن پہنچ گئے۔

لاہور سٹیشن لوگوں کے ہجوم سے بھرا ہوا تھا۔اس نے اپنے ابا کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔اور تیز تیز چلنے لگی۔تھوڑی دیر بعد وہ اپنی بوگی میں موجود تھے۔چونکہ وہ بزنس کلاس میں تھے۔ان کا برتھ صاف ستھرا اور آرام دہ تھا۔وہ کھڑکی کے پاس بیٹھ گئی۔ابا نے سامان اوپر رکھ دیا۔اور اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

"ابا!ٹرین کب چلے گی۔" اسے بے چینی ہونے لگی۔

"بس کچھ دیر تک۔ٹرین اپنے ٹائم پر نکلے گی۔" وہ کافی آرام دہ لگ رہے تھے۔سفید رنگ کی شلوار قمیض کے ساتھ پشاوری چپل پہن رکھی تھی۔ساتھ میں کالے رنگ کی واسکٹ پہنی ہوئی تھی۔انہوں نے پاس پڑا اخبار اٹھایا۔جیب سے عینک نکالی اور مصروف ہو گئے۔

ان کی سامنے والی سیٹ خالی تھی۔وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔پلیٹ فارم پر مختلف چھابڑی اور خوانچہ فروش پھر رہے تھے۔وہ بہت غور سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔

تبھی اسے سلام کی آواز سنائی دی۔ایک آدمی اور ایک لڑکا اندر داخل ہوئے۔اس نے ان دونوں کو دیکھا۔آدمی نے سوٹ ٹائی پہنا ہوا تھا اور لڑکے نے سپورٹ ڈریس کے ساتھ جوگرز پہنے ہوئے تھے۔وہ دونوں سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔وہ دوبارہ باہر دیکھنے لگی۔اس کے ابا نے اخبار نیچے کیا اور انہیں دیکھا۔

"آپ عابد خان کے چھوٹے بھائی ہیں۔" ابا سامنے والے سے مخاطب ہوئے۔اس آدمی نے غور سے ابا کو دیکھا اور موبائل اپنی جیب میں ڈالا۔

"اور آپ مریم کے بیٹے ہیں۔میں نے تو آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

دونوں اٹھ کر خوشی سے گلے ملے۔اور پھر پرانی باتیں کرنے لگے۔دونوں بچوں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔

"کتنے سالوں بعد جا کر ملاقات ہوئی ہے خان صاحب۔" ابا نے اخبار سائیڈ پر رکھ دیا۔

"وہ بھی آمنے سامنے۔" وہ ہنستے ہوئے بولے۔"چلو اب سفر اچھا رہے گا۔"

"وہ آپ کا بیٹا ہے؟" ابا نے ساتھ بیٹھے ہوئے لڑکے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ساتھ میں اپنی بیٹی کا بھی تعارف کروایا۔اس لڑکے نے فوراً اٹھ کر سلام کیا۔

"جی یہ میرا بیٹا ہے۔اس کا میچ ہے کرکٹ کا کراچی میں ۔میں نے سوچا چل کر دیکھ لوں کیسے ہارتا ہے۔" وہ پھر ہنستے ہوئے بولے ۔اس لڑکے نے حیرت سے اپنے والد کو دیکھا۔اور پھر باہر دیکھنے لگا۔شاید اسکے والد کی عادت تھی مذاق کرنے کی۔

ٹرین کی سیٹی کی آواز آئی اور ٹرین چل پڑی۔وہ خوشی سے باہر دیکھنے لگی۔ٹرین ہر چیز کو پیچھے چھوڑتی ہوئی تیزی سے آگے کو بڑھنے لگی۔دونوں کے والد صاحب باتوں میں مصروف ہو گئے۔اس لڑکے نے اپنے بیگ سے کتاب نکالی اور پڑھنے لگا۔

دو چٹیا والی لڑکی بڑے مزے سے باہر دیکھنے لگی۔وہ بار بار اپنے ہاتھ پر پہنی ہوئی گھڑی کو دیکھتی۔اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔وہ باہر کے منظر کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔اسکا رنگ سانولا تھا اور چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ٹرین حیدرآباد سندھ سٹیشن پر رکی۔وہ باہر کھڑے ہوئے لوگوں کا جائزہ لینے لگی۔کچھ لوگ اپنے سامان کے اور کچھ لوگ اپنی فیملیز کے ساتھ کھڑے تھے۔قلی ایک قطار بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ٹرین پھر سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئی۔

تقریباً ساڑھے سات کے قریب ڈنر ٹائم ہوا۔ان تینوں نے کھانا کھایا۔سوائے اس سپورٹس پرسن کے اس نے اپنی فٹنس کا دھیان رکھنا تھا۔اپنے والد کے کہنے پر اس نے ذرا سے چاول کھائے۔ان دونوں کے والد صاحب اب بھی ماضی کی باتیں کر رہے تھے۔

اس نے ایک نظر اس لڑکے پر ڈالی۔وہ کھانا کھا چکا تھا۔جیب سے رومال نکالا ،اپنا منہ ہاتھ صاف کیا اور دوبارہ کتاب پڑھنے لگا۔اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال ہو گی۔وہ دبلا پتلا تھا اور چہرے سے بے حد سنجیدہ انسان لگتا تھا۔اس نے اپنا کھانا ختم کیا اور دوبارہ باہر دیکھنے لگی۔باہر اندھیرا چھانے لگا۔نہ جانے کیوں وہ اداس ہو گئی۔اس کے گالوں پر ایک دو آنسو آئے۔اس نے فوراً ان کو صاف کر دیا۔وہ دکھی تو تھی پر ظاہر نہیں کر رہی تھی۔

آخر کار ٹرین لاہور سٹیشن پہنچ گئی۔ابا ان سے گلے مل رہے تھے۔وہ بھی اپنے پنجوں کے بل کھڑی ہو گئی اور اوپر سے اپنا سامان اتارنے لگی۔اس نے مڑ کر مدد کے لیے اپنے ابا کو دیکھا۔وہ ابھی تک اپنی باتوں میں مصروف تھے۔اس لڑکے نے اپنی کتاب بند کی اور اپنے ایک ہاتھ سے اسکا سوٹ کیس اتار دیا۔

اس نے ہلکی آواز سے اس کا شکریہ ادا کیا۔انکل کو اللہ حافظ کہا اور اپنے ابا کا ہاتھ پکڑ کر باہر کو نکل گئی۔یہاں بھی پلیٹ فارم پر بہت رش تھا۔انہوں نے ٹیکسی لی اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔راستے میں اس کی نظر اپنے ہاتھ پر پڑی۔اسے شاک لگا۔اس کی گھڑی ہاتھ پر نہیں تھی۔اس کے آنسو بہنے لگے۔

اپنے ابا کی طرف دیکھا۔وہ کافی مطمئن لگ رہے تھے۔وہ انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔وہ خاموش ہو گئی۔اس کے اندر کچھ ٹوٹ گیا تھا۔

☆......☆......☆

"تمہارے بیٹے سے اور کیا امید کی جا سکتی ہے؟" اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں۔

"وہ ایسا نہیں کر سکتا۔" وہ رک رک کر کہہ رہی تھی۔وہ بڑی مشکل سے دیوار کے سہارے ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔اس کا جی چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اندر دفن ہو جائے۔

"مجال ہے جو اپنی غلطی تسلیم کر لے۔اور دیکھو آگے سے کیسے زبان چلا رہی ہے۔کچھ تو اللہ کا خوف کرو۔" فرح اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر ناک چڑھا کر بولی۔

"مجھے تو شروع دن سے اس کی حرکتیں پسند نہیں تھیں۔میں نے پہلے بھی کہا تھا پر میری کون سنتا ہے اس گھر میں۔اب بھگتو ہماری ساری عزت مٹی میں ملا دی۔ہائے ربا کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔" یہ فرخ تھی جو اپنے سینے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر رو رہی تھی۔"بھائی صاحب آپ کچھ بولتے کیوں نہیں۔"

"یہ اس گھر میں نہیں رہے گا۔آپ بس فیصلہ کر دیں۔" فرح نے اپنے بھائی کو حکم دیا۔

ولید صاحب کی حویلی میں اس وقت عدالت لگی تھی۔بڑے سے ٹی وی لاؤنج میں سب گھر والے جمع تھے۔دونوں نندیں چودھریوں کی طرح صوفے پر براجمان تھیں۔ان کے بچے بھی وہاں کھڑے تھے۔ولید صاحب اپنا سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھے تھے۔وہ شدید غصے میں تھے۔

بڑی بھابھی سنگل صوفے پر ٹانگ رکھ کر سارا تماشہ دیکھ رہی تھیں۔لان کا برانڈڈ سوٹ پہنا ہوا تھا۔بالوں کا جوڑا اور کانوں میں پرل پہنے ہوئے تھے۔دونوں ہاتھ سونے کی چوڑیوں سے بھرے ہوئے تھے۔

"ابھی آپ کے بڑے بھائی کا فون آئے گا تو میں کیا کہوں گی۔اس کی عمر دیکھو اور حرکتیں دیکھو۔میں تو

اپنے اکلوتے بیٹے کو پرسوں ہی فرانس واپس لے جا رہی ہوں۔ کس کی نیت کا کیا پتہ۔" طنزیہ نظر دیوار کے ساتھ کھڑی ہوئی عورت پر ڈالی۔

"مجھے انصاف چاہیے اگر میرے شوہر کو پتہ چل گیا کہ اس کی اولاد کے ساتھ یہاں کیا ظلم ہوا ہے۔ وہ تم میں سے کسی کو نہیں چھوڑے گا۔" مونا اپنی انگلی سب کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔ "ظلم تو میری اولاد کے ساتھ ہوا ہے۔ اللہ پوچھے گا تم سب کو۔"

"ہم نے کیا کیا ہے؟ اس کی اماں کو بولو۔" افشاں نے اپنے پرل پر ہاتھ پھیرا۔ "کیوں دیور جی۔ خاموش کیوں ہیں۔ مجرم آپ کا بیٹا ہے۔ اپنی چھوٹی بہن (مونا) کو انصاف دیں۔ جرم آپ کے بیٹے نے کیا ہے۔ میری انگوٹھی چوری ہوئی تو اس کے پاس سے نکلی۔ کیوں فرح اور فرخ کیا کہتی ہو۔ تمہاری بچاری چھوٹی بہن نے کیسے رو رو کر اپنا برا حال کیا ہوا ہے۔"

ولید صاحب کے بڑے بھائی فرانس میں رہتے تھے۔ ابھی گرمیوں کی چھٹیوں پر انکی بیگم افشاں اپنے بیٹے کے ساتھ پاکستان میں رہنے آئی تھیں۔ انکے غرور سے ہر کوئی واقف تھا۔ ایک تو وہ امیر تھیں اور ساتھ میں فرانس سے آئی تھیں۔ فرح، فرخ اور مونا بھی اپنے بچوں کے ساتھ چھٹیوں پر بھائی کے گھر رہنے آئے تھے۔

راحیلہ دیوار کے ساتھ کھڑی رو رہی تھی۔ فائزہ کچن سے پانی کا گلاس لے کر آئی۔ کرسی کھینچ کر اپنی ماں کے پاس کی۔ اور انکا ہاتھ پکڑ کر انہیں بٹھایا۔ تینوں نندیں اور بڑی جیٹھانی اسے چبھتی نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"اماں، پانی پی لیں۔ شکر ہے کچھ ایسا نہیں ہوا جس کا ماتم منایا جائے۔" انہیں پانی پلایا۔

"شاباش لڑکی۔ یہ کیا بکواس کر رہی ہو۔ بھائی صاحب سن رہے ہیں ناں آپ کی بیٹی کیا کہہ رہی ہے۔" فرح چیخ کر بولی۔ "کیا مطلب کچھ ایسا نہیں ہوا جس کا ماتم منایا جائے۔" اس نے دوہرایا۔

"میری بچی کا رو رو کر برا حال ہو گیا ہے اور۔۔۔۔" مونا پھر اونچی آواز سے رونے لگی۔

"ظاہری بات ہے اپنے بھائی کا ساتھ دے گی۔ جیسی ماں ویسی بیٹی۔ چور کی بہن جو ٹھہری۔" تائی کہاں پیچھے رہنے والی تھی۔

"میرے کہنے کا مقصد ہے اگر اس بات کو ادھر ختم کر دیا جائے۔ کوئی بھی اس بات کو نہ دوہرائے اور نہ گھر سے

مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔اپنے باپ کے صوفے کی پشت پر کھڑی بڑے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

"میں تو چیخ چیخ کر سب کو بتاؤں گی۔میری بیٹی بار بار تمہارے بھائی کا نام لے رہی ہے۔اسے پولیس کے حوالے کروا کر دم لوں گی۔میری بیٹی ساری زندگی تکلیف میں گزارے۔اور وہ چور عیش کرے۔ابھی نیند کی دوا کھا کر سوئی ہے۔"

"تمہیں اللہ کا واسطہ مونا خاموش ہو جاؤ۔اس لڑکے نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔" ولید صاحب نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی بہن کے سامنے جوڑے۔

راحیلہ نے پانی کا گلاس زمین پر رکھا اور چل کر مونا کے پاس آئی۔اس کے آگے فرش پر بیٹھ گئی۔اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگی۔

"میں مانتی ہوں میرے بیٹے نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔اگر اس کو پولیس کے حوالے کیا تو اس کی ساری زندگی تباہ ہو جائے گی۔اللہ کا واسطہ اسے معاف کر دو۔" وہ ابھی بھی رو رہی تھی۔

فائزہ کو اپنی ماں کے لیے بہت برا لگ رہا تھا۔وہ اب مزید بڑوں کے آگے نہیں بول سکتی تھی۔وہ اوپر اپنے کمرے میں آ گئی۔کھڑکی سے نیچے سرونٹ کوارٹر پر نظر پڑی۔جہاں تالا لگا تھا۔وہ اپنے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔اسکے بھی آنسو نکلنے لگے۔

نیچے کافی دیر خاموشی رہی۔راحیلہ ابھی تک فرش پر بیٹھی رو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے میں اسے پولیس کے حوالے نہیں کرتی۔" کافی دیر بعد مونا بولی۔"پر آئندہ کے بعد میں اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گی۔میں آج ہی واپس جا رہی ہوں۔" وہ اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی۔

"ایسے کیسے معاف کر دیں۔اسے ہر حال میں سزا ملنی چاہیے۔شرم تو آتی نہیں ہے۔پہلے میری ہیرے کی انگوٹھی چرائی اور اب یہ سب۔اتنا نہیں کہ معافی ہی مانگ لے۔" افشاں نے پھر آگ لگائی۔

مونا اپنے کمرے میں چلی گئی اور اپنے سسرال فون کیا۔راحیلہ کچن میں آ گئی۔کچھ دیر بعد مونا اپنی بیٹی کے ساتھ باہر آئی۔صوفے پر بیٹھے اپنے بھائی کو دیکھا۔جس کی آنکھیں نم تھیں۔سر جھکا ہوا تھا۔نوکر کو آواز دی کہ سامان باہر لے آئے اور اپنی بیٹی کو لے کر چلی گئی۔

"آج شام کو میرے بھائی کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔ مجھے وہاں جانا ہے۔ دعوت آپ سب کو بھی دی تھی پر خیر ہے۔ مجھے کل ویسے بھی فرانس واپس جانا ہے۔" اپنا بیگ پکڑ کر کھڑی ہوئی۔

"بھابھی، وہ بچے ۔۔۔۔" فرخ بولی۔

"رہنے دو بہن۔ میں ان کو ملانے کے لیے واپس نہیں آؤں گی۔" اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اپنے ہیرے کی انگوٹھی دکھانا نہیں بھولی۔ "اس ماحول میں اپنے بچوں کو نہیں لاؤں گی۔ باہر ڈرائیور میرا انتظار کر رہا ہے۔ اللہ حافظ۔" اپنی ہیل والی جوتی سے ٹک ٹک کرتی چلی گئی۔ فرح اور فرخ بھی اپنے بچوں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ ولید صاحب گھر سے باہر چلے گئے۔ اور راحیلہ اپنے کمرے میں آ گئیں۔ گھر میں مکمل خاموشی ہو گئی۔

☆......☆......☆

آج صبح سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ جس سے موسم بہت خوبصورت ہو گیا تھا۔ شام کو ہلکی ہلکی ہوا چلنا شروع ہو گئی۔ ساتھ میں بوندا باری ہونے لگی۔ جہاں بہت سے لوگ بارش سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہاں کچھ لوگوں کے لیے باعثِ زحمت تھی۔ ان کے کچے مکانات کی چھتیں گرنے کا انہیں خطرہ تھا۔

بارش ہو رہی ہو اور کچھ گھروں میں پکوڑے نہ بنیں ایسا ناممکن ہے۔ ایسے ہی ایک گھر میں پکوڑے تلے جا رہے تھے۔ سب گھر کے صحن میں جمع تھے۔ کچن میں مسلسل آلو کٹ رہے تھے۔ اور ان کو بیسن میں ڈال کر کڑاہی میں ڈالا جا رہا تھا۔

"جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ۔ جو پکوڑوں کا پیالہ پہلے باہر بھیجا تھا۔ وہ ختم ہو گیا ہے۔ ابھی چائے بھی بنانی ہے۔" کنزا آنٹی نے فریج سے دودھ نکالتے ہوئے کہا۔

"کہیں آلو اور بیسن کم نہ پڑ جائیں۔" نیلم آلو چھیلتے ہوئے بولی۔

"بہو، یہ میرا گھر ہے۔ اور مجھے اپنے گھر والوں کی پسند اور ناپسند ہر چیز کا علم ہے۔ اندر سٹور میں (ہاتھ سے اشارہ کیا) ہر چیز موجود ہے۔ جاؤ اور آلو لے آؤ۔" دودھ کی دیگچی چولہے پر رکھی اور چولہا جلایا۔

"آنٹی، آپ کے ہاتھوں میں ویسے جادو ہے۔ بہت مزے کے پکوڑے بناتی ہیں۔ میری امی آپ کی ہی

بہن ہیں پر ذرا مزے کا کھانا نہیں بناتیں۔میرا دل چاہتا ہے ادھر ہی رک جاؤں۔"انعم نے مزے سے پکوڑا کھایا اور ساتھ موبائل پر میسج کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔وہ اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھی۔جینز کی پینٹ کے اوپر ہاف بازو والے لائن فراک پہنا ہوا تھا۔بال کھلے تھے۔آنکھوں میں مسکارا اور ہونٹوں پر لپ سٹک لگی تھی۔وہ ہر وقت اپنے آپ کو ایک ماڈل کی طرح تیار رکھتی تھی۔

کچن کافی بڑا تھا۔جو کنزا آنٹی کی مرضی کے مطابق بنایا گیا تھا۔کنزا آنٹی پورے خاندان میں غصے والی مشہور تھیں۔حالانکہ وہ صرف اصولوں والی اور سگھڑ مزاج عورت تھیں۔ان کے چار بیٹے تھے۔اور بڑے بیٹے کی شادی کردی تھیں۔نیلم ان کی بڑی بہو تھی۔جب تک اسے کوئی کام نہ کہا جاتا وہ کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتی۔

دادی امی کچن میں داخل ہوئیں۔کندھوں پر سفید شال اور ہاتھ میں تسبیح تھی اور کرسی پر بیٹھ گئیں۔ایک نظر سب کو دیکھا۔کنزا ان کی بہو چائے کپوں میں ڈال کر باہر لے جا رہی تھی۔نیلم ساتھ والی کرسی پر بیٹھ کے آلو کاٹ رہی تھی۔ان کی پوتی پکوڑے تل رہی تھی۔اس نے سادہ شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔دوپٹہ پھیلا کر لیا ہوا تھا۔بالوں کی چٹیا بنی ہوئی تھی۔انعم نے اپنے آگے پکوڑوں کی پلیٹ رکھی ہوئی تھی۔وہ مزے سے پکوڑے کھا رہی تھی۔اور موبائل پر کچھ دیکھ رہی تھی۔

"تم بھی اٹھ کر کوئی کام کرلو۔کب تک مہمان بن کر رہو گی۔"وہ ان ماں بیٹی کو ذرا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔(نوشین اور اسکی بیٹی انعم)۔

"آپ کی پوتی نے سارا کچن سنبھالا ہوا ہے۔اور مجھ سے نہیں ہوتے یہ کچن کے کام۔"اس نے شانے اچکائے۔الماش کو طنزیہ نظر سے دیکھا۔اور نخرے سے اٹھ کر کچن سے باہر چلی گئی۔انعم اور الماش دونوں ہم عمر تھیں۔دونوں ایک ہی سکول میں پڑھ رہی تھیں۔نیلم کا کام بھی ختم ہو گیا اور وہ بھی صحن میں چلی گئی۔

"دادی امی، آپ کو کچھ چاہیے۔کیا آپ نے اپنی دوائی لے لی۔"الماش نے چولہا بند کیا۔اور اپنی دادی کے پاس آئی۔

"میں تو تمہارے وجہ سے کچن میں آئی تھی۔جانتی تھی چولہے کے آگے موجود ہو گی۔"وہ خفا ہوئیں۔

"کوئی بات نہیں۔بھابھی ویسے بھی ماں بننے والی ہیں۔سوچا یہاں آ کر ان کی ذرا مدد کر دوں۔"اپنی دادی

کے ساتھ کچن سے باہر آئی۔

صحن میں اس کے ابو اور تایا ابو ایک ساتھ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔اسکے دونوں بڑے بھائی، اور تائی کے چاروں بیٹے آپس میں بیٹھے موبائل پر کسی ویڈیو کا مذاق اڑا رہے تھے۔تائی کنزا ان کی بہن نوشین، انعم اور نیلم ایک ساتھ موجود تھے۔وہ صحن سے گزرتی ہوئی اپنی دادی کے ساتھ اپنے گھر جا رہی تھی۔اس نے مڑ کر ان چار عورتوں پر دوبارہ نظر ڈالی۔وہ بھی اسے دیکھ رہی تھیں۔اسے کچھ کھٹکا۔اس نے نظرانداز کر دیا اور اپنے گھر آ گئی۔

اس نے گھر آ کر اپنی دادی کو ان کی دوائی دی۔وہ نماز پڑھنے لگیں۔اپنے ابو کے کمرے میں جا کر الماری سے ان کے لیے کمبل نکالا اور بیڈ پر رکھ دیا۔دادی اور اس کا کمرہ ساتھ ساتھ تھا۔اپنے کمرے میں آئی اور بیڈ پر لیٹ گئی۔اپنے بنی کو اپنے ساتھ لگا کر لیٹ گئی۔ابو سارا دن کارخانے میں ہوتے۔بڑے بھائی بھی ان کے ساتھ ہوتے۔ان کی منگنی ہو چکی تھی۔اور چند ماہ میں انکی شادی تھی۔چھوٹا بھائی صبح یونیورسٹی جاتا اور شام کو کرکٹ کھیلنے جاتا۔وہ بھی صبح سکول جاتی اور باقی کا سارا دن اپنی دادی کے ساتھ گزارتی۔دادی اور الماش دونوں مل کر کھانا پکاتیں۔اور گھر کا سارا کام ماسی آ کر کرتی۔

الماش صبح اٹھی۔فریش ہوئی اور شیشے کے سامنے کھڑی ہو کر کنگھی کرنے لگی۔آج چھٹی تھی۔کھڑکی سے باہر دیکھا آج بھی موسم بہت اچھا تھا۔سورج آج پھر غائب تھا۔ہلکی ہلکی ٹھنڈ پڑ رہی تھی۔اس نے اپنا دوپٹہ لیا اور کچن میں آ گئی۔دادی امی اور ابو دونوں ناشتہ کر رہے تھے۔اس نے انہیں سلام کیا، چولہا جلایا اور چائے کے لیے پانی رکھا۔

"تم رات کو گھر سے باہر گئی تھی؟" بڑے بھائی نے کچن میں داخل ہوتے ہی سوال کیا۔وہ کافی سنجیدہ تھے۔

اس نے مڑ کر حیرت سے انہیں دیکھا۔فرقان عزیز اور دادی نے ناشتہ روک دیا۔

"نہیں۔۔۔۔نہیں۔۔۔میں کہیں نہیں گئی۔" اس کی آواز بند ہو گئی۔اپنے دونوں بھائیوں سے اسے بہت ڈر لگتا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ عظیم، اس نے کہاں جانا تھا؟" دادی امی نے رومال سے اپنا ہاتھ صاف کیا۔

"اگر آئندہ میں نے تمہارے بارے میں کچھ بھی غلط (اپنی انگلی سے اسکی طرف اشارہ کیا) سنا تو یاد رکھنا میں

تمہارا کیا حشر کروں گا۔" غصے سے اس کی طرف دیکھا اور باہر چلا گیا۔

وہ ابھی تک شاک میں تھی کہ ہوا کیا ہے۔ پانی ابل چکا تھا۔ اس وقت ابلتے ہوئے پانی اور اس کی حالت ایک جیسی تھی۔ اس کے اندر بھی دکھ کا طوفان ابل رہا تھا۔ اس کے ابو نے ناشتہ چھوڑ دیا اور کچن سے باہر چلے گئے۔ دادی نے اپنے بیٹے کو آواز دی پر وہ نہ رکے۔

اس نے چولہا بند کر دیا۔ گرم پانی سنک میں بہا دیا۔ پین زور سے سنک میں پھینک دیا۔ اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ کسی سے کچھ نہ کہتی جب بھی غصہ آتا وہ چیزوں پر اپنا غصہ نکالتی۔

اتنی دیر میں ماسی آ گئی اور دادی اس کے ساتھ لگ گئیں۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پر لیٹ گئی اور رونے لگی۔ جب تک اس کی امی زندہ تھیں۔ اپنے دونوں بھائیوں کی لاڈلی تھی۔ پر اس کی امی کے جانے کے بعد اس کے ساتھ کچھ ایسا ہوا جس سے الماش اپنے دونوں بھائیوں سے دور ہو گئی۔

☆......☆......☆

وہ چوتھی کلاس کا سٹوڈنٹ تھا۔ وہ اپنی کلاس میں سب سے پیچھے بیٹھا تھا۔ اس کی ساتھ والی سیٹ ہمیشہ خالی ہوتی۔ کلاس میں فارغ وقت میں وہ زیادہ تر ڈرائنگ کرتا۔ اس کا کوئی دوست نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی وہ ہکلا کر بولتا تھا۔ وہ رک رک کر بات کرتا تھا۔ جس کے نتیجے میں کلاس کے بچے اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

اسے سبق سنانے میں بہت مشکل ہوتی۔ اور جب کلاس میں ٹیچر کے سامنے سبق سنانے لگتا تو ایک ایک لفظ کو بار بار دوہرتا۔ اور ساری کلاس اس پر ہنسنے لگتی۔ پوری کلاس نے اس کا نام طوطا رکھا ہوا تھا۔ بعض ٹیچر کا یہ خیال تھا کہ وہ پڑھائی سے بچنے کے لیے ایسی حرکتیں کرتا ہے۔

امتحانات قریب آ رہے تھے۔ تمام ٹیچرز بچوں کو تیاری کروا رہے تھے۔ انگلش کی ٹیچر نے انہیں سبق یاد کرنے کو دیا تھا۔ جب اس کی باری آئی سنانے کی۔ تو وہ اٹک اٹک کر سنانے لگا۔ جس کی وجہ سے ٹیچر نے اسے بہت مارا۔

اس دن وہ گھر آیا۔ دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔ جب اس کی امی کمرے میں آئیں۔ تو وہ سر پر سرہانا رکھ کر لیٹا ہوا تھا۔ سکول کا یونیفارم بھی نہیں بدلا تھا۔

"علی کیا ہوا ہے آپ کو؟ نہ کھانا کھایا ہے نہ یونیفارم بدلا ہے؟" اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔اس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"ک۔۔ک۔۔۔کچھ۔۔نہیں۔۔۔" سرہانے کے نیچے سے آواز آئی۔

"تو اٹھ جاؤ بیٹا۔جا کر نہا لو اور کھانا کھا لو۔" وہ پیار سے کہنے لگیں۔"ابھی آپ نے پیپرز کی تیاری بھی کرنی ہے۔"

"ہوں۔"

"میں نے آپ کی پسند کا کیک بنایا ہے۔"

"ہوں۔"

"اٹھ جاؤ شاباش سیدھے ہو کر بیٹھو۔" اس کے سر سے سرہانا پیچھے کیا۔وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔اس کے چہرے پر انگلیوں کے نشانات تھے۔آنکھیں سرخ تھیں۔وہ کافی زیادہ رویا ہوا لگ رہا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟ کس نے مارا ہے؟ کیا کوئی لڑائی ہوئی ہے؟" اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"ٹیچر۔۔۔نے۔"

"پر کیوں؟ تم نے تو سارا سبق یاد کیا تھا۔" انہیں ٹیچر پر غصہ بھی آیا اور حیرت بھی ہوئی۔علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔اور اپنا سر جھکا لیا۔

"میں۔۔۔نے۔۔۔سکو۔۔۔سکول۔۔نہیں جانا۔" آنسو بہنے لگے۔

"پر علی بیٹا۔۔۔" وہ خاموش ہو گئیں۔پیار سے اس کے گالوں کو چھوا۔انہیں سمجھ آ گیا وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔"بیٹا ہمت نہیں ہارتے۔لوگوں کی فالتو باتوں پر دھیان نہیں دیتے۔میں تم کو ایک کہانی سناتی ہوں۔" وہ بہت غور سے اپنی امی کی کہانی سننے لگا۔

"ایک دفعہ ایک مینڈک کنوئیں میں گر گیا۔ایک اور مینڈک اسے بچانے کے لیے آیا۔وہ بھی کنویں میں گر گیا۔تیسرا مینڈک ان دونوں کو بچانے آیا۔وہ بھی اس کنویں میں گر گیا۔اب تینوں مینڈک شور مچانے لگے بچاؤ بچاؤ بچاؤ۔ارد گرد کے سارے مینڈک اس کنویں کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ان کو پتہ چلا جو ان کو باہر نکالنے کی

کوشش کرتا ہے وہ بھی اندر گر جاتا ہے۔اس لیے وہ دور سے ان کو ہمت دینے لگے۔ان کا حوصلہ بڑھانے لگے

باہر نکلو۔۔۔باہر نکلو۔

لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہاں موجود سارے مینڈکوں نے کیا دیکھا۔کہ دو جو مینڈک ہیں وہ تھک رہے ہیں۔اور تیسرا نہیں تھک رہا۔ان دونوں مینڈکوں کو دیکھتے ہوئے سب نے کہنا شروع کر دیا۔تم نہیں نکل سکتے۔۔۔تم نہیں نکل سکتے۔بڑا مشکل ہے۔آج تک کوئی نہیں نکل سکا تم مر جاؤ گے۔

بیٹا۔۔۔اسی وقت سب نے دیکھا کہ دو مینڈک گر کر مر گئے۔اور ایک مینڈک کوشش کرتا باہر آ گیا۔جب باہر آیا تو سارے مینڈک اس کے پاس جمع ہو گئے۔اور اس سے پوچھنے لگے۔

"تم کیسے باہر آ گئے۔"

"جی۔۔تم سب کیا کہہ رہے ہو۔" وہ بولا۔

ان مینڈکوں کو حیرت ہوئی اور انہیں پتہ چلا کہ اسے سنائی نہیں دیتا ہے۔وہ مینڈک تو بہرہ ہے۔علی بیٹا۔اگر وہ بھی یہ سن لیتا کہ وہ کنویں سے نہیں نکل سکتا۔تو وہ بھی ہمت ہار جاتا اور اندر ہی گر کر مر جاتا۔اسے یہ یقین تھا کہ اس نے بچ جانا ہے۔تو وہ اندر سے باہر آ گیا۔علی!سب کی باتیں سن کر اپنی دنیا محدود نہیں کر لیتے ہیں۔اللہ نے سب کو کوئی نہ کوئی خوبی دے کر پیدا کیا ہے۔جب تم کوئی ویڈیو گیم کھیلتے ہو اور ہار جاتے ہو۔تو کیا ہمیشہ کے لیے وہ گیم کھیلنا چھوڑ دیتے ہو۔نہیں ناں اسے دوبارہ کھیلتے ہو اور آخر کار جیت جاتے ہو۔کبھی بھی ہمت نہیں ہارنا۔یاد رکھو یہ دنیا ایک جنگ ہے۔"

انہوں نے کہانی سنانے کے بعد اسے اپنے گلے سے لگایا اور اس کا منہ چوما۔"چلو بیٹا اٹھ کر نہا لو اور کھانا کھا لو۔پھر پیپرز کی تیاری کرنی ہے۔"

وہ بیڈ سے نیچے اترا۔اور اپنی امی سے چپک گیا۔اس کی امی بھی ہنس پڑیں۔

"شکریہ امی۔" یہ بول کر فوراً واش روم میں گھس گیا۔

مسز حیدر نے الماری سے اس کے کپڑے نکالے۔بیڈ شیٹ ٹھیک کی اور کچن میں آ گئیں۔اپنے بیٹے کے لیے کھانا گرم کرنے لگیں۔دونوں ماں بیٹے گھر کے سب سے اوپر والے پورشن میں رہتے تھے۔یہاں صرف

ایک ہی کمرہ تھا۔جس کے ساتھ واش روم تھا۔باہر ایک چھوٹا کچن تھا۔یہی ان ماں بیٹے کی دنیا تھی۔کھانا گرم کر کے ڈائننگ میز پر رکھ دیا۔وہ کافی دکھی تھیں۔بھائی سلمان بھی اپنی فیملی کے ساتھ امریکہ شفٹ ہو رہے تھے۔اور ایسے میں اکیلا رہنا بہت مشکل تھا۔وہ علی کو ایک اچھی زندگی دینا چاہتی تھیں۔وہ صبح جاب کرتیں اور باقی کا سارا دن علی کے ساتھ گزارتیں۔وہ اس کی تربیت کے حوالے سے کافی سنجیدہ تھیں۔اس لیے وہ مختلف ورکشاپ بھی اٹینڈ کرتی تھیں۔وہ یہ بات اچھے سے جانتی تھیں کہ انسان کی شخصیت کا سارا دارومدار بچپن کی تربیت پر ہوتا ہے۔

وہ اس کو اس کے باپ جیسا بہادر بنانا چاہتی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ کافی دیر شہر کی سڑکوں پر بے مقصد پھرتا رہا۔اس کی اندر کی بے چینی ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔دل اور دماغ دونوں ساتھ نہیں دے رہے تھے۔اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ایک سڑک پر اپنی گاڑی روک دی۔اپنی ٹائی کو ڈھیلا کیا اور کوٹ کو اتار کر سائیڈ والی سیٹ پر پھینک دیا۔

گاڑی سے اتر کر باہر آیا۔سڑک بالکل خالی تھی۔ایک درخت کے پاس ٹوٹی لگی ہوئی تھی۔ٹوٹی کھولی اور اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔

سر پر پانی ڈالا اور پاس فٹ پاتھ پر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ہلکی ہلکی ہوا اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔اس کے گیلے بالوں سے پانی کے چند قطرے زمین پر گرے۔اسے اردگرد کی کوئی خبر نہ تھی۔وہ کافی دیر اسی حالت میں بیٹھا رہا۔اس کے آس پاس کافی پتے گرے ہوئے تھے۔کچھ سوکھے تھے اور کچھ بالکل تازہ لگ رہے تھے۔جیسے ابھی ٹوٹ کر نیچے گرے ہوں۔اس کا دکھ ابھی بہت بڑا تھا۔بالکل ان تازہ پتوں کی طرح لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسکا دکھ بھی سوکھے پتوں کی طرح خشک ہو جائے گا۔تبھی موبائل کی رنگ بجی۔وہ چونکا اور اپنے جیب سے موبائل نکالا۔اس کے بڑے بھائی کا فون تھا فرانس سے۔

"یا میرے اللہ،ان کو بھی خبر مل گئی یہ بھابی بھی۔" وہ منہ میں بڑبڑایا۔سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کال اٹھائی۔وہ بنا سلام دعا کے شروع ہو گئے۔انکا لہجہ خشک اور طنزیہ تھا۔

"مجھے افشاں کا فون آیا تھا۔اس نے مجھے تمہارے لاڈلے بیٹے کے کرتوتوں کے بارے میں بتایا ہے۔

بہت بہت مبارک ہو۔" یہ الفاظ کسی گرم ہتھوڑے کی طرح اپنے سر پر لگتے محسوس ہوئے۔" بڑا ناز تھا تم کو اس پر۔ پورے خاندان میں ذلیل کروا دیا۔ اسے گھر سے نکالو یا پولیس کے حوالے کرو۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو طلاق دے دو ایسی عورت کو جو اپنے بچوں کو سنبھال نہ سکی۔ اگر میں ہوتا تو یہی کرتا۔" اور فون بند کر دیا۔

انہیں تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ایک لفظ بھی نہ بول پائے۔ جسم میں جیسے جان باقی نہ رہی۔ وہ کافی دیر بت بنے بیٹھے رہے۔ موبائل کی پھر رنگ ہوئی۔ اب کی بار فائزہ کال کر رہی تھی۔

"بابا! آپ کہاں ہیں؟ گھر جلدی آ جائیں۔ چھوٹی پھوپھو آ رہی ہیں۔ افشاں چڑیل تائی نے کو سب بتا دیا ہے۔ مونا پھوپھو اپنے شوہر کے ساتھ کسی بھی وقت یہاں ٹپک سکتی ہیں۔ آپ پلیز گھر آ جائیں۔" اسکی سانس پھولی ہوئی تھی۔

"اچھا آ رہا ہوں۔" فون بند کیا اور کھڑے ہوئے۔ ان چتوں پر پیر رکھتے ہوئے تیزی سے اپنی گاڑی میں جا بیٹھے۔ شام ہو چکی تھی۔ گاڑی سٹاٹ کی اور فل سپیڈ سے اپنے گھر کی طرف دوڑائی۔ سر کے بال اور شرٹ اب خشک ہو چکی تھی۔ گھر کے آگے پہنچ کر ہارن دیا۔ چھوٹے بیٹے قاسم نے دروازہ کھولا۔ گاڑی اندر جا کر کھڑی کی۔ زور سے دروازہ کھولا اور سرونٹ کوارٹر کی طرف بھاگے۔ وہاں تالا لگا تھا۔ اپنی پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ چابی وہاں نہیں تھی۔ واپس گاڑی کی طرف دوڑے۔

قاسم جو چھٹی کلاس کا سٹوڈنٹ تھا۔ چھپ کر یہ سب دیکھ رہا تھا۔ صحن کافی بڑا تھا۔ وہ گاڑی کی طرف آئے۔ جھٹ سے کار کا دروازہ کھولا۔ اپنے کوٹ کی جیب سے چابی نکالی۔ اور واپس دوڑے۔ ان کی عمر سینتالیس تھی۔ وہ کافی دبلے پتلے اور ہنس مکھ انسان تھے۔ دروازے کے پاس آئے اور تالا کھولا۔

کمرے میں کافی اندھیرا تھا۔ انہوں نے لائٹ آن کی اور ادھر رک گئے۔ کمرہ کافی چھوٹا تھا۔ فین بند تھا اندر کافی گرمی تھی۔ ایک طرف ٹوٹی ہوئی الماری پڑی ہوئی تھی۔ پاس ایک چھوٹی میز تھی۔ جس پر واٹر کولر پڑا ہوا تھا۔ ساتھ چارپائی تھی جس پر وہ پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اس نے ٹراؤزر شرٹ پہنا ہوا تھا۔ شرٹ پر خون کے دھبے تھے۔ اس کے سیدھے ہاتھ پر خون جما ہوا تھا۔ ٹراؤزر پر جوتوں کے نشانات تھے۔ ان کو سانس لینے میں دقت ہونے لگی۔

ہر باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد خوب ترقی کرے۔اس کا اور اس کے خاندان کا نام روشن کرے۔اس کی اولاد اس کے لیے فخر کا باعث ہو۔وہ اسکا نام روشن کرے۔مگر جب یہی اولاد اپنے والدین کا بھروسہ توڑ دیتی ہے۔تو ایسے والدین ہمیشہ کے لیے اندر سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ان کا فخر سے بلند ہوا سر جھک جاتا ہے۔

وہ بھاری قدموں کے ساتھ چارپائی کے پاس گئے۔ان کا بی پی پھر شوٹ کر گیا۔آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔صبح والا واقعہ پھر سے ان کی نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔انہوں نے گہری سانس لی اور اسے آواز دینے کی بجائے اسے کالر سے پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا۔وہ شاید بیہوش پڑا تھا۔اس کا کالر چھوڑ دیا۔پاس کولر سے پانی لیا اور اس کے چہرے پر پھینک دیا۔وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔اسے کوئی ہوش نہ تھا۔

"ہوش میں آؤ۔" وہ غصے سے چلائے۔پانی کا ایک اور گلاس کولر سے لیا اور اس پر پھینک دیا۔اسے اب کچھ ہوش آیا۔اور کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"تمہارے پاس پندرہ منٹ ہیں۔اپنا سامان پکڑو اور اس گھر کو ابھی چھوڑ دو۔" ولید صاحب نے اسے بازو سے پکڑا اور کوارٹر روم سے باہر گھسیٹ کر لائے۔

"میرے پورے خاندان میں ناک کٹوا دی ہے۔" وہ ان کے ساتھ لڑکھڑاتا ہوا چل رہا تھا۔"دفعہ ہو جاؤ میرے گھر سے۔" وہ اسے گھسیٹتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔وہ کچھ کہنا چاہتا تھا پر بول نہ سکا۔اسکے جسم میں سخت درد ہو رہا تھا۔

"آئندہ کے بعد مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔" اور اسے گالیاں نکالنے لگے۔ٹی وی لاؤنج میں اسے زور سے دھکا دیا۔آواز سن کر فائزہ اور آنٹی راحیلہ اپنے اپنے کمروں سے باہر آ گئیں۔فائزہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آئی۔اور اپنی امی کے پاس کھڑی ہو گئی۔قاسم اب بھی چھپ کر یہ سب دیکھ رہا تھا۔آنٹی راحیلہ کے چہرے پر کوئی تاثرات نہ تھے۔البتہ ان کو دیکھ کر لگتا تھا وہ کافی دیر سے رو رہی تھیں۔

وہ زمین پر اوندھے منہ گرا ہوا تھا۔ولید صاحب اسکی طرف انگلی کر کے چیخ رہے تھے۔آج پورا گھر ان کی آواز سے گونج رہا تھا۔وہ فائزہ کی طرف مڑے۔

"اسکے کمرے میں جاؤ۔اس کی ضرورت کا سامان اوراس کے اہم ڈاکومنٹس لے کر پانچ منٹ میں نیچے آؤ۔۔۔ابھی جاؤ۔" ایک نظراس کی ماں پرڈالی۔

اس کے پاس اورکوئی چارہ نہ تھا۔وہ ٹوٹے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی اسکے کمرے میں داخل ہوئی۔کمرہ کافی بڑااورصاف ستھراتھا۔ہر چیزاپنی جگہ سیٹ تھی۔بیڈ کے ساتھ اسکا اسٹڈی ٹیبل تھا۔جس پراس کی چند کتابیں اورلیپ ٹاپ پڑاتھا۔بیڈ کے سامنے ٹی وی لگاہواتھا۔

اس کے آنسو بہنے لگے۔وہ اس کی الماری کے پاس گئی۔اس کی الماری کھولی، بیگ نکالااوراس کے کپڑے نکالنے لگی۔آگے سردیاں آنے والی تھیں۔سردیوں کے کپڑے بھی بیگ میں ڈالے۔ڈراکھولی اس کے ڈاکومنٹس نکالے اور بیگ میں ڈال دیے۔اسٹڈی ٹیبل سے اسکالیپ ٹاپ اور موبائل پکڑااسے بیگ میں ڈال دیا۔اس کے کمرے سے باہر آئی۔نیچے جھانکا وہاں اب خاموشی تھی۔آرام سے پہلے اپنے کمرے میں گئی۔پھر بیگ کو لے کرنیچے آگئی۔آنٹی راحیلہ اب بھی اسی پوزیشن میں بت بنی کھڑی تھیں۔اسکے ابوصوفے پراپنا سر پکڑ کر بیٹھے تھے۔اسکا بھائی فرش پراکڑوں بیٹھا تھا۔

فائزہ نے وہ بیگ اپنے ابو کے پاس رکھ دیا۔وہ فوراً کھڑے ہوگئے۔

"چلو میرے ساتھ پہلے بہت دیرہورہی ہے۔" وہ اس کا بیگ لے کردروازے کی طرف چل پڑے۔وہ بھی کھڑاہوگیااورلنگڑاتاہوادروازے کی طرف چل پڑا۔ایک پل رکا،اپنی ماں کو دیکھااورفوراًباہر کونکل پڑا۔باہر قاسم ستون کے پاس کھڑاتھاوہ اداس تھا۔وہ اسے نظرانداز کرتاسیدھا گاڑی میں جاکر بیٹھ گیا۔ولید صاحب نے اسکا بیگ پچھلی سیٹ پررکھ دیا۔قاسم نے گیٹ کھولاوہ فل سپیڈ سے گاڑی سڑک پرلے گئے۔قاسم نے گیٹ بند کیا اور بھاگتاہوااندرآیا۔

آنٹی راحیلہ صوفے پربیٹھ کررورہی تھیں۔فائزہ ان کے پاس بیٹھی تھی۔

"بھائی کہاں گیا ہے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اپنی بہن کو دیکھا۔جوراحیلہ کا ہاتھ اپنی گود میں رکھ کر انہیں تسلی دے رہی تھی۔

"وہ معافی ہی مانگ لیتا۔کچھ تو کہتا۔" آنٹی راحیلہ ہچکیاں لے کررونے لگیں۔"اس نے مجھے کہیں کا نہیں

چھوڑا۔کیوں۔۔کیوں کیا اس نے ایسا آخر کیوں۔" وہ اپنے بالوں کو نوچنے لگیں۔

"امی، کیا کر رہی ہیں؟" فائزہ نے انہیں روکا۔ایک ماں پر اس وقت کیا بیت رہی ہو گی۔وہ سمجھ نہیں سکتی تھی۔قاسم کچن میں گیا اور پانی کا گلاس لے کر آیا۔اور اپنی ماں کو دیا۔انہوں نے دو گھونٹ پانی پیا۔

"مجھے پتہ ہے بھائی نے کچھ نہیں کیا۔" قاسم معصومیت سے بولا۔فائزہ نے اسے غور سے دیکھا اور اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔تھوڑی دیر بعد واپس آئی ہاتھ میں ٹرے تھی۔وہ ٹرے قریبی میز پر رکھ دی۔اس میں چائے اور فرنچ ٹوسٹ تھے۔اس نے بڑی مشکل سے اپنی امی کو ٹوسٹ اور چائے دی۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔مجھے معلوم ہے ڈیڈ نے اس کو وقتی طور پر کہیں دور بھیج دیا ہے۔میں ان کو اچھے سے جانتی ہوں۔ویسے بھی میں نے بھائی کے بیگ میں اسکا موبائل اور لیپ ٹاپ رکھ دیا ہے۔ساتھ میں کچھ رقم بھی رکھ دی ہے۔" اس نے مسکرا کر دونوں کو بتایا۔ساتھ میں سر درد کی دوا اپنی ماں کو دی۔

"واہ۔۔۔اب ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔" قاسم خوش ہوا۔اسی پل شاہ کی آواز آئی۔اسکی خوشی ماند پڑ گئی۔ تینوں نے دروازے کی طرف دیکھا۔وہاں ولید صاحب کھڑے تھے۔وہ چل کر ان کے پاس آئے۔صوفے پر موبائل اور لیپ ٹاپ پھینک دیا۔فائزہ اور قاسم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔اور سیدھے ہو کر اپنی امی کے پاس بیٹھ گئے۔ولید صاحب صوفے سے ٹیک لگا کر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئے۔وہ کافی تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔کافی دیر خاموش رہنے کے بعد بولے

"ابھی نہیں تو کل سارے خاندان والے دوبارہ یہاں آئیں گے۔میں نہیں چاہتا کہ تمہارا بھائی یہاں موجود ہو۔" انکی نظریں زمین پر تھیں۔وہ ایک ایک لفظ پر زور دے رہے تھے۔" مجھے ابھی ان سب کا سامنا کرنا ہے۔یہ بات پورے خاندان میں پھیل گئی ہے۔"

"لازم افشاں آنٹی کی حرکت ہو گی۔" قاسم فٹ بولا۔انہوں نے ایک نظر اپنے بیٹے کو دیکھا اور پھر بولے۔

"مجھے گھر کا ماحول بالکل نارمل چاہیے۔کل سے تم کالج اور تم سکول جاؤ گے۔اب اس بارے میں کوئی بات نہیں کریں گا۔میں رشتے داروں سے خود نمٹ لوں گا۔" کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے۔"مسئلہ صرف مونا کے شوہر کا ہے۔اگر اللہ نے یہ دن دکھایا ہے تو دور بھی کر دے گا۔خیر۔۔۔رات بہت ہو گئی ہے۔تم دونوں اپنے

اپنے کمروں میں جاؤ۔"

وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔بھائی کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے۔پر اپنے ڈیڈی کی حالت دیکھ کر خاموشی سے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ٹی وی لاؤنج میں اب وہ دونوں موجود تھے۔آنٹی راحیلہ کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ایک ماں پر کیا بیتی ہو گی۔جب اسکا بیٹا جرم کرے۔وہ بھی ایسا جرم جس سے پوری انسانیت ہل جائے۔ان کو سوچتے ہوئے تکلیف ہو رہی تھی۔کتنا فخر تھا اپنے بیٹے پر ایک پل میں آسمان سے زمین پر گر گئی تھیں۔

" آپ کچھ کھائیں گے؟"

" نہیں۔۔۔مجھے بھوک نہیں لگ رہی۔آپ جا کر اپنے کمرے میں سو جاؤ۔کب تک اس بات کا سوگ مناؤ گی۔یہ داغ ساری زندگی ساتھ رہے گا۔" لہجے میں شاید طنز تھا۔

وہ بھی اٹھ گئیں۔ٹرے اٹھائی کچن میں رکھی اور اپنے روم میں آ گئیں۔واش روم گئیں، وضو کیا اور نماز ادا کی۔پھر دعا مانگی اور کافی دیر سجدے میں جا کر اللہ سے دعا مانگتی رہیں۔

ولید صاحب نے صوفے سے موبائل اور لیپ ٹاپ اٹھایا اور اپنی لائبریری میں آ گئے۔لائٹ آن کی سامان سامنے میز پر رکھا۔اپنا کوٹ اتار کر صوفے کی پشت پر ڈالا اور کرسی پر بیٹھ گئے۔دراز سے ایک فائل نکالی۔اس میں کچھ تصویریں اور اخبارات کی کٹنگ تھیں۔

ولید صاحب کے والد کافی امیر تھے۔ان کی کافی زمینیں اور دکانیں تھیں۔جب انہوں نے اپنے بچوں کی شادیاں کر دیں تو انہوں نے اپنی تمام جائیداد کے حصے کر دیے۔دوسروں بچوں نے دکانیں اور زمینیں لے لیں۔ولید نے صرف یہ حویلی اپنے پاس رکھی۔اور باقی جائیداد سے کچھ بھی نہ لیا۔

یہ شہر سے دور ایک ساتھ دو، ایک جیسی حویلیاں بنی ہوئی تھیں۔چونکہ یہ ایک ساتھ دو حویلیاں بنی ہوئی تھیں۔افشاں بھابھی کو کہاں برداشت تھا۔اس نے اس حویلی میں سے اپنا حصہ مانگا۔ولید صاحب نے اپنی بیگم کا سونا بیچ دیا۔قرضہ اٹھایا اور پوری رقم ادا کر دی۔یہ بات افشاں بھابھی سے برداشت نہ ہوئی۔کہ دونوں حویلیاں ولید کو مل گئی ہیں۔تب تو وہ فرانس چلی گئی تھیں۔

اب یہاں اچھا خاصہ شہر آباد ہو گیا ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس پراپرٹی کی قیمت کافی بڑھ گئی

تھی۔ ولید نے ایک حویلی اپنے پاس رکھی اور دوسری کرایہ پر دے دی۔ پھر اپنی بوتیک کھول لی۔

ولید صاحب نے وہ تصویریں سائیڈ پر رکھ دیں۔ اور اس اخبار کو دیکھنے لگے۔ جس میں ایک ایکسیڈنٹ کی خبر تھی۔ اخبار کافی سال پرانی تھی۔ وہ اور اداس ہو گئے۔ اس خبر سے انکی تکلیف دہ یادیں جڑی تھیں۔ اس فائل کو دوبارہ بند کر کے دراز میں رکھ دیا۔

کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اور آج کے دن کو یاد کرنے لگے۔ کس طرح انہوں نے اپنے بیٹے کو بیلٹ اور ہاکی کی سٹک سے پیٹا تھا۔ وہ آگے سے کچھ بھی نہیں بول رہا تھا۔ ٹینشن سے اپنی آنکھیں کھول لیں۔ ٹائی اتار کر میز پر پھینک دی۔

لائٹ آف کی جوتے اتارے اور صوفے پر لیٹ گئے۔ جیب سے موبائل نکالا۔ اس وقت ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ اپنے دوست کو میسج سینڈ کیا۔ گاڑی کے پہنچنے کا وقت بتایا۔ موبائل بند کیا اور سونے کے لیے لیٹ گئے۔ جانتے تھے کہ راحیلہ اس وقت جاگ رہی ہو گی۔ پر وہ اس کی تکلیف کم نہیں کر سکتے تھے۔ وقت کے ساتھ حالات کچھ بہتر ہو جائیں گے۔ امید پر ہی دنیا قائم ہے۔

☆......☆......☆

رات کا وقت تھا۔ گاڑی گھر سے نکلی اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص بار بار ہاتھ پر پہنی گھڑی کو دیکھ رہا تھا۔ چہرے سے صاف دکھائی دے رہا تھا وہ کافی پریشان ہے۔ ساتھ بیٹھا شخص کار کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس کی عمر چودہ سال تھی۔ وہ کافی دبلا پتلا تھا۔ ابھی حال ہی میں اس نے میٹرک کے پیپر دیے تھے۔ جس میں اس نے ٹاپ کیا تھا۔ تب اس کے والد صاحب اور سارے گھر والوں نے کتنی خوشیاں منائی تھیں۔

رات کا وقت تھا ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ ہر چیز کو غور سے دیکھ رہا تھا جیسے آخری بار دیکھ رہا ہو۔ اس نے ایک نظر فرنٹ مرر پر ڈالی۔ ساتھ والے شخص کو دیکھا اور پھر باہر دیکھنے لگا۔ گاڑی سٹیشن کے پاس رکی۔ اس نے جلدی سے پچھلی سیٹ سے اپنا بیگ اٹھا لیا۔

دونوں گاڑی سے باہر نکلے۔ ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ چپ چاپ اپنے والد کے پیچھے چلنے

لگا۔ٹکٹ انہوں نے پہلے ہی بک کروالی تھی۔رات کا وقت تھا سٹیشن پر کچھ کم رش تھا۔وہ لڑکا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ شاید پہلی بار سٹیشن آیا تھا۔اپنے مطلوبہ ڈبے کے سامنے پہنچے۔دونوں دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ٹرین کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔لہجہ بالکل سپاٹ تھا اور ماتھے پر بل پڑ رہے تھے۔

"تم کوئٹہ جا رہے ہو۔ادھر سٹیشن پر میرا ایک دوست تمہیں پک کرلے گا۔۔۔اللہ حافظ۔"

اس لڑکے نے اپنے سر خم دیا،ٹرین میں داخل ہوا اور اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ولید صاحب پاس ایک ہوٹل میں گئے۔وہاں سے کھانے کا سامان پیک کروایا۔ٹرین میں چڑھے اس کی سیٹ کے پاس آئے۔وہ بیگ کو اپنی گود میں رکھ کر سر جھکائے بیٹھا تھا۔انہوں نے اسے کھانا دیا اور ٹرین سے باہر آگئے۔

کچھ دیر بعد ٹرین اپنی منزل پر روانہ ہوگئی۔ان کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ٹرین آہستہ آہستہ ان کی نظروں سے دور ہوتی جا رہی تھی۔جب ٹرین چلی گئی وہ بھی سٹیشن سے باہر آگئے۔اپنی کار میں آکر بیٹھ گئے۔ٹشو سے اپنا چہرہ صاف کیا اور ٹوٹے دل سے اپنے گھر کو لوٹ گئے۔

وہ اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔اسکے ساتھ والی سیٹ خالی تھی۔اس نے اس سیٹ پر اپنا بیگ رکھ دیا۔بیگ سے اپنے کپڑے نکالے اور واش روم چلا گیا۔واپس آیا اپنے کپڑے بیگ میں ڈالے۔اور اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔اس نے پستہ رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ٹرین اب تیز چلنا شروع ہوگئی تھی۔

اس کے جسم میں سخت درد ہو رہا تھا۔اسکی اگلی سیٹ پر ایک فیملی آکر بیٹھ گئی۔اسے بھوک لگ رہی تھی۔اس نے کھانے کا شاپر کھولا۔اندر اسکی پسندیدہ شامی اور نان تھا۔ساتھ میں پانی کی بوتل تھی۔

وہ صبح کا بھوکا تھا فوراً کھانا کھانے لگا۔کھانا کھانے کے بعد اپنا بیگ کھولا۔بیگ سے فرسٹ ایڈ باکس نکالا۔وہ فائزہ نے رکھا تھا۔باکس سے پین کلر نکالی اور اسے پانی سے کھالی۔سیٹ سے ٹیک لگائی اور باہر دیکھنے لگ گیا۔اس کے دماغ میں بہت کچھ چل رہا تھا۔وہ دل میں سوچنے لگا۔

"آخر میں نے کیا غلطی کی ہے۔جس کی مجھے یہ سزا ملی ہے۔مجھے کسی نے صفائی کا موقع بھی نہیں دیا۔کیا میرے بہن بھائی بھی مجھے مجرم سمجھتے ہیں۔کیا میری ماں بھی مجھے غلط سمجھ رہی ہے؟اللہ مجھے معاف کرنا۔"اس نے تکلیف سے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

آج اتوار کا دن تھا۔صبح سے سارا گھر رشتے داروں سے بھرا ہوا تھا۔وہ اپنے چھوٹے بھائی قاسم کے ساتھ گھر کا سامان لینے گیا ہوا تھا۔وہ سامان لے کر گھر میں داخل ہوا۔اور سارا سامان کچن میں رکھ دیا۔گھر کے تمام بڑے افراد ٹی وی لاؤنج میں جمع تھے۔اس کے سارے کزن ہائیڈ اینڈ سیک کھیل رہے تھے۔بچوں نے ضد کی وہ بھی ان کے ساتھ کھیلے۔وہ مان گیا اور ان کے ساتھ کھیلنے لگا۔بس یہاں سے اس کی زندگی بدل گئی۔

پھوپھو فرح کے بیٹے نے سب کو ڈھونڈنا تھا۔وہ چھت پر چھپنے کے لیے گیا۔وہ کافی خوش تھا۔دوپہر کا وقت تھا۔سورج ابھی بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔موسم کافی خوشگوار تھا۔چھت کافی بڑی اور کھلی تھی۔وہاں ایک کمرہ تھا۔وہ وہاں چھپنے کے لیے گیا۔اس نے دروازے کو زور دے کر کھولا۔جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا۔۔۔

اس کے پیر وہیں جم گئے۔سامنے چارپائی پر کرن (پھوپھو مونا کی بیٹی) کافی بری حالت میں بیہوش پڑی تھی۔اس کی عمر چار سال ہوگی۔وہ اس کے قریب گیا اور اسے پکارنے لگا۔وہ منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔اسکی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔پاس زمین پر ایک انجکشن پڑا تھا۔اس نے اسے اٹھایا۔

"یہ یہاں کہاں سے آیا۔" اسے اپنی ٹراوزر کی جیب میں ڈالا۔یہ اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔کرن کو اپنی گود میں اٹھا کر نیچے لے کر جانے لگا۔اتنے میں اسکا کزن اسے ڈھونڈتے ہوئے آ گیا۔جب اس نے یہ منظر دیکھا تو بنا سوچے جانے سب کو اکٹھا کر لیا۔

بس پھر کیا تھا ایک منٹ میں عدالت لگی۔فیصلہ ہو گیا اور وہ کرن کا مجرم بن گیا۔مونا نے چیخ چیخ کر رو رو کر آسمان سر اٹھا لیا۔سارا خاندان جمع ہو گیا۔افشاں بھابھی کا بیٹا وقار کرن کو اٹھا کر نیچے لایا۔اور اسے ٹی وی لانج میں صوفے پر لٹا دیا۔ولید صاحب اپنے بیٹے عریش کو گریبان سے پکڑ کر نیچے گھسیٹتے ہوئے لائے۔

قاسم کے کمرے سے ہاکی لے کر آئے اور اسے مار مار کر اس کا برا حال کر دیا۔آنٹی راحیلہ فل شاک میں تھیں۔جو انہوں نے پہلے دیکھا اور اب جوان کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔وہ بت بنی سب دیکھ رہی تھیں۔

پھوپھو فرح کرن کو ہوش میں لا رہی تھیں۔وہ پریشانی سے بولیں۔

"لگتا ہے اسے بیہوش کیا گیا ہے۔"

"ہاں۔۔۔عریش بھائی کے پاس میں نے انجکشن دیکھا تھا۔انہوں نے اپنی جیب میں رکھا تھا۔" جس

کزن نے دیکھا تھا فوراً بولا۔

"اس کی جیب چیک کریں۔" افشاں بھابھی بلند آواز سے بولی۔

ولید صاحب تو جیسے پاگل ہو گئے تھے۔ وہ زمین پر گرا ہوا تھا۔ اور وہ اسے جوتے مار رہے تھے۔ اسکی جیب سے انجکشن نکلا۔

" کمینے ۔۔۔۔ تجھے میری چار سال کی معصوم بچی ہی ملی تھی۔" مونا ادھر زمین پر بیٹھ گئی اور اپنے آپ کو پیٹنے لگی۔ " تجھے اس پر ذرا ترس نہیں آیا۔ اللہ پوچھے گا تجھے ۔۔۔ ہائے ۔۔۔۔"

" دیکھ لیے اپنے بیٹے کے کرتوت۔ بڑا فخر تھا تجھے اپنے بیٹے پر۔ اس کو اس ہی خاندان کی لڑکی ملی تھی۔ میں تو کہتی ہوں اسے پولیس کے حوالے کر دیں۔" افشاں راحیلہ کو نفرت سے دیکھتی ہوئی بولیں۔

" میں اس کے باپ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔" مونا مسلسل رو رہی تھی اور اسے بد دعائیں دے رہی تھیں۔

" تبھی میں کہوں ہر وقت میری بیٹی سے کیوں کھیلتا رہتا ہے۔"

" مجھے پہلے ہی اس کی حرکتوں پر شک تھا۔ آج بہانے سے اسے لے گیا اوپر۔ وہ تو شکر ہے کہ میرے بیٹے نے دیکھ لیا ورنہ توبہ ۔۔۔۔ توبہ۔" افشاں بھابھی اپنی ناک اونچی کر کے بولیں۔

ولید صاحب تھک کر ادھر فرش پر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ وہ ندامت سے اپنا سر جھکائے بیٹھے تھے۔ سارے خاندان کی نظریں زمین پر اوندھے پڑے عریش پر تھیں۔ اس کے جسم سے خون نکل رہا تھا۔ ان سب کے بیچ فائزہ اور قاسم اپنی ماں کے ساتھ چپک کر کھڑے تھے۔ کرن کو پانی پلایا اس کے ہاتھ اور پیر کو مالش کیا۔ اسے تب جا کر کچھ ہوش آیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

وہ بار بار " عریش بھائی ۔۔۔ " کہہ رہی تھی۔ مونا اسے اپنے سینے سے لگا کر رونے لگیں۔ کرن کو دودھ اور دوا دے کر سلا دیا۔ ولید صاحب کا پارہ پھر چڑھ گیا۔ وہ اب اسے دوبارہ گھسیٹتے ہوئے سرونٹ کوارٹر لے گئے۔ راحیلہ کی ہمت نہیں ہوئی آگے بڑھنے کی۔ عریش کو اندر چھوڑ کر کمرے کو تالا لگا دیا۔

اچانک روشنی اس کے منہ پر پڑی۔ ساتھ ہی سیٹی کی آواز آئی۔ اس نے جھٹ سے اپنی آنکھیں کھولیں۔ پاس سے ایک اور ٹرین گزر رہی تھی۔ اسے اپنے پورے جسم میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ نہ جانے کس طرح

ہمت کر کے وہ گھر سے کار تک، پھر وہاں سے سٹیشن تک آیا تھا۔

سفر کافی لمبا تھا۔ اس کے پاس والی سیٹ پر ایک شخص آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا بیگ اپنے سر کے نیچے رکھا۔ آنکھیں بند کیں اور لیٹ گیا۔ دوا کا اثر تھا وہ جلد سو گیا۔

کسی نے اسے جھنجھوڑا، وہ فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ گاڑی سٹیشن پر رکی ہوئی تھی۔ ٹرین میں کافی شور تھا۔ اور باہر اچھا خاصہ رش تھا۔ وہ اپنی آنکھیں مسل نے لگا۔ اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ اپنے بیگ پر نظر پڑی۔ اسے فوراً مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"بھائی صاحب ادھر ہی رہنے کا ارادہ ہے۔" ایک موٹا آدمی اسے گھور رہا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ کون سا سٹیشن ہے؟"

"یہ تو کوئٹہ سٹیشن تمہیں کہاں جانا ہے۔" وہ طنزیہ مسکرایا۔ عریش سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ وہ سارا راستہ سویا رہا ہے۔ اپنا بیگ پکڑا اور فٹ سے ٹرین سے باہر آ گیا۔ باہر آ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"عریش بیٹا۔۔۔ عریش۔" ایک عمر رسیدہ شخص اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ "تم ولید صاحب کے بیٹے ہو۔ مجھے انہوں نے بھیجا ہے۔"

عریش نے انہیں غور سے دیکھا۔ وہ بوڑھے تھے مگر کافی صحت مند تھے۔ کالے رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ داڑھی سفید تھی۔ سر پر ٹوپی پہن رکھی تھی۔ عریش نے ان کو سلام کیا۔ وہ اس کے ہاتھ سے بیگ لینے لگے۔ اس نے انکار کر دیا۔ وہ اسے سٹیشن سے باہر لے آئے۔ اور ایک گاڑی میں جا کر بیٹھ گئے۔ وہ بھی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بیگ پیچھے رکھ دیا۔

"میرا نام جاوید ہے۔ تم مجھے بابا جی کہہ سکتے ہو۔ میں پہلے ولید صاحب کے والد کے ساتھ کام کرتا تھا۔ کافی عرصہ پہلے میں کوئٹہ شفٹ ہو گیا تھا۔ ادھر ہی میرا گھر ہے۔"

"جی۔۔۔"

"ولید صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ تم یہاں پڑھنے آئے ہو۔" کار چلاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"جی۔" وہ گاڑی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"یہاں کافی ٹھنڈ ہوتی ہے۔اپنا اچھے سے دھیان رکھنا۔میرے گھر کے بالکل پاس یونیورسٹی ہے۔تم ذرا لیٹ ہوگئے ہو۔لیکن کوئی نہیں میں تمہارا ایڈمیشن کروادوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

"شکریہ کی کیا بات ہے۔اب تو ہم دوست ہیں۔" باباجی ہنستے ہوئے بولے۔

کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ گھر پہنچ گئے تھے۔وہ گاڑی سے باہر نکلا کافی ٹھنڈ پڑ رہی تھی۔پاس کافی بڑا گراؤنڈ تھا۔وہ ان کے پیچھے چلنے لگا۔ایک دروازے کے پاس رکے اور بیل دی۔ایک عمر رسیدہ عورت نے دروازہ کھولا۔

وہ سلام کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔گھر کافی چھوٹا تھا۔صحن کے دائیں طرف ایک کمرہ بنا ہوا تھا۔وہ عورت اندر چلی گئی۔

"وہ تمہارا کمرہ ہے۔" اشارے سے بتایا۔"جاؤ جا کر فریش ہو جاؤ۔پھر ساتھ میں کھانا کھاتے ہیں۔" باباجی یہ کہہ کر گھر میں داخل ہو گئے۔

وہ اپنے کمرے میں آیا۔دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔لائٹ آن کی۔کمرہ اگرچہ چھوٹا تھا پر گرم تھا۔بیڈ کے ساتھ ایک اسٹڈی ٹیبل تھی۔جس پر ایک لیمپ لگا ہوا تھا۔کمرے میں ایک کھڑکی تھی۔جو باہر گلی کو کھلتی تھی۔ساتھ واش روم تھا۔بیگ بیڈ پر رکھا اپنے کپڑے نکالے اور واش روم گھس گیا۔

تھوڑی دیر بعد واپس آیا۔تولیے سے بال خشک کیے۔اور تولیے کو کرسی کی پشت پر ڈال دیا۔اب اس نے موٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔دیوار پر چھوٹا شیشہ لگا ہوا تھا۔اپنے بال ٹھیک کیے۔اتنے میں باباجی نے آواز دی۔وہ صحن سے ہوتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔

دونوں میاں بیوی کچن میں بیٹھے ہوئے تھے۔وہ بھی سر جھکائے پاس بیٹھ گیا۔پاس چولہا جل رہا تھا۔کھانا کھاتے ہوئے کوئی بات نہ ہوئی۔کھانا ختم کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آگیا۔اپنے کپڑے بیگ سے نکالے اور الماری میں رکھے۔دروازے پر دستک ہوئی۔باباجی نے اسے چائے کا کپ دیا۔

"آج تم آرام کرو۔کل باہر گھومنے چلیں گے۔آج رات سوچ لو کل کس ڈپارٹمنٹ میں ایڈمیشن لینا ہے۔

اور ہاں موٹے کپڑے پہن کے رکھنا۔" انہوں نے سختی سے تاکید کی اور چلے گئے۔

وہ شاید کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ اپنے گھر والوں کے بارے میں پر نہ جانے کیوں خاموش ہو گیا۔ لائٹ آف کی اور چائے کا کپ لے کر اپنے بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اپنے اوپر رضائی لی۔ جسم ابھی بھی درد سے ٹوٹ رہا تھا۔ لیکن دکھ کی تکلیف اتنی زیادہ تھی کہ اسے چوٹوں کی تکلیف زیادہ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

کھڑکی سے روشنی کمرے میں آ رہی تھی۔ چائے کا سپ لیا تو پورے جسم میں سکون محسوس ہوا۔ اسے اپنے گھر کی یاد آنے لگی تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بیڈ سے ٹیک لگا لی۔ چائے ختم کر کے کپ پاس میز پر رکھا۔ وہاں اخبار پڑی ہوئی تھی۔ وہ اسے دیکھنے لگا۔ ایک تصویر پر نظر پڑی۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی۔ سچ ہے خدا تکلیف کے بعد آسانی بھی دیتا ہے۔

اسے سمجھ آ گیا تھا کہ کیا کرنا ہے۔ اللہ نے اسے ایک راستہ دکھایا تھا۔ پورے جسم میں خوشی کی لہر دوڑی۔ اخبار اپنے سر کے نیچے رکھی اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

☆......☆......☆

دوپہر کا وقت تھا۔ سڑک پر ٹریفک معمول کے مطابق چل رہی تھی۔ آج موسم کچھ زیادہ گرم نہ تھا۔ کبھی کبھی ہلکی ہوا چلتی جس سے سڑک پر پھرنے والوں کو راحت ملتی۔ امید تھی شام کو موسم بہت بہتر ہو جائے گا۔

سر پر ہیلمٹ، بھورے رنگ کی شلوار قمیض پہنے وہ بائیک پر جا رہا تھا۔ بائیک کے ہینڈل کے ساتھ ایک بیگ لٹک رہا تھا۔ جس میں بچوں کے سکول کی کاپیاں تھیں۔ اس کا رنگ گندمی تھا اور قد پانچ فٹ ہوگا۔ اس کے اوپر والا ہونٹ پر کٹ کا واضح نشان تھا۔ نظر کا چشمہ لگا ہوا تھا۔

وہ اپنی دھن میں مست جا رہا تھا۔ پاس سے ایک گاڑی فل رفتار سے گزری۔ اور اسے ٹکر مار دی۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ اور بائیک سے نیچے گر گیا۔ وہ لال رنگ کی گاڑی اس ہی وقت وہاں سے غائب ہو گئی۔ آس پاس موجود افراد وہاں جمع ہو گئے۔

وہ زمین پر گرا ہوا تھا۔ اس کی بائیک فاصلے پر پڑی ہوئی تھی۔ بائیک والے کو ٹانگوں اور بازوؤں پر سخت چوٹیں آئیں۔ وہ ابھی ہوش میں تھا۔ ایک شخص نے آ کر اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ اسے کندھے سے اٹھایا۔

ایک باریک سی چیز اس کی گردن پر چبھی۔ اور وہ ادھر ہی بیہوش ہو گیا۔

اتنے میں ایک کار پاس آ کر رکی۔ اس سے ایک شخص باہر نکلا۔ وہ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ اس کی داڑھی اور مونچھیں تھیں۔ اور سر پر رومال باندھا ہوا تھا۔ سن گلاسز پہن رکھے تھے۔ عمر سے چالیس سال کا لگتا تھا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟"

"ایکسیڈنٹ ہوا ہے کار اسے مار کر، بھاگ گئی۔" وہاں موجود لوگوں نے بتایا۔

"ایسا کرو اسے میری گاڑی میں بٹھا دو، میں اسے ہسپتال چھوڑ دیتا ہوں۔ جب تک ایمبولینس آئے گی کہیں دیر نہ ہو جائے۔"

اس نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا۔ لوگوں نے پکڑ کر اسے گاڑی میں ڈالا۔ ایک لڑکے نے اس کا سامان بائیک سے اتار کر گاڑی میں پھینک دیا۔ وہ گاڑی والا وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس نے اس شخص پر نظر ڈالی۔ وہ ابھی تک بیہوش پڑا تھا۔ گاڑی والے نے ایک لمبا سفر طے کرنے کے بعد ایک کوٹھی میں داخل ہوا۔

گاڑی صحن میں کھڑی کی اور گھر کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اپنے ساتھ ایک وہیل چیئر لے کر آیا۔ گاڑی سے اسے نکالا اور اسے وہیل چیئر پر بٹھا کر اندر لے گیا۔ اسے ایک کمرے میں لے گیا۔ اسے بیڈ پر ڈالا۔ اسے معمولی سی فرسٹ ایڈ دی۔ اس کے خون کا سیمپل لیا۔ اس کے ہاتھ اور پیر کوری سے باندھا اسے دو چار گالیاں نکالیں اور کمرے سے باہر آ گیا۔ خون کے سیمپل کو ایک بوتل میں رکھا۔ اتنے میں گیٹ پر بیل ہوئی۔ وہ خون کے سیمپل کو لے کر گیٹ پر پہنچا۔ وہاں ایک لڑکا تھا جس کی عمر سولہ سال ہوگی۔ وہ بوتل اسے دے کر اندر آ گیا۔

وہ واش روم گیا نہا کر آیا۔ اب وہ سمپل ٹراؤزر شرٹ میں تھا۔ جس پر مختلف جگہوں پر چیتے کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اپنی داڑھی اور مونچھیں اتار کر الماری میں رکھ دیں۔ اس الماری کے اندر اسطرح کا اور سامان پڑا ہوا تھا۔ نقلی دانت، مختلف سائز کے مصنوعی بال، عینک، کیپ۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہوا۔ اس کے بال کافی لمبے تھے۔ انہیں جیل لگا کر سیٹ کیا۔

کچن میں آیا اور اپنے لیے کافی بنائی۔ فریج سے کباب نکالے اور پین کے اندر انہیں فرائی کیا۔ کافی اور کباب ڈش میں رکھ کر ہال میں لے آیا۔ ڈش ٹیبل پر رکھی اور صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا۔ اپنے

دوست کو میسج سینڈ کیا، ٹی وی آن کیا اور مزے سے کھانا کھانے لگا۔

کوٹھی بہت بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔کوٹھی کے اردگرد بہت بڑا لان تھا اور چاروں طرف درخت لگے ہوئے تھے۔کوٹھے کے اندر ایک بہت بڑا ہال تھا جس کے اطراف میں کمرے بنے ہوئے تھے۔سارے کمرے نئے سٹائل کے بنے ہوئے تھے۔اوپر والی منزل میں کافی کمرے تھے جو خالی تھے۔نیچے بیسمنٹ تھا۔جو صرف وہی استعمال کرتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس آدمی کو ہوش آ گیا۔وہ بائیک والا زور زور سے چلانے لگا۔اس نے اسے نظر انداز کر دیا اور ٹی وی کی آواز اور اونچی کر دی۔موبائل پر کال آئی۔اسے سننے کے لیے گھر سے باہر چلا گیا۔باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔وہ چکر لگانے لگا۔

" کیسی ہو ستارہ میڈم۔"

"اللہ کا شکر ہے شکاری بھیا۔۔۔تم بتاؤ اب تک کتنے شکار کیے ہیں۔" وہ تجسس سے بولی۔

"جتنے شکار کرواتے اور پیدا ہو جاتے ہیں۔" وہ طنزاً بولا۔" ابھی ایک نیا شکار کیا ہے۔سکول میں چھوٹے بچوں کا ٹیچر تھا اور۔۔۔اسی بہانے ان معصوموں کا فائدہ اٹھاتا تھا کمینہ۔۔۔" دو چار گالیاں نکالیں۔

"اس کے اور ساتھی بھی ہوں گے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"ہاں کیوں نہیں دیکھو ایک ایک کا کیا حشر کرتا ہوں۔تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ابھی ایک بچہ مسنگ ہے۔دعا کرو ستارہ میڈم۔۔۔شام تک مل جائے۔سراغ مل گیا ہے شام کو شکار پر نکلوں گا۔"

"اللہ تمہیں کامیاب کرے۔اور ایک بات میرا نام فلک ہے۔ستارہ نہیں کتنی بار بتاؤں۔"

"جیسا کام ویسا نام رائٹ۔میں شکار کرتا ہوں تو میں شکاری۔تم ٹھہریں ستارے دیکھنے والی کیا کہتے ہیں اسے؟۔۔۔"

"astrologer"

"ہاں وہی بس تم ستارہ۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"جس دن مجھے تمہارا اصلی نام پتہ چل گیا دیکھنا کیسے تمہارا حساب لگاتی ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی\

"ایک بات بتاؤ کیا کبھی اس شکاری نے لڑکی پھنسائی ہے؟"

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا "یہ ناممکن ہے فلک۔بس ایسا سمجھو اگر میں کسی سے شادی کروں گا تو اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔۔" وہ اپنی گاڑی سے اس کے سامان کی تلاشی لے رہا تھا۔اس کے سامان سے ایک رجسٹر نکلا۔اس میں تمام بچوں کے گھر کے ایڈریس تھے۔ان کی تصویریں اپنے موبائل میں لیں۔

" کیا تم آنے والا وقت دیکھ سکتے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

" نہیں۔۔۔یہ کام تمہارا ہے۔"

" پھر کیسے کہہ سکتے ہو؟ کہ کسی کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔"

" ہم پھر بات کرتے ہیں۔اللہ حافظ۔" فون بند کر دیا۔اپنی گاڑی سے باہر نکلا۔وہ کافی دکھی ہو گیا تھا۔اسے اس تکلیف کے ساتھ ساری زندگی جینا تھا۔موبائل کو کار کی چھت پر رکھا اور جوگنگ کرنے لگا۔شام ہو رہی تھی۔کافی دیر صحن کے چکر لگاتا رہا اسے پسینہ آنے لگا۔اسے اپنے آپ کو فٹ بھی رکھنا تھا۔ساتھ میں رات کی پلاننگ کرنے لگا۔

جوگنگ سے فارغ ہو کر گھر میں داخل ہوا۔ٹی وی بند کر دیا۔اس کے چلانے کی آوازیں اب تک آ رہی تھیں۔اپنے چہرے کو رومال سے کور کیا۔اس کمرے میں گیا۔اس کمرے میں صرف ایک بیڈ تھا۔باقی سارا کمرہ خالی تھا۔

" کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟ میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ چیختا رہ گیا۔اسے دوبارہ بیہوشی کا انجکشن دے کر اسے بیہوش کر دیا۔اس کی تلاشی لی اور اس کی قمیض سے موبائل نکالا۔اس پر پاس ورڈ لگا تھا۔اسکے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔اسے آسانی سے کھول لیا۔اس کے آج صبح کے میسج پڑھے۔وہاں ایک بنگلے کا ایڈریس تھا۔شکاری کو خطرہ محسوس ہوا۔

اپنے کپڑے بدلے اور اپنا بیگ تیار کیا۔کالے رنگ کی پینٹ کے ساتھ کالے رنگ کی شرٹ پہنی۔اس بار بائیک پر روانہ ہوا۔رات ہو چکی تھی۔وہ مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا ایک پوش علاقے میں پہنچا۔وہاں ایک چائے کی دکان کے آگے بائیک روکی اور اندر چلا گیا۔

وہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ایک ہاتھ میں موبائل تھا اور دوسرے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔اس کی آنکھوں میں بے چینی تھی۔اس نے چائے کا سپ لیا اور باہر سڑک پر نظر ڈالی۔آس پاس بہت سی دکانیں تھیں۔جہاں بہت رش تھا۔

سڑک پر ایک بوڑھا آدمی ریڑھی پر مکئی بیچ رہا تھا۔وہ سڑک سے سوکھی لکڑیاں اکٹھی کرتا اور انہیں آگ میں ڈال دیتا۔اس سے اس کا چولہا گرم رہتا۔موبائل کی ٹون پر چونکا۔

"تم نے مجھے جو آج خون بھیجا ہے وہ میچ ہو گیا ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کس سے۔۔۔؟" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"جو بچے کی جراب تم نے چند دن پہلے مجھے بھجوائی تھی اس سے۔"

اچھا یہ بتاؤ جو آج خون بھیجا تھا وہ کس کا تھا۔" فارینسک لیب والا پوچھ رہا تھا۔

"ایک سکول ٹیچر کا ہے۔جو میرے گھر میں ہے۔"

"دونوں کے بلڈ میچ ہو گئے ہیں۔یہی سکول ٹیچر اس بچہ کا مجرم ہے۔وہ بچہ ابھی تک لاپتہ ہے۔"

"مجھے پہلے سے یقین تھا۔اس کا ایک اور ساتھی ہے۔دونوں مل کر یہ گھٹیا کام کرتے ہیں۔" چائے کا سپ لیا۔

"شکاری صاحب۔۔۔مجھے یہ خبر ملی تھی۔یہ ٹیچر شام کو ایک اکیڈمی میں پڑھاتا ہے۔وہاں کل ایک بچہ اغوا ہوا تھا کہیں اس کام میں۔۔۔۔" اس نے فون کاٹ دیا۔ٹیبل پر سیل پھینکا اور فوراً اٹھ کر باہر کو بھاگا۔

بائیک کو سٹارٹ کیا اور تیزی سے اپنی منزل پر روانہ ہوا۔کچھ دور جا کر ایک بنگلے کے سامنے اپنی بائیک روکی۔باہر سے بنگلے پر نظر ڈالی تو ساری لائٹس آف تھیں۔پاس ایک دکان پر گیا تو معلوم ہوا۔

"تمام گھر والے چھٹیاں منانے دوسرے شہر گئے ہوئے ہیں۔چند دن تک آجائیں گے۔"

وہ فوراً واپس بنگلے پر آیا۔بائیک روکی اور باہر سے جائزہ لیا۔بیگ سے رومال نکالا،اپنے چہرے کو چھپایا۔دیوار چڑھی اور اندر کو کودا۔سامنے لان تھا۔بنگلے کی دیواروں پر لگی لائٹس کی روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔چند قدم ہی چلا تھا کہ کتا اسے دیکھ کر بھونکنے لگا۔شکر تھا کہ وہ بندھا ہوا تھا۔وہ آگے بڑھا۔

اس کی نظر ایک کمرے پر پڑی۔وہاں سے میوزک کی آواز آرہی تھی۔جو آہستہ آواز میں لگا ہوا تھا۔وہ بڑی

احتیاط سے اس کمرے کے پاس گیا۔کمرہ چھوٹا تھا۔دروازہ کھلا ہوا تھا۔کھڑکی سے اندر جھانکا۔اندر کی لائٹ آف تھی۔بس مدہم روشنی جل رہی تھی۔چار پائی پر ایک شخص لیٹا ہوا تھا۔وہ دروازے کے پاس پہنچا۔اسے شراب کی بو آئی۔اپنی پینٹ سے پستول نکالی۔کمرے میں داخل ہوا۔چار پائی پر لیٹا شخص اپنے میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔یعنی وہ نشے کی حالت میں تھا۔

وہ آہستہ سے اس کے پاس گیا۔اس کی آنکھیں بند تھیں۔اس آدمی نے میلی سی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔جس پر پان کے دھبے لگے ہوئے تھے۔منہ سے شراب کی بدبو آ رہی تھی۔چہرے پر زخم کے نشانات تھے۔اس کے ایک ہاتھ میں سگریٹ تھا۔پاس فرش پر شراب کی چھ بوتلیں پڑی ہوئی تھیں۔جن میں سے چار خالی تھیں۔اس کے موبائل پر گانے لگے ہوئے تھے۔وہ اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

جب اسے اپنے پیچھے ڈھن کی آواز آئی۔اس نے فوراً پستول کا رخ پیچھے کو موڑا۔اس کی انگلی پستول کی ٹریگر پر تھی۔کھڑکی سے روشنی اندر آ رہی تھی۔کھڑکی کے بالکل نیچے ایک وجود پر نظر پڑی۔پستول کا رخ اس پر کیا۔ایک قدم آگے کو ہوا۔

وہاں ایک بچہ تھا۔جس کی عمر آٹھ سال ہوگی۔وہ زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔اس کے ہاتھ پیر رسی سے بندھے ہوئے تھے۔شکاری نے اپنی بندوق نیچے کر لی۔اس کے پاس گیا۔بچے کی آنکھوں میں خوف تھا۔وہ اسے امید کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔شرابی ابھی تک نشے میں دھت تھا۔

"بیٹا! فکر مت کرو اب تم گھر جا سکتے ہو۔" اسے رسی سے آزاد کیا۔"شور مت کرنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس بچے کو اپنی گود میں اٹھا کر باہر لایا۔وہ خوف سے کانپ رہا تھا۔اس نے سکول یونیفارم پہنا ہوا تھا اور چہرے پر انگلیوں کے نشانات تھے۔اسے باہر لان میں بٹھایا۔وہ دونوں لان کے بیچ میں بیٹھے ہوئے تھے۔اپنے بیگ سے پانی کی بوتل نکال کر اسے دی۔وہ اس کے پاس پنجوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔اسکا چہرہ اب بھی کور تھا۔اس نے بچے کے گلے میں اس کا آئی ڈی کارڈ دیکھ لیا تھا۔

" کیا نام ہے تمہارا؟ کون سی کلاس میں پڑھتے ہو۔"

"میں۔۔میں۔۔میرا۔۔نام۔۔ذی۔۔ذیشان۔۔ہے۔"خوف سے اس بچے کی آنکھیں کھلی ہوئی

تھیں۔وہ بڑا پیارا گول مٹول بچہ تھا۔اس کے بال گھنگھریالے تھے۔وہ ہچکیاں لے کر رونے لگا۔

"چلو تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔بہادر بچے روتے نہیں ہیں۔" وہ اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔تو بچہ ڈر کے پیچھے ہو گیا۔

وہ اچھے سے سمجھ رہا تھا کہ اس وقت بچے پر کیا بیت رہی ہے۔

"تم ادھر رکو،میں ابھی آپ کا بیگ لے کر آتا ہوں۔" وہ کھڑا ہو گیا اور واپس اندر گیا۔

وہ ابھی تک نشے میں تھا۔پاس موبائل پر میوزک لگا ہوا تھا۔اس کو اس سے گھن آنے لگی۔اس کی چارپائی پر ایک سرہانہ تھا۔شکاری نے وہ سرہانہ اٹھایا ایک نظر دروازے پر ڈالی۔سرہانہ اس کے منہ پر رکھا۔اپنی پستول نکالی اور۔۔۔

پستول اپنے بیگ میں ڈالی فوراً باہر کو آیا۔بچے کو اٹھایا،بوتل بیگ میں ڈالی اور دیوار کے پاس گیا۔کتا پھر سے بھونکنے لگا۔ذیشان کو دیوار کے اوپر بٹھایا،خود دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف اترا۔ذیشان کو اٹھایا اپنی بائیک پر بٹھایا اور بائیک دوڑا دی۔وہ ننھی جان اب بھی خوف زدہ تھا۔سڑکیں اب کافی خالی ہو چکی تھیں۔جب وہ کافی دور نکل آیا تو ایک دکان کے پاس بائیک روکی۔وہاں سے جوس اور کچھ کھانے کا سامان لے کر ذیشان کو دیا۔

اس کے آئی ڈی کارڈ سے اس کا ایڈریس نوٹ کیا۔اپنے ایک بہت قریبی دوست رمضان جو پولیس میں تھا،اسے اطلاع دی۔بائیک پر دوبارہ سوار ہوا۔مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا ایک تھانے سے ذرا فاصلے پر بائیک روکی۔سڑک بالکل خالی تھی۔اس کا دوست رمضان پہلے سے وہاں موجود تھا۔اسکو پانچ سال ہوئے تھے پولیس فورس جوائن کیے۔ذیشان کو اس کے حوالے کر دیا۔رمضان نے اسے گود میں اٹھا لیا۔

"اس کے والدین اندر تھانے میں موجود ہیں۔بہت برا حال ہے ان کا۔"

"یہ دوپہر سے غائب ہے اور یہ اب تھانے آئے ہیں۔حد ہوتی ہے لاپرواہی کی۔کوئی پوچھے تو کہنا سڑک سے ملا تھا۔" اس کی نظر اس بچے پر تھیں جو ابھی بھی آنسو بہا رہا تھا۔

"اگر اس بچے نے کچھ بولا تو۔"

"یہ کچھ نہیں بولے گا۔اب میں چلتا ہوں اسے اندر لے جاؤ۔" اسے کچھ یاد آیا۔بائیک سٹارٹ کی اور

وہاں سے غائب ہو گیا۔ رمضان ذیشان کو تھانے لے آیا۔

وہ اپنے گھر آ گیا۔ اس کمرے میں گیا۔ لائٹ آن کی۔ اسے اب ہوش آ چکا تھا۔ وہ اپنے آپ کو اس رسی سے آزاد کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیسے ہی نقاب والے شخص پر نظر پڑی پھر چلانے لگا۔

" کون ہو تم ؟۔۔ کیا چاہتے ہو؟۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ اللہ کا واسطہ مجھے جانے دو۔ " اس کا چہرہ اور اس شرابی کے چہرے میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ دونوں کے چہروں پر لعنت ٹپک رہی تھی۔

اپنی پینٹ کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اسے گھورتا رہا۔ کمرے سے باہر گیا اور اپنا لیپ ٹاپ لے کر آیا۔ اس کے سامنے آن کیا اور ایک ویڈیو چلائی۔ جیسے ہی وہ ویڈیو چلی اس آدمی کے چہرے کے رنگ بدلنے لگے۔ یہ ویڈیو وہ اس ہی کے گھر سے لایا تھا۔ لیپ ٹاپ آف کیا اور واپس جانے کے لیے مڑا۔

" تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ " وہ شیطانوں کی طرح ہنسنے لگا۔ " میرے بڑے تعلقات ہیں۔ پوری دنیا میں یہ ویڈیو دیکھی جاتی ہیں۔ یہ بچہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اگر تم کہو تو تمہیں بھی۔۔۔۔ " اس کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی، شکاری نے اس کے منہ پر ایک زوردار مکا دے مارا۔ اس کی چیخ پورے کمرے میں گونجی۔ اس کے ناک سے خون نکلنے لگا۔ وہ درد سے چلا رہا تھا۔ اسے دوبارہ بیہوشی کا انجکشن دیا۔ ساتھ میں اسے گلوکوز کی ڈرپ لگائی۔ اتنی آسان موت وہ اسے نہیں دینا چاہتا تھا۔ کمرے سے باہر آیا، نقاب اتارا۔ واش روم گیا، فریش ہوا۔ وضو کیا اور نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی پسندیدہ کتاب پڑھنے لگا۔

☆......☆......☆

"bunny"

آواز سنتے ہی دو چٹیا والی لڑکی تیزی سے زینے اترتی نیچے کو آئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں سفید خرگوش والا ٹیڈی (کھلونا) تھا۔ وہ کچن میں آئی۔ اس کی امی نے میز پر ایک ڈبہ رکھا۔

" یہ کیا ہے؟ " اپنی امی کے پاس کھڑی ہو گئی۔ اور سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

" یہ میری بنی کا کیک ہے۔ آج اس کی سالگرہ جو ہے۔ " اس کے گالوں کو پیار کیا اور کیک کا ڈبہ کھول کر اسے دکھایا۔ کیک پر ایک خرگوش بنا ہوا تھا جو گاجر کھا رہا تھا۔

وہ یہ کیک دیکھ کر خوشی سے خرگوش کی طرح کودنے لگی۔آج اس کی سالگرہ تھی۔اس کی عمر نو سال ہوگی۔اس نے سفید پاجامہ کے ساتھ پنک کلر کا فراک پہنا ہوا تھا۔جس پر چھوٹے چھوٹے پھول بنے ہوئے تھے۔اس کے بال کافی لمبے تھے۔اس کے سامنے کے دو دانت ذرا سے لمبے تھے۔آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔اس لیے اس کی ماں اسے پیار سے بنی یا خرگوش کہتی تھیں۔

"یہ کیک تو بہت پیارا ہے۔۔۔مجھے بالکل ایسا کیک چاہیے تھا۔تھینک یو ماما۔"وہ ان سے چپک گئی۔اتنے میں آنٹی نوشین کچن میں داخل ہوئیں۔

"کیا ہو رہا ہے؟میں نے سوچا جاتے ہوئے تمہارا حال ہی پوچھ جاؤں"ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر نخرے سے بولیں۔

"الماش کی سالگرہ ہے۔"آمنہ نے ہمیشہ کی طرح مسکرا کر جواب دیا۔"آپ بھی برتھ ڈے اٹینڈ کر کے جانا،مجھے خوشی ہوگی۔"آنٹی آمنہ کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ ہوتی۔وہ ہر کسی سے خوش اخلاقی سے پیش آتیں۔اپنے بچوں کو بھی انہوں نے یہی تربیت دی تھی۔

"نہیں بہن رہنے دو،میں تو کنزا کے گھر آئی تھی۔"ناک اونچا کر کے بولیں۔"آج انعم کے ابو کے دوست کے ہاں پارٹی ہے۔کافی امیر لوگ ہیں۔بہت اونچے تعلقات ہیں ان کے مجھے وہاں جانا ہے۔میں تو تمہاری طبیعت پوچھنے آگئی۔اب میں چلتی ہوں۔"ایک طنزیہ نظر الماش پر ڈالی اور کچن سے باہر نکل گئیں۔"بنی خرگوش وہ تو سفید رنگ کا ہوتا ہے اور یہ۔۔۔ہوں۔"وہ دل میں سوچتے ہوئے مسکرانے لگیں۔

الماش کو ان کا اسکی طرف دیکھ کر یوں مسکرانا اچھا نہیں لگا۔بچی تھی فوراً بھول گئی اور اپنی امی کے ساتھ سالگرہ کی تیاری کرنے لگی۔شام کو انکل فرقان،بڑے بھائی عظیم اور علیم سب اس کی سالگرہ پر موجود تھے۔سب خوش تھے۔آنٹی آمنہ نے اسے ایک چھوٹا بنی گفٹ کیا۔ساتھ میں ایک پلاسٹک کا فون تھا۔

"یہ میری بیٹی کے لیے ہے۔اسکا جب بھی دل کرے مجھ سے بات کر سکتی ہے۔"اسے پیار کیا اور اسے کیک کھلانے لگیں۔ابو اور دونوں بھائیوں نے بھی اسے گفٹ دیے۔وہ ان گفٹس کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

صبح کو جب کمرے سے باہر آئی تو آنٹی آمنہ گھر پر موجود نہیں تھیں۔بھائی علیم نے بتایا امی کی طبیعت بہت

خراب ہوگئی تھی۔انہیں ابوڈاکٹر کے پاس لے کر گئے ہیں۔اس نے ناشتہ کیا اور صحن میں آ گئی۔

گیٹ سے داخل ہو تو سامنے صحن تھا۔بائیں طرف دروازہ تھا جو تائی کنزا کے گھر جاتا تھا۔صحن سیمنٹ کا بنا ہوا تھا۔دائیں طرف بہت سے گملے تھے۔آنٹی آمنہ نے ان میں مختلف قسم کے پھول لگائے ہوئے تھے۔نیچے والی منزل میں تین کمرے واش روم اور کچن تھا۔اس ہی طرح اوپر کی منزل بنی ہوئی تھی۔

الماش صحن میں تھی اور پھولوں کو پانی دے رہی تھی۔آج کافی زیادہ پھول زمین پر گرے ہوئے تھے۔اسے حیرت ہوئی پر وہ بہت خوش تھی کیونکہ آج اس نے اپنی امی کے ساتھ گھومنے جانا تھا۔اس نے زمین سے سارے پھول اٹھائے اور انہیں باسکٹ میں ڈال دیا۔جب زور سے گیٹ کھلا۔وہ بھاگتی ہوئی گیٹ کے پاس پہنچی۔اس کے ابو، بڑے بھائی اور تایا ابو کی فیملی وہاں موجود تھی۔پاس ایمبولینس کھڑی تھی۔تائی کنزا وہاں آئیں اور الماش کو اپنے گھر لے گئیں۔

اس دن اس کی زندگی بدل گئی۔ماں جسے جنت کہا گیا ہے وہ اب اس کی دنیا میں نہیں رہی۔آنٹی آمنہ کو کینسر تھا۔وہ زندگی کی بازی ہار گئیں۔الماش سارا وقت اپنی دادی کے پاس بیٹھی رہی۔سب نے آ کر اسے پیار دیا اسے حوصلہ دیا پر وہ چپ چاپ بیٹھی رہی اور ان سب کو دیکھتی رہی۔جیسے ابھی اس کی امی اٹھ جائیں گی اور اسے گلے لگا لیں گی۔

وقت گزر گیا وہ اب کافی بڑی ہو گئی تھی۔پہلے سے سمجھدار ہو گئی تھی۔پر زیادہ خاموش رہنے لگی تھی۔ہر کوئی اپنی زندگی میں مصروف ہو چکا تھا۔ابو سارا دن کارخانے ہوتے۔دونوں بڑے بھائی صبح کالج جاتے اور شام کو اپنے ابو کے ساتھ ہوتے۔جب الماش کو اپنی امی کی بہت یاد آتی تو وہ ان سے موبائل پر بات کرتی۔جو انہوں نے اسے گفٹ دیا تھا۔

الماش نویں جماعت میں تھی۔اس کے بورڈ کے پیپر قریب آ رہے تھے۔وہ صبح سکول جاتی اور شام کو محلے کی اکیڈمی میں جاتی۔سردیوں کے دن تھے۔اس نے نیلے ٹراوزر کے ساتھ کراس والی قمیض پہنی ہوئی تھی۔اوپر ہڈی والی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔بال بندھے ہوئے تھے۔سر پر کیپ تھی۔

شام کا وقت تھا وہ چھت پر تھی۔اس نے آج اکیڈمی سے چھٹی لی تھی۔سردی سے اس کی ناک لال ہوگئی

تھی۔وہ چائے کا کپ ہاتھ میں لیے کرسی پر بیٹھی آسمان پر اڑتی چڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔دور آسمان پر بجلی چمکی۔منظر بڑا پیارا تھا۔

"لگتا ہے کہ آج رات بارش ہوگی۔"وہ منہ میں بڑبڑائی۔

تایا ابو کی آواز آئی۔وہ غصے سے کچھ کہہ رہے تھے۔وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور نیچے صحن میں جھانکا۔

دونوں گھروں کی فیملیز وہاں موجود تھیں۔نوشین آنٹی بھی وہاں کھڑی تھیں۔سوائے تائی کے تینوں چھوٹے بیٹوں کے،وہ مری گھومنے گئے ہوئے تھے۔دادی صحن میں چارپائی پر بیٹھی کچھ کہہ رہی تھیں۔پاس تائی کھڑی تھیں۔ان کی پشت اسکی طرف تھی۔پر کوئی ان کی بات نہیں سن رہا تھا۔وہ آنکھیں سکیڑ کر یہ سب دیکھ رہی تھی کہ آخر ہوا کیا ہے؟جیسے ہی اس کے ابو کی اس پر نظر پڑی۔انہوں نے غصے سے اسے نیچے بلایا۔وہ ڈر کر نیچے کو بھاگی۔خوف سے اسکی سانس پھولنے لگی۔چائے کا خالی کپ ہاتھ میں تھا۔وہ صحن میں پہنچی۔وہ سب کھلے آسمان کے نیچے کھڑے اسے گھور رہے تھے۔وہ اپنے گھر کی چھت کے نیچے جالی والے دروازے کے پاس کھڑی تھی۔اس کے اوپر لائٹ جل رہی تھی۔وہ روشنی میں کھڑی تھی اور باقی سب گھر والے شام کے اندھیرے میں کھڑے تھے۔اسکی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔انکل فرقان کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو چکی تھیں۔

"تم کو شرم نہیں آئی یہ سب کرتے ہوئے۔۔۔اس لیے پڑھنے جاتی ہو۔"وہ اتنے غصے سے بولے۔وہ ادھر ہی بت بن گئی۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں۔"

وہ ہر چیز سے انجان تھی۔کبھی غصے میں کھڑے اپنے ابو کو دیکھتی تو کبھی باقی سب گھر والوں کو دیکھتی۔عظیم بھائی اس کے پاس آئے۔وہ ایک قدم پیچھے کو ہوئی۔

"منحوس،کمینی۔۔۔"ان کی زبان پر جو آیا وہ بولتے گئے۔الماش کو جیسے سانپ نے سونگھ لیا تھا۔وہ ستون سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔بس آنسو تھے جو مسلسل آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

"کیا۔۔۔ہوا۔۔۔ہے؟"اس کے منہ سے ہلکی سی آواز آئی۔

"ہم سے پوچھ رہی ہو کہ ہوا کیا ہے۔"عظیم بھائی نے اسے ایک زوردار طمانچہ دے مارا۔وہ ادھر زمین پر

گر گئی۔اسکا دماغ گھومنے لگا۔چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔اس کے ٹکڑے زمین پر پھیل گئے۔اس سے پہلے وہ اسے اور مارتے دادی نے آکر اسے روک دیا۔

"جان لو گے بچی کی۔مجھے بتاؤ ہوا کیا ہے؟" دادی عظیم اس کے آگے کھڑی ہو گئیں۔وہ ابھی تک زمین پر پڑی تھی۔

"پورے محلے میں بے عزتی کروادی ہے اس نے۔" علیم پیچھے سے چیخا۔"میڈم کو محبت ہو گئی ہے اپنے سر سے۔" یہ الفاظ الماش پر بم کی طرح گرے۔جیسے کسی نے اس کے پورے جسم کو ایک تیز دھار آلہ کے نیچے رکھ کر کاٹ دیا ہو۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو۔" دادی منہ پر انگلی رکھ کر بولیں۔

"وہ بکواس نہیں کر رہا۔" عظیم پھر چلایا۔"آج کارخانے میں اس کے سر آئے تھے۔وہی اسکے کرتوت بتا کر گئے ہیں۔"

انکل فرقان صحن میں پڑی چارپائی پر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔تایا ابو وہاں سے چلے گئے۔تائی کنزا کے چہرے پر پریشانی کے اثرات تھے۔البتہ آنٹی نوشین کمر پر ہاتھ رکھ کر یہ سب دیکھ رہی تھیں۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔۔۔یہ سب جھوٹ ہے۔" وہ ہمت کر کے بولی اور ادھر زمین پر اکڑوں بیٹھ گئی۔اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔آنسوؤں سے چہرہ بھیگا ہوا تھا۔

"اس کا بیگ چیک کرو۔جو یہ اکیڈمی میں لے کر جاتی ہے۔" نوشین آنٹی نے جلتی پر تیل ڈالا۔اور طنزیہ مسکرائی۔"توبہ ہے آج کل کے بچوں سے عمر دیکھو اور حرکتیں دیکھو۔"

علیم نے مڑ کر انہیں دیکھا اور لمبے لمبے ڈگ لیتا اندر کو گیا۔ابو ابھی بھی سر پکڑ کر بیٹھے تھے۔عظیم نفرت اور غصے سے اسے گھور رہا تھا۔دادی ابھی بھی اس کے آگے کھڑی تھیں۔ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی۔وہ ابھی تک ویسے بیٹھی تھی۔بس اپنے ابو کو دیکھ رہی تھی۔اتنے میں علیم واپس آیا۔اور اسکا سکول بیگ جس پر خرگوش بنا تھا۔زور سے فرش پر پھینک دیا۔اس کی ساری کتابیں ادھر ادھر پھیل گئیں۔

"یہ دیکھیں۔۔۔کہتی ہے مجھے کچھ پتا ہی نہیں۔" اس کے ہاتھ میں خطوں اور کارڈز کا ڈھیر تھا۔الماش کو

بالوں سے پکڑا اور زور سے جھنجھوڑا۔ "یہ سب کیا ہے؟" وہ پاگلوں کی طرح پھر چیخا۔

زور سے بجلی چمکی اور سارا صحن روشن ہو گیا۔ الماش کو اس نے بالوں سے پکڑا ہوا تھا۔ تکلیف سے وہ چیخ بھی نہ سکی۔ کیونکہ سب سے بڑا شاک اس کو لگا تھا۔ عظیم بھائی اس سے وہ خط چھین کر دیکھنے لگا۔

"چھوڑ اسے مجھے بات کرنے دے۔" دادی نے الماش کے بالوں کو علیم سے چھڑایا۔ علیم نے اسے زور سے دھکا دیا اس کا سر ستون سے ٹکرایا۔ اور وہ دوبارہ نیچے گر گئی۔ اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا ہوا تھا۔ وہ بلی کے بچے کی طرح اکٹھی ہوئی کھڑی تھی۔ بارش کے قطرے اب اس پر پڑ رہے تھے۔

ابو، تائی اور نوشین آنٹی بھی ادھر آ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سب لائٹ کی روشنی میں وہ خطوط اور کارڈز دیکھ رہے تھے۔

"یہ دیکھیں ہر جگہ اس کا نام لکھا ہے الماش۔" عظیم نے وہ خط دادی کو دکھایا۔ بجلی دوبارہ چمکی اور تیز بارش ہونے لگی۔

"ارے واہ یہ تو خوشبو والے خط ہیں۔" نوشین آنٹی نے طنزیہ ہنس کر کہا۔ "اور تو اور ان پر خرگوش کی سٹیمپ بھی لگی ہے ساتھ میں دل بھی بنا ہے۔" وہ کارڈ فرقان انکل کے ہاتھ میں پکڑایا۔ "اب میں چلتی ہوں کہیں بارش اور تیز نہ شروع ہو جائے۔ اور ایک بات اپنی بیٹی کو میری بیٹی سے دور رکھنا۔ نہ جانے کہاں کہاں سے گھوم کر آئی ہو گی۔" وہ دادی کو دیکھ کر بولی اور فوراً وہاں سے چلی گئی۔

"بھیا! آرام سے بچوں سے اس عمر میں ایسی غلطی ہو جاتی ہے۔" تائی کنزا نے ابو کو سمجھایا۔ اس کے دونوں بھائیوں کو افسوس سے دیکھا۔ الماش کے پاس گئیں اسے اٹھایا اور اندر لا کر کرسی پر بٹھایا اور خود اپنے گھر چلی گئیں۔

"دادی! میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ روتے ہوئے بولی۔ اس کے سارے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ سخت ٹھنڈ ہونے کے باوجود اسے ذرا ٹھنڈ نہیں لگ رہی تھی۔

"بکواس بند کرلو اپنی۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود جھوٹ بول رہی ہے۔" دادی پہلی بار غصے سے بولیں۔

"اس کو بولو آئندہ کے بعد مجھے اپنی شکل نہ دکھائے۔" ابو نے اپنا فیصلہ سنایا اور غصے سے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"دل تو کرتا ہے منہ توڑ دوں اسکا۔دادی، آپ کو پتہ ہے اس کے اکیڈمی کے سر آج کارخانے آئے تھے۔وہ اس کے کرتوت بتا کر گئے ہیں۔ابو تو شرم کے مارے اپنا سر نیچے کر کے بیٹھ گئے تھے۔" عظیم نفرت سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہاں تب کون کون موجود تھا۔" دادی نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آفس میں ہم تینوں کے علاوہ اس وقت نعمان (نوشین کا بیٹا اور انعم کا بھائی) وہاں کسی کام سے آیا ہوا تھا۔اس نے جا کر اپنے خالو عرفان اور انکے بیٹے کو بتا دیا۔ہماری کتنی بے عزتی ہوئی ہے آج صرف اسکی وجہ سے۔" اب کی بار علیم اس کی طرف اشارہ کر کے بولا۔اس کا قد گھر میں سب سے لمبا تھا۔

بارش اب بھی ہو رہی تھی۔دادی کچھ دیر اس روتی ہوئی لڑکی کو دیکھتی رہیں پھر بولیں "تم دونوں جا کر کھانا کھاؤ پھر اپنے اپنے کمروں میں جانا۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"عظیم، تم نے سنا نہیں۔چلو علیم جو میں نے کہا ہے وہ کرو۔اور خبردار جو اس طوفانی بارش میں گھر سے باہر گئے۔فرقان کو میں خود دیکھ لیتی ہوں۔" وہ سخت لہجے میں بولیں۔عظیم نے سارے خط اور کارڈز زمین پر پھینک دیے اور غصے سے اندر چلا گیا۔

علیم نے زمین پر پڑے اس کے سکول بیگ کو زور سے ٹھوکر ماری۔اور وہ بھی اندر چلا گیا۔وہ بیگ الماش کے پیروں میں جا گرا۔

"اپنی کتابیں اور بیگ اٹھاؤ اور اندر جاؤ۔یہ سارے خطوط اور کارڈز اکھٹے کر کے مجھے دو۔مجھے ایک لفظ نہیں سننا۔جاؤ اپنے کمرے میں۔"

الماش نے وہ خط اور کارڈز اکٹھے کر کے دادی امی کو دیئے۔اپنا بیگ اور کتابیں اٹھائیں اور روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔دادی نے صحن کا دروازہ اندر سے بند کیا اور اپنے کمرے میں آ کر وہ تمام چیزیں اپنی الماری میں رکھ دیں۔پھر وہ کچن میں آئیں، دونوں پوتے کھانا کھا کر جا چکے تھے۔اپنے بیٹے کے کمرے میں نہیں گئیں۔جانتی تھیں کہ وہ اس وقت تکلیف میں ہوگا۔برتن سمیٹے اور اپنے کمرے میں آ کر نماز پڑھنے لگیں۔باہر

بہت طوفانی بارش ہو رہی تھی۔ٹھنڈ کافی بڑھ چکی تھی۔

الماش اپنے کمرے میں آئی۔اپنا بیگ اسٹڈی ٹیبل پر پھینک دیا۔اور روتی ہوئی بیڈ پر لیٹ کر اونچی آواز سے رونے لگی۔اپنے منہ کے آگے اپنا ٹیڈی رکھ لیا تا کہ آواز باہر نہ جائے۔اس کے کمرے کی کھڑکی باہر صحن کو کھلتی تھی۔جہاں گملے پڑے ہوئے تھے۔اسکے کمرے کی کھڑکی اس وقت کھلی ہوئی تھی۔اور ٹھنڈ کے ساتھ بارش بھی اندر آ رہی تھی۔

اس کا کمرہ چھوٹا تھا۔کمرہ کے بیچ میں اس کا بیڈ تھا۔دائیں طرف الماری تھی۔کھڑکی کے پاس اسکا اسٹڈی ٹیبل تھا۔

"میں۔۔۔نے کچھ۔۔۔نہیں کیا۔"وہ رو رہی تھی۔ایک پل میں اس کے ساتھ کیا ہو گیا تھا۔وہ ابھی تک شاک میں تھی۔وہ مجرم بن گئی تھی۔سب اس سے نفرت کرنے لگے تھے۔اسے ایسے جرم کی سزا ملی تھی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

"ابا! میرا یقین کریں میں نے کچھ نہیں کیا۔۔"وہ ہچکیاں لے کر رو رہی تھی۔اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔اپنی امی کو یاد کر کے رونے لگی۔اگر اس کی ماں زندہ ہوتی تو کسی کی ہمت نہ ہوتی اس پر ہاتھ اٹھانے کی۔

رات کافی گزر چکی تھی۔جب اس کی دادی کمرے میں آئیں۔لائٹ آن کی۔وہ بنا رضائی کے بیڈ پر اکٹھی ہو کر لیٹی ہوئی تھی۔بارش اب بند ہو چکی تھی۔کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔انہوں نے فوراً کھڑکی بند کی اور ہیٹر آن کیا۔اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"الماش۔۔۔الماش۔"اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔اس کا ماتھا سوجا ہوا تھا اور ہاتھ پر خون جما ہوا تھا۔کپڑے بھی گیلے تھے۔

"الماش بیٹا۔۔۔یہ اپنی کیا حالت بنائی ہوئی ہے۔"اب وہ فکرمندی سے بولیں۔اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔دادی اس کے پاس بیٹھی تھیں۔وہ پھر رونے لگی۔

"دادی امی میں نے کچھ نہیں کیا۔"وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔دادی کو اسکی حالت پر ترس آیا۔دوپہر تک تو

بالکل فریش تھی اور اب کافی دنوں کی بیمار لگ رہی تھی۔

"اچھا پہلے اٹھ کر اپنے کپڑے بدلو۔ یہ اپنی کیا حالت بنائی ہوئی ہے۔ اتنی سردی ہے اگر بیمار پڑ گئی تو۔۔۔" انہوں نے زبردستی الماش کو واش روم بھیجا اور خود کچن میں آئیں۔ فریج سے دودھ نکالا، چولہے پر رکھا اور دودھ گرم کرنے لگیں۔

"میرا دل نہیں مانتا کہ میری بچی ایسا کچھ کر سکتی ہے۔ پر وہ خط اس کے بیگ سے نکلے تھے۔ اور وہ خرگوش کی مہر۔۔۔ وہ مہر تو صرف اس کے پاس ہے۔" وہ سوچنے لگیں۔ دودھ گلاس میں ڈالا اور اس کے کمرے میں لے کر آئیں۔ الماش کپڑے بدل چکی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھی ہیٹر کو گھور رہی تھی۔ بال کھلے تھے۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ انہوں نے دودھ لا کر میز پر رکھ دیا اور بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"دودھ پی لو ساتھ میں دوا بھی کھا لو۔" وہ کچھ دیر خاموش رہیں پھر کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔ "مجھے نہیں پتہ یہ سب تم نے کیا ہے کہ نہیں پر اپنی طبیعت خراب نہ کرو۔ صبح اٹھ کر اپنے ابا سے معافی مانگ لینا۔" اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلیں گئیں۔

اس نے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ آنسو پھر سے بہنے لگے۔

"کوئی میری بات کا یقین نہیں کر رہا۔"

دودھ پیا اور ساتھ میں دوائی کھائی۔

"میں نے وہ خط نہیں لکھے پر وہ سارے خط اور کارڈز جن پر میرا نام لکھا ہے وہ میرے بیگ میں کہاں سے آئے؟" وہ سوچنے لگی۔ لائٹ آف کی اور بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔ اپنے اوپر رضائی لی۔ ہاتھ پر نظر پڑی، کٹ گہرا تھا پر اسے درد نہیں ہو رہا تھا۔ نہ جانے کب اس کی آنکھ لگی اور وہ سو گئی۔

صبح جب آنکھ کھلی، سر میں شدید درد تھا۔ گھڑی پر نظر پڑی۔ سکول وین آنے والی تھی۔ فوراً واش روم گئی۔ سکول یونیفارم پہنا اور باہر آئی۔ بال باندھے، سر پر سکاف لیا تا کہ ماتھے پر لگی چوٹ نظر نہ آئے۔ رات والا واقعہ اب بھی ذہن میں گھوم رہا تھا۔ لیکن پیپرز بھی نزدیک تھے۔ شوز پہنے، بیگ لیا اور کچن میں داخل ہوئی۔ دادی فریج سے سامان نکال رہی تھیں۔

"اس سے کہو آئندہ کے بعد یہ سکول نہیں جائے گی۔" وہ آواز پر پلٹی۔ انکل فرقان دروازے میں کھڑے اسے گھور رہے تھے۔ وہ ڈر کے پیچھے ہوئی۔

"ابا، میں نے کچھ نہیں کیا۔" اس کی آواز میں تکلیف تھی۔

"میں دوبارہ نہ کہوں۔" وہ زور سے چلائے۔ عظیم اور علیم بھی آ گئے۔ وہ اپنی ماں سے مخاطب ہوئے۔

اماں! یہ اب گھر رہے گی۔ کوئی ضرورت نہیں ہے پڑھنے کی۔ ہماری بے عزتی کروا کر اسے چین نہیں ملا۔" وہ بت بن کر کھڑی رہی۔ دادی فوراً آگے آئیں اور فرقان کو اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے گئیں۔ اس کے دونوں بھائی صحن میں بیٹھ گئے۔ انکے چہرے کے تاثرات وہ اچھے سے سمجھ چکی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کے ابا کمرے سے غصے کی حالت میں نکلے۔

"ناشتہ تو کر کے جا۔" دادی پیچھے سے بولیں۔

"رہنے دیں باہر سے کر لوں گا۔" گھورتی ہوئی نظر اپنی بیٹی پر ڈالی اور تیزی سے باہر کو نکلے۔ علیم پہلے ہی ناشتہ کر چکا تھا۔ وہ بھی کالج چلا گیا۔ عظیم بھی بغیر ناشتہ کیے اپنے ابا کے ساتھ چلا گیا۔ دادی پیچھے سے آوازیں دیتی رہیں۔

"دادی، میرا اسکول۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"اپنے کمرے میں جاؤ۔ ایک دن سکول نہیں جاؤ گی تو قیامت نہیں آ جائے گی۔" دادی کا لہجہ بہت سخت تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ دادی یوں بولیں گی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ اب پہلی بار چلائی۔ اپنے کمرے میں گئی اور زور سے دروازہ بند کیا۔ اپنے کمرے میں بیٹھ کر کتنی دیر روتی رہی۔ ادھر دادی بھی اداس تھیں۔

گھر میں چند دن اداسی کا ماحول رہا۔ دادی امی کے سمجھانے پر ابا اسے صرف سکول بھیجنے کے لیے مان گئے۔ دونوں بھائیوں نے اس سے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ وہ صبح سکول جاتی اور پھر سارا دن اپنے کمرے میں بند رہتی۔ وہ پہلے سے بہت کمزور ہو گئی تھی پر پرواہ کس کو تھی۔ ابا جب بھی اسے دیکھتے منہ پھیر لیتے۔ وہ اپنے گھر میں مجرم بن کر رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

فجر کی اذان ابھی شروع ہوئی تھی۔ایک نئے دن کا آغاز ہوا تھا۔وہ بستر سے نکلی، آیت الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر اور اپنے بیٹے پر دم کیا۔جو پاس بیڈ پر سو رہا تھا۔انہوں نے وضو کیا، نماز ادا کی اور قرآن شریف لے کر ٹیرس میں آ گئیں۔کرسی پر بیٹھ گئیں۔گود میں قرآن شریف رکھا اور مدھم آواز میں تلاوت کرنے لگیں۔ان کے سامنے پتوں کی بیلیں لٹک رہی تھیں۔جو چھت سے زمین تک جا رہی تھیں۔ان بیلوں نے آدھے ٹیرس کو ایک پردے کی طرح کور کیا ہوا تھا۔سورج کی کرنیں آہستہ آہستہ پھیل رہی تھیں۔ایسے میں چڑیاں بھی اپنے گھونسلوں سے نکل کر اللہ کا شکر ادا کرتیں چہچہا رہی تھیں۔گملے میں لگے پھولوں کی خوشبو بھی پھیلنے لگی تھی۔

مسز حیدر کی یہ روز کی روٹین تھی۔وہ روزانہ قرآن شریف ترجمہ کے ساتھ پڑھتیں۔اس وقت وہ سورہ الرحمان کی شروع کی۔آیت کا ترجمہ پڑھ رہی تھیں۔

"شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔"

"رحمٰن اس نے تعلیم دی قرآن کی اس نے پیدا کیا انسان کو سکھایا اسے بولنا سورج اور چاند ایک حساب سے ہیں۔اور ستارے / بیلیں اور درخت وہ دونوں سجدہ کر رہے ہیں۔اور آسمان اس نے بلند کیا اسے اور اس نے رکھ دیا میزان کہ نہ تم زیادتی کرو میزان میں اور قائم کرو وزن کو ساتھ انصاف کے اور نہ کمی کرو تول میں اور زمین میں اس نے رکھ دیا۔اسے مخلوقات کے لیے اور اس میں پھل ہیں اور کھجور کے درخت خوشوں والے اور غلے ہیں بھس والے اور خوشبو دار پھل ہیں۔تو کون سی نعمتوں کو اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔"

ابھی وہ تیرہ آیت کا ترجمہ پڑھ رہی تھیں۔انہیں قدموں کی آواز سنائی دی۔پیچھے مڑ کر دیکھا تو علی کھڑا تھا۔اس نے نائٹ ڈریس پہنا ہوا تھا۔بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ مسکرا رہا تھا۔مسز حیدر نے اسے اپنے پاس والی کرسی پر بٹھایا اور اسے سمجھانے لگیں۔

"بیشک اللہ بہت کرم فرمانے والا ہے۔اس ذات نے ہی پیدا کیا انسان کو۔اس ذات نے ہی چاند اور سورج کو پیدا کیا۔اور ان نکلنے اور غروب ہونے کے وقت مقرر کیے۔انسانوں کو بھی تلقین کی ہے کہ وہ ناپ تول میں کمی اور زیادتی نہ کریں۔یعنی انصاف کریں۔اسی ذات نے انسانوں کے لیے پھل پیدا کیے ہیں۔کھجور کے درخت لگائے ہیں۔اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔"

"ماماں۔۔۔اللہ۔۔سب۔۔۔سے بہت۔۔پیارا۔۔کرتا۔۔۔ہے۔۔ناں۔"

"ہاں میرے بچے، وہ بہت غفور اور رحیم ہے۔ یہ اس ذات کی محبت کی نشانی ہے۔ کہ اس ذات نے ہمارے لیے اتنا کچھ پیدا کیا ہے۔ سورج کا نکلنا چاند کا رات کو نکلنا سب ایک خاص نظام سے چلتے ہیں۔" وہ اسے اس کی عمر کے حساب سے پیار سے سمجھانے لگیں۔ وہ قرآن کی باتیں غور سے سنتا۔

"میں۔۔۔نے۔۔قرآن۔۔۔۔پڑ۔۔پڑھنا۔۔۔ہے۔" وہ ہمیشہ کی طرح رک رک کر بولا۔

"کیوں نہیں میرے بچے، ہم آج ہی قاری صاحب کے پاس جائیں گے۔"

"آج۔۔ہی۔۔۔" وہ خوش ہوا۔

وہ دونوں شام کو محلے کے قاری صاحب کے پاس پہنچے۔ ان کے ورکر نے انہیں آفس میں بٹھایا۔ آفس سے بہت پیاری خوشبو آ رہی تھی۔ شیشے کی الماری میں ڈھیر ساری اسلامی کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد قاری صاحب آ گئے۔ وہ کافی ینگ تھے۔ سفید رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ ان کی داڑھی تھی اور نظر کا چشمہ لگایا ہوا تھا۔ وہ سلام کر کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"میں اپنے بیٹے علی کو قرآن پڑھانا چاہتی ہوں۔ ترجمے کے ساتھ تا کہ اسے زندگی گزارنے اور زندگی کے فیصلے کرنے میں آسانی ہو۔" وہ علی کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"کیوں نہیں باجی۔۔۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مجھے یہ بات سن کر بہت خوشی ہوئی ہے۔" ان کا لہجہ بہت حلیم تھا۔ "قرآن کا مقصد یہی ہے کہ اسے ترجمے کے ساتھ پڑھا جائے۔ ویسے یہ کون سی کلاس میں ہے؟"

"فائف۔۔کلاس۔۔میں۔" علی نے جواب تو دیا۔ پر فوراً منہ کے آگے اپنا ہاتھ رکھ لیا اور سر جھکا لیا۔ قاری صاحب نے یہ بات نوٹ کی۔

"مجھے اس کی سکول کی پڑھائی سے زیادہ دین کی تعلیم کی زیادہ فکر ہے۔ سکول کی پڑھائی ساتھ ساتھ چلتی رہے گی۔" مسز حیدر دین کی کتابوں کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ "اور ایک بات اسے ذرا بولنے میں مشکل ہوتی ہے۔" اب وہ فکر مندی سے بولیں۔

"باجی۔۔آپ فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کتاب میں شفا ہے۔" وہ علی کی طرف متوجہ

ہوئے۔"علی بیٹا، یہ بتاؤ آپ کو قرآن پاک کے بارے میں کیا علم ہے؟ قرآن پاک میں کتنی مساجد کا ذکر ہے؟"

"مسجد الحرام۔۔۔۔مسجد اقصیٰ۔۔۔مسجد قباء۔۔۔مسجد ضرار۔"

"قرآن پاک میں کتنے شہروں کا ذکر ہے؟"

"مکہ۔۔۔مدینہ۔۔۔۔مصر۔۔۔جنین۔۔۔۔۔بابل۔۔۔ایکہ۔"

"قرآن پاک میں کتنی سبزیوں کے نام ہیں؟"

"پیاز۔لہسن۔۔۔ککڑی۔"

"قران پاک میں کتنی دھاتوں کا ذکر ہے؟"

"سونا۔۔چاندی۔۔تانبا۔۔لوہا۔"

"قرآن پاک میں کتنے درختوں کا نام ہے؟"

"بیری۔۔کھجور۔۔۔زیتون۔"

"قرآن پاک میں کتنے پھلوں کا ذکر ہے؟"

"انجیر۔۔۔زیتون۔۔۔انار۔۔کیلا۔۔ترکھجور۔۔انگور۔"

"قرآن پاک میں کتنے پرندوں کا ذکر ہے؟"

"ہدہد۔۔ابابیل۔۔کوا۔۔۔تیتر۔۔ٹڈی۔"

"قرآن پاک میں کتنے حشرات کا ذکر ہے؟"

"چیونٹی۔۔مکھی۔۔مچھر۔۔ککڑا۔۔شہد کی مکھی۔۔پروانہ۔۔جوں مینڈک۔۔۔سانپ۔۔۔اژدھا۔"

"قرآن پاک میں کتنے جانوروں کا نام ہے؟"

"ہاتھی۔۔اونٹ۔۔گائے۔۔دنبہ۔۔بکری۔۔بھیڑیا۔۔گھوڑا۔۔گدھا۔۔بندر۔۔خنزیر۔کتا۔۔"

"قرآن پاک میں کتنے پہاڑوں کا ذکر ہے؟"

"طور۔۔مصری۔۔۔صفا۔۔۔مروہ۔"

"قرآن پاک میں بہترین مشروب کون سا ہے؟"

"دودھ۔"

"قرآن پاک میں بہترین غذا کون سی ہے۔"

"شہد۔"

قاری صاحب بہت خوش ہوئے۔علی کو بولنے میں مشکل ہوئی پر اس نے سارے سوالوں کے صحیح جواب دیے تھے۔

"مجھے خوشی ہے آپ نے اسے یہ سب سکھایا ہے۔آپ اسے کل سے میرے پاس ادھر بھیج دینا۔مجھے امید ہے یہ بہت جلد سیکھ جائے گا۔"

"مجھے ایک سوال پوچھنا تھا۔۔علی بیٹا آپ میرا باہر انتظار کرو۔" اپنی امی کی بات سن کر علی کمرے سے باہر گیا۔مسز حیدر کچھ دیر خاموش رہیں۔انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔قاری صاحب نے خاموشی توڑی۔

"باجی،آپ گھبرائیں مت۔جو سوال پوچھنا ہے پوچھیں۔اپنے کسی مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں کسی شرم۔"

"میں ایک بیوہ ہوں۔" مسز حیدر ہمت کر کے بولیں۔"علی میرا اکلوتا بیٹا ہے۔میرے لیے ایک پروپوزل آیا ہے۔اس آدمی کے دو بچے ہیں۔اس کی بیوی اس دنیا میں نہیں۔کیا میں دوسری شادی۔۔۔"

"تو ہاں کہنے میں حرج کیا ہے۔" وہ خفا ہوئے۔"آپ لوگوں کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔یہ تو سنت رسول ہے۔میرا مشورہ ہے آپ مان جائیں۔اللہ سب بہتر کرے گا۔"

ابھی وہ بات کر رہے تھے کہ انکا ایک شاگرد آ گیا۔مسز حیدر نے اب واپس جانا بہتر سمجھا۔ان سے اجازت لے کر علی کے ساتھ واپسی پر فوڈ شاپ پر گئیں۔کھانا آرڈر کیا اور ادھر بیٹھ گئے۔علی بہت خوش لگ رہا تھا۔

"علی،آپ سے ایک بات پوچھوں؟" موبائل میز پر رکھا اور مسکرا کر پوچھا۔

"جی۔۔۔ماما۔۔پوچھ۔۔۔لیں۔" وہ خوشی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"کیا آپ کو؟ کیا آپ کو نئے پاپا چاہئیں۔" وہ اس کے تاثرات کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔

علی پہلے تو انہیں دیکھنے لگا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"کیا میں۔۔۔نئے۔۔۔سکو۔۔سکول۔۔جاؤں۔۔گا؟"

مسز حیدر سمجھ گئیں اس نے یہ سوال کیوں پوچھا ہے۔ کلاس کے بچے اسکے رک رک کے بولنے پر اس کا مذاق اڑاتے تھے۔انہوں نے سکول میں شکایت بھی کی تھی پر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تکلیف کی زندگی صرف مسز حیدر ہی نہیں، انکا بیٹا بھی گزار رہا تھا۔ مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ مسز حیدر اپنے بیٹے کو ہمیشہ اسلامی واقعات سناتی تھیں تا کہ ان کا بیٹا بہادر بنے۔

"ہاں سکول بھی بدل جائے گا۔" اپنے بیٹے کو حوصلہ دیا۔ "پر کیا آپ کو نئے پاپا چاہئیں۔ پھر ہم نئے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے۔ وہاں آپ کے دو اور بہن بھائی بھی ہوں گے۔" اسے سچ بتانا اور اعتماد میں لینا ضروری تھا۔ وہاں ویٹر آیا اور ان کا کھانا رکھ گیا۔ مسز حیدر نے برگر کی پلیٹ اپنے بیٹے کے آگے کی۔

"میں۔۔میں۔۔۔آپ۔۔۔کے۔۔سا۔تھ۔۔ساتھ۔۔رہوں گا۔" ایک فرنچ فرائز اپنے منہ میں ڈالی۔

"ہاں بیٹے کیوں نہیں۔ ہم سب انشاء اللہ مل کر رہیں گے۔" فوراً بولیں۔ یہ بھی جانتی تھیں علی ابھی بہت چھوٹا ہے اسے ڈر تو لگے گا۔

"پھر۔۔۔تو۔۔۔ٹھیک۔۔۔ہے۔" وہ مزے سے اپنا برگر کھا رہا تھا۔

مسز حیدر کی زندگی کا یہ بہت اہم فیصلہ تھا۔ یہ صرف انکی نہیں پر انکے بیٹے کی زندگی کا بھی سوال تھا۔ انہیں سب سے پہلے ان دونوں بچوں سے ملنا تھا۔ وہ فیصلہ کر چکی تھیں۔ حیدر کو بھول جانا ان کے لیے آسان نہ تھا۔ پر یوں تنہا زندگی گزارنا بھی مشکل تھا۔ ان کے لیے رشتے تو بہت آئے تھے۔ پر وہ سب اس سے عمر میں بہت بڑے تھے۔ ابھی تک صرف یہ رشتہ مناسب تھا۔ اور اسکے بھائی بہن بھی یہ چاہتے تھے کہ وہ ہاں کہہ دے۔ تو وہ مان گئی تھی۔

☆......☆......☆

صبح کا وقت تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ ہر طرف ایک سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ لگتا تھا رات کو کافی برف پڑی تھی۔ گھڑی کی طرف دیکھا تو ٹائم کم تھا۔ فٹافٹ واش روم گیا اور نہا دھو کر تیار ہو گیا۔ جینز کی پینٹ کے

اوپر سویٹر پہنا۔ گلے میں مفلر ڈالا اور جوگرز پہن کر تیار ہو گیا۔ اپنے بیگ میں ضرورت کے ڈاکومنٹس رکھے اور کمرے سے باہر آ گیا۔

بابا جی باہر صحن میں اپنی بائیک صاف کر رہے تھے۔ وہ اسے لے کر کچن میں چلے گئے۔ دونوں نے مل کر ناشتہ کیا۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد بابا جی نے اپنی جیکٹ پہنی اور اپنی بندوق لے کر صحن میں آئے۔ عریش نے انہیں حیرت سے دیکھا۔ انہوں نے اسے مسکرا کر دیکھا اور اسے گھر سے باہر لائے۔

"یہ تمہاری یونیورسٹی ہے۔ اور میں یہاں کا چوکیدار ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے اپنی مونچھ پر ہاتھ پھیرا۔

اس لڑکے نے سامنے نظر ڈالی۔ وہ دونوں چلتے ہوئے گیٹ سے اندر داخل ہوئے۔ سامنے بہت بڑا گراؤنڈ تھا۔ ان کا گھر یونیورسٹی کے بالکل قریب تھا۔ وہ اسے ایڈمیشن آفس لے گئے۔

"فیصلہ کر لیا کہ کیا پڑھنا ہے؟"

"مجھے ہسٹری پڑھنے کا شوق ہے۔ اسی میں ایڈمیشن لوں گا۔" پاس پاکستان کا جھنڈا لگا تھا اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے اللہ کا نام لو اور اپنا داخلہ کروا لو۔ داخلے کے بعد پوری یونیورسٹی گھومنا میں ادھر گیٹ پر ملوں گا۔"

وہ اسے وہاں چھوڑ کر اپنے کام پر لگ گئے۔ وہ آگے بڑھا تو آفس میں کافی رش تھا۔ اس نے بھی اپنا پراسپکٹس خریدی اور گراؤنڈ میں ایک بینچ پر آ کر بیٹھ گیا۔ آس پاس نظر ڈالی تو بہت سارے بچے ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ کچھ پرانے سٹوڈنٹس لگ رہے تھے۔ اور جو ہر طرف دیکھ کر چل رہے تھے لازماً انکا آج پہلا دن تھا۔ کچھ گروپ میں تھے۔ اور چند اسکی طرح تنہا تھے۔

اپنے بیگ سے ڈاکومنٹس نکالے اور اپنا فارم فل کیا۔ اپنا فارم فل کرنے بعد اسے آفس میں جمع کروا دیا۔ اور پھر یونیورسٹی گھومنے لگا۔ یونیورسٹی کافی بڑی تھی۔ بابا جی کی مدد سے لائبریری سے کچھ کتابیں ایشو کروائیں۔ اپنے گھر آیا، بیگ اور کتابیں رکھیں۔ بابا جی سے اجازت لے کر پاس بازار میں چلا گیا۔

بازار اتنا بڑا نہیں تھا۔ لاہور سے کافی مختلف تھا۔ اس نے پہلے بازار گھوما پھر اپنے لیے سردیوں کے کپڑے خریدے۔ شاپنگ کرنے کے بعد ایک چائے کی دکان میں بیٹھ گیا۔ پاس ایک فیملی بیٹھی تھی۔ اسے بھی اپنی فیملی

یاد آ گئی۔ایک چیز جو اسے بار بار تنگ کر رہی تھی۔

"اس وقت کمرے میں کون تھا؟ جب میں کمرے میں چھپنے کے لیے گیا تھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔خیر جب کرن ہوش میں آئے گی۔تو سب کو سچ بتا دے گی۔" اسے خوشی ہوئی۔پر یہ اس کی غلط فہمی تھی۔اپنی چائے پی اور گھر کے لیے نکل پڑا۔

عریش کو تکلیف تو بہت تھی کہ اس کے والد نے اس پر بھروسہ نہیں کیا۔پر شاید وقت اور قسمت کے آگے خاموش رہنا بہتر ہے۔اسے یاد آیا اس نے کہیں پڑھا تھا۔

"جب انسان اپنی وقعت کھو دے تو اس کے لیے بہترین پناہ خاموشی ہے۔وضاحت کبھی سچا ثابت نہیں کر سکتی،الفاظ انسان کو اس کا کھویا ہوا مقام واپس نہیں دلا سکتے۔پر خاموشی مزید تذلیل سے بچا لیتی ہے۔"

سارے راستے اسے اپنی ماں کی یاد آتی رہی۔کہ اس کی وجہ سے اسکی ماں کو کیا کچھ سننا پڑا ہوگا۔اس کے بدن میں اب بھی درد ہو رہا تھا۔لیکن یہاں کوئی نہیں تھا۔جسکو وہ اپنی تکلیف بتا سکتا۔کوئٹہ واقعی بڑی پیاری جگہ تھی۔اسے یہاں اچھا لگنے لگا تھا۔گھر پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔گھر میں شاید کوئی مہمان آیا ہوا تھا۔اس نے باہر سے کھانا لیا تھا۔اپنے کمرے میں آیا،کپڑے بدلے،بیڈ پر لیٹ کر لائبریری سے لائی ہوئی کتابیں پڑھنے لگا۔

☆......☆......☆

سب ولید کے گھر پر جمع تھے۔یہ اس واقعہ کے اگلے دن کا ذکر ہے۔انکے گھر عدالت لگی ہوئی تھی۔ولید صاحب صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ان کا سر جھکا ہوا تھا۔سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔کپڑے کل رات والے پہنے ہوئے تھے۔

"میری بیٹی کل رات سے شدید بخار میں مبتلا ہے۔ابھی اسے دوا دے کر سلایا ہے۔" مونا کے شوہر فہد شدید غصے میں تھے۔"اگر مجھے پتا ہوتا کہ وہ لڑکا ایسا نکلے گا تو کبھی اپنی بیٹی کو یہاں نہ آنے دیتا۔"

مونا پاس والے صوفے پر بیٹھ کر آنسو بہا رہی تھی۔کرن ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔

"ساری تربیت ماں کی ہے۔اچھا بھلا ہوسٹل میں رہتا تھا کیا ضرورت تھی اسے واپس لانے کی۔" فرح حقارت کی نظر سے راحیلہ کو دیکھ رہی تھی۔

راحیلہ بھی سر جھکائے وہاں بیٹھی تھیں۔ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔سر پر دوپٹہ لیا ہوا تھا۔دیکھنے سے کافی دنوں کی بیمار لگتی تھیں۔فائزہ اور قاسم پڑھنے گئے ہوئے تھے۔نوشین اپنے بچوں کے ساتھ واپس پیرس چلی گئی تھی۔

"بھائی صاحب، میں شرمندہ ہوں۔" ولید صاحب نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔"میں نے اسے اس گھر سے نکال دیا ہے۔"ان کی آواز میں دکھ، تکلیف اور شرمندگی تھی۔وہ بس زمین کو گھورے جا رہے تھے۔

"کوئی اتنا کیسے گر سکتا ہے۔میرے بس میں ہوتا تو اسے گولی مار دیتی۔" فرخ بھی کہاں پیچھے رہنے والی تھی۔ان کا اصل مقصد راحیلہ کو ذلیل کرنا تھا۔

"میری بیٹی جب بھی ہوش میں آتی ہے تو عریش بھائی، عریش بھائی پکارتی ہے۔وہ اسے اپنا بڑا بھائی مانتی تھی اور وہ بے غیرت انسان۔۔۔میں جانتا ہوں میں نے اپنے آپ کو کیسے کنٹرول کیا ہوا ہے ورنہ۔۔۔" فہد کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

"بھابھی، آپ کچھ بولیں گی۔اپنے لاڈلے بیٹے کے حق میں۔" فرح طنزیہ بولی۔

"میرا بیٹا اتنی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتا۔" راحیلہ جو اب تک خاموش بیٹھی تھی، بولی۔

"لو کر لو بات۔۔۔سب اس بات کے گواہ ہیں۔" مونا زور سے چیخی۔"تجھے تو اپنا بیٹا بے قصور لگے ناں۔ اتنا کچھ ہو گیا اور کتنے آرام سے میڈم کہتی ہے کہ میرے بیٹے نے کچھ نہیں کیا۔"

"بھابھی، کچھ شرم کریں اتنا بڑا جھوٹ۔کچھ تو خدا کا خوف کریں۔" فرح نے اپنی بہن کا ساتھ دیا۔

"کرن بار بار تیرے بیٹے کا نام لے رہی ہے۔میں تو کہتی ہوں بھیا طلاق دے کر فارغ کریں اس عورت کو۔" فرخ نے بھی جلتی پر تیل پھینکا۔

ولید صاحب نے اس بات پر اپنی بہن کو دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔حالات اس وقت ان کے حق میں نہیں تھے۔راحیلہ سے نفرت کی وجہ وہ اچھے سے سمجھ سکتے تھے۔

"اچھا بھابھی تو آپ ہی بتا دیں۔کہ میری بیٹی کرن کا مجرم کون ہے؟"

راحیلہ خاموش رہی۔پر اپنے بیٹے پر انہیں بھروسہ تھا۔کافی دیر بعد فہد بولا۔

"ہم اس وقت چلتے ہیں۔کرن کو ویسے ہی بخار ہے۔اور دوپہر کو میری ایک میٹنگ ہے۔اب کرن اس گھر میں کبھی نہیں آئے گی۔میں ویسے بھی کوشش کر رہا ہوں کہ اپنی فیملی کو لے کر جلد سے جلد لندن شفٹ ہو جاؤں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولے۔اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کوٹ کے بٹن بند کیے۔"اللہ آپ کے بیٹے کو نیک ہدایت دے۔میرے پاس اور کچھ نہیں ہے کہنے کو۔" فوراً ٹی وی لاؤنج سے نکل گئے۔

مونا بھی روتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ولید بھائی سے شکایت کرنے لگی۔راحیلہ کو برا بھلا کہا اور عریش کو بد دعائیں دیتی ہوئی اپنے شوہر کے پیچھے چلی گئی۔فرح اور فرخ راحیلہ کو کوستی ہوئی منہ بسورتی اپنے گھروں کو چلی گئیں۔انہیں حیرت ہوئی فہد بھائی کے رویے پر۔انہیں لگا تھا فہد لڑے گا، جھگڑے گا، خوب تماشہ لگائے گا پر ایسا کچھ نہیں ہوا۔

ان سب کے جانے کے بعد گھر میں خاموشی ہو گئی۔ولید صاحب اپنے کمرے میں جانے لگے۔

"مجھے بھوک لگی ہے میں نہانے جا رہا ہوں کھانا لگاؤ۔" وہ زینے چڑھتے اوپر چلے گئے۔راحیلہ کچن میں آ گئی۔فٹافٹ فریج سے گوشت نکالا اور اسے کوکر میں ڈال کر سٹی لگائی۔چاول بھی پکنے کے لیے رکھ دیئے۔ساتھ میں آٹا گوندھا اور سلاد بنائی۔

ان کے آنسو بہہ رہے تھے۔پر وہ خاموشی سے سارا کام کر رہی تھیں۔جب سٹی لگ گئی تو اس میں آلو ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیا۔روٹیاں پکائیں جب سب کچھ تیار ہو گیا تو آلو گوشت کا سالن، ابلے چاول سلاد ڈائننگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

ولید صاحب نہا کر نیچے آئے۔سفید رنگ کی شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی۔بال بھی سیٹ تھے۔انہوں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔راحیلہ برتن دھونے لگی۔وہ کھانا کھا کر گھر سے باہر چلے گئے۔اتنے میں قاسم اور فائزہ گھر آ گئے۔وہ فریش ہو کر آئے۔تینوں کھانا کھانے لگے۔

راحیلہ نے انہیں آج کی ہونے والی ساری گفتگو سنائی۔کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سب اپنے کمروں میں چلے گئے۔آنٹی راحیلہ شام کو عریش کے کمرے میں گئیں۔کمرہ صاف ستھرا تھا۔اس کا لیپ ٹاپ اور موبائل اب اسکے کمرے میں پڑے تھے۔وہ اس کے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔سرہانہ ہٹایا، اس کی کتاب اٹھائی اور اسے دیکھنے

لگیں۔انہیں دکھ ہو رہا تھا۔اپنے بیٹے سے کیا ہوا وعدہ وہ نبھا نہ سکیں۔

☆......☆......☆

صبح کے پانچ بج رہے تھے۔وہ جوگرز اور ٹریک سوٹ پہنے اپنے لان میں جوگنگ کر رہا تھا۔ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔سورج نے آج چھٹی کی تھی۔آسمان ابھی بھی کالا تھا۔رات بھر بارش ہوئی تھی۔ابھی بھی آسمان پر بجلی چمک رہی تھی۔

آج اسکا موڈ اچھا تھا۔جوگنگ سے فارغ ہو کر ادھر لان میں لیٹ گیا۔اپنے دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیے اور آسمان کو دیکھنے لگا۔ٹھنڈی ہوا اسکے چہرے پر پڑ رہی تھی۔اسکے موبائل پر میسج آیا۔اپنے ٹراوزر کی جیب سے موبائل نکالا اور میسج پڑھا۔اس میسج کا ریپلائی کیا اور گھر میں آ گیا۔

گھر میں آ کر سیدھا واش روم میں گھس گیا۔نہا کر باہر آیا تو فوجی ٹراوزر کے ساتھ سفید رنگ کی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔کندھے سے تولیہ اتار کر اسے کرسی کی پشت پر ڈالا۔شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بال ٹھیک کیے۔اپنی پسندیدہ پرفیوم لگایا اور کچن میں آیا۔فریج سے اپنے لیے جوس،انڈے اور بریڈ نکالے۔انڈا فرائی کیا بریڈ کو توسٹر میں ڈالا۔ناشتہ تیار کر کے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گیا۔اور مزے سے ناشتہ کرنے لگا۔کھڑکی سے باہر نظر ڈالی تو بارش پھر سے ہونے لگی۔ناشتہ ختم کرنے کے بعد برتن ڈش واشر میں ڈال دیے۔اپنے لیے کافی بنائی اور کچن سے باہر آ گیا۔کافی کا کپ لے کر اس کمرے میں آیا جہاں وہ بندہ ابھی تک بندھا ہوا تھا۔دروازہ کھول کر وہ بہت آرام سے اندر داخل ہوا۔شکاری نے اسے اب بیسمنٹ میں شفٹ کر دیا تھا۔لائٹ آف تھی۔دیواروں پر پینٹ نہیں تھا۔صرف سیمنٹ لگا ہوا تھا۔یہ کمرہ بھی بالکل خالی تھا۔کمرے کے ایک طرف کچی زمین تھی۔وہاں فرش نہیں تھا۔

وہ کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا۔وہ بیڈ پر بندھا لیٹا ہوا تھا۔شکاری نے بلب آن کیا وہ بلب اس آدمی کے چہرے کے عین اوپر لگا ہوا تھا۔روشنی سے وہ جاگ گیا اور چلانے لگا۔تھوڑی دیر بعد اس نے بلب آف کر دیا۔

"میں تمہیں گڈ مارننگ کہنے آیا تھا۔سوچا ساتھ میں تمہارا حال بھی پوچھ لوں۔" گرم کافی کا سپ لیا۔

"ویسے کافی بہت مزے کی ہے" بلب پھر آن کیا۔

"کون ہوتم؟ میرے بارے میں تمہیں کیسے پتہ چلا۔" وہ اب درد سے چیخ رہا تھا۔

"ارے۔۔۔تم تو برا مان گئے۔گندگی کا پتہ لگانے میں کون سی دیر لگتی ہے۔بدبو اپنے آپ آجاتی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

وہ سکول ٹیچر اب شیطانوں کی طرح ہنسنے لگا۔

"یہ تکلیف میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔تمہیں پتہ ہے وہ بچہ بھی میرے سامنے رو رہا تھا۔جب میں اس کی ویڈیو بنا رہا تھا۔" وہ طنزیہ بولا۔

شکاری نے بلب آف کر دیا۔کافی کا کپ سائیڈ پر کر دیا۔کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔اسکی ہنسنے کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔وہ اس کے سامنے لوہے کے ایک بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔جس پر پرانا گدا بچھا ہوا تھا۔اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے۔سر بھی ایسے بندھا ہوا تھا کہ وہ صرف چھت کو دیکھ سکتا تھا۔

"کیا ہوا، ڈر گئے۔" وہ پھر طنزیہ بولا۔"جب سے میں یہاں آیا ہوں۔تم مجھے لگاتار ڈرپ لگا رہے ہو۔کھانا ایک ٹائم دیتے ہو۔میں ہمت نہیں ہارنے والا تمہیں آج بھی آفر دیتا ہوں۔بہت پیسہ ملے گا تم کو اس کام میں۔"

"وہ یاد آیا میں تم کو بتانا بھول گیا۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔اپنے لمبے بالوں کو ہاتھ کی انگلیوں سے پیچھے کیا اور آہستہ آواز میں بولا جیسے رازداری کی بات بتا رہا ہو۔"چند دن پہلے میں کسی سے ملا تھا۔یہ آفر میں نے اسے دی تھی۔اس نے انکار کر دیا۔مجھے غصہ آیا تو میں نے اسے۔۔۔" وہ خاموش ہو گیا۔

"یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" اسے حیرت ہوئی۔

"میں تو تمہیں یہ بھی بتانا بھول گیا کہ وہ کسی کے گھر چوکیداری کرتا تھا۔" اب وہ قہقہہ مار کر ہنسا۔

"کیا کیا ہے تم نے میرے بھائی کے ساتھ۔" ٹیچر اب تڑپ کر چیخا۔وہ اپنے آپ کو اس رسی سے چھڑانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔"مجھے بتاؤ میرا بھائی کہاں ہے؟" اب پہلی بار وہ درد اور تکلیف سے چلایا۔جیسے کسی کو اپنے کو کھونے کا احساس ہوا ہو۔

شکاری اس کمرے سے باہر آگیا۔اس کے چلانے کی آوازیں پیچھے سے آرہی تھیں۔وہ کمرے سے باہر گیا

اور فوراً واپس آ گیا۔اس کے ہاتھ میں ایک اوزار تھا۔اس نے کرسی کھینچ کر سائیڈ پر کی، ٹارچ آن کی اور اس پر چڑھ گیا۔اور چھت پر لگے پانی کے پائپ کو توڑنے لگا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟" اسکے چہرے پر اب خوف کے اثرات تھے۔"میرا بھائی کہاں ہے؟ مجھے بتاؤ۔" وہ چلا رہا تھا۔

پانی کے پائپ سے اب قطرہ قطرہ پانی ٹپکنے لگا۔وہ کرسی سے نیچے اترا۔ٹارچ آف کی اور اسکے بیڈ کو کھینچ کر جہاں قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔اس کے نیچے کر دیا۔یوں کے اس کے ماتھے کے بالکل اوپر پانی کے قطرے گرنے لگے۔

"تم بھی بارش انجوائے کرو۔" شکاری نے اپنا چہرہ اس کے کان کے قریب کیا۔سرگوشی سے بولا۔"تڑپو جیسے وہ بچہ تڑپا تھا۔تڑپو اور چلاؤ۔۔۔ جیسے تم نے باقی بچوں کی زندگی تباہ کی تھی اور وہ چلا رہے تھے۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر آ گیا۔اب وہ اسے گالیاں دینے لگا۔

کمرہ سے باہر آ کر ہال میں پڑے صوفے پر لیٹ گیا۔پاس ایک بڑی سی کھڑکی تھی۔وہاں سے سارا لان نظر آتا تھا۔وہ کھڑکی سے باہر بارش کو دیکھنے لگا۔بارش کے ساتھ تیز ہوا چل رہی تھی۔اسے پھر سے اسکی یاد آنے لگی۔لان میں لگے سارے درخت یکطرفہ جھوم رہے تھے۔بجلی زور سے چمکی اور ساتھ میں اسکے موبائل کی گھنٹی بجی۔اس نے کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم سر۔۔۔ آخر میری یاد آ گئی۔" وہ پورے جوش سے بولا۔

"کال اٹھاتے ہی شکوہ۔۔۔۔" دوسری طرف سے ہنستے ہوئے آواز آئی۔

"اتنی دیر بعد کال کریں گے تو شکوہ تو بنتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ میں ذرا بزی تھا۔ملک سے باہر گیا تھا۔مجھے ساری رپورٹ مل رہی ہے۔تم فکر مت کرو۔کوئی ٹینشن تو نہیں ہے؟" کام کے ساتھ وہ اچھے دوست بھی تھے۔

"نہیں سر زیادہ تو نہیں۔بس صبح میسج آیا تھا وہ چوکیدار کی خبر نیوز چینل پر آ گئی ہے۔" وہ فکرمندی سے بولا۔

وہ اب بھی باہر بارش کو دیکھ رہا تھا۔بارش کے قطرے شیشے سے ٹکرا کر نیچے کو جا رہے تھے۔

"یہ بھی کوئی پریشانی والی بات ہے۔میڈیا کی تو عادت ہے خبر کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کی۔گھر والوں نے پولیس کو اطلاع کی اور وہاں سے میڈیا کو پتہ چل گیا اور کیا۔۔۔"انہوں نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"جی سر۔۔۔"

"تمہیں ایک اور جگہ کا ایڈریس سینڈ کر رہا ہوں۔آگے تم بہتر سمجھتے ہو۔"یہ کہہ کر کال کاٹ دی۔

شکاری کو ان کی یہ حرکت بالکل بھی پسند نہیں تھی۔کام کہہ کر فوراً فون کاٹ دیتے۔خیر وہ خوش تھا کہ سر سے بات ہو گئی۔اس نے نقاب کیا اور دوبارہ نیچے بیسمنٹ میں گیا۔اپنے ساتھ ایک بالٹی لے گیا۔یہ ٹارچر اس کے لیے کافی تکلیف دہ تھا۔وہ چیخ رہا تھا۔نقاب پوش نے اسکا بیڈ سائیڈ پر کیا۔

"اب بتاؤ کیا حال ہے۔ہمت ہے کہ ختم ہو گئی۔"اور بالٹی اب اس جگہ پر رکھ دی۔اس کا چہرہ پانی سے بھیگ چکا تھا۔وہ ابھی تک نیم بیہوشی کی حالت میں تھا۔دماغ پورا گھوم چکا تھا۔

"ابھی میں چلتا ہوں کل ملاقات ہوگی۔میرا یہ تحفہ یاد رکھنا۔"اس کمرے سے فوراً نکل گیا۔اسے نئے مشن کی تیاری کرنا تھی۔اس کمرے میں اب بالکل خاموشی تھی۔پانی کی ٹپ ٹپ کی آواز ایک نیا ٹارچر تھی۔کبھی وہ چیختا،کبھی وہ چلاتا،کبھی اسے گالیاں دیتا پر سننے والا کون تھا۔اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ تکلیف کیا ہوتی ہے۔

وہ ٹیچر گاؤں سے شہر میں آیا تھا،اپنے بھائی کے ساتھ بھاگ کر۔دونوں وہاں بھی یہ غلط کام کرتے تھے۔ماں باپ مر چکے تھے۔وہ شہر میں ٹیچر بن گیا تھا اور بچوں کے ساتھ غلط کام کرتا تھا۔شکاری نے سکول کے پرنسپل کو آگاہ کر دیا تھا۔اور اس ٹیچر کے نام سے فیک ریزائن لیٹر دے دیا۔پرنسپل نے سب کو یہی بتایا وہ سکول چھوڑ کر جا چکا ہے۔

☆......☆......☆

رات کو کافی دیر تک وہ چھت پر تنہا بیٹھی رہی۔اور آسمان کو دیکھ رہی تھی۔سفید شلوار کے ساتھ آسمانی رنگ کی قمیض پہنی ہوئی تھی۔بالوں کا جوڑا بنایا ہوا تھا۔اسکا حلیہ ہمیشہ سادہ ہوتا۔گھر پر بھی ہمیشہ سر پر دوپٹہ لے کر رکھتی۔اس کا رنگ سانولا تھا۔آنکھیں بڑی بڑی اور کالی تھیں۔بال گھنے اور لمبے تھے۔

اسے ماضی یاد آ رہا تھا۔جب اس پر جھوٹا الزام لگا تھا۔جس کی وجہ سے اسے اکیڈمی چھوڑنی پڑی۔اور سکول

بھی کافی دن تک نہیں جا سکی۔ جس کا اثر اسکے رزلٹ پر پڑا تھا۔ اسکے بعد کچھ ایسا ہوا تھا کہ گھر کے فون پر رانگ نمبر سے کال آنے لگی۔ جب فون اٹھاتے تو الماش کا نام لے کر کال کاٹ دیتے۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا۔ تنگ آ کر عظیم بھائی نے فون توڑ دیا۔

اسے یاد آ رہا تھا کیسے ایک بار رات کو بار بار کال آ رہی تھی۔ فون کرنے والا الماش کا نام لے کر کال کاٹ دیتا۔ اور ابا نے پہلی بار اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ وہ اس رات بھی کتنا روئی تھی۔ پر کسی نے اس پر یقین نہیں کیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے ابا اور بھائیوں سے اور دور ہو گئی تھی۔ وہ کھانا بھی اکیلے میں بیٹھ کر کھاتی۔ اگر خاندان میں کوئی فنکشن یا پارٹی آتی تو گھر پر رہتی۔ ابا اسے صرف سلام کا جواب دیتے۔ دونوں بھائیوں کے لیے جیسے وہ تھی ہی نہیں۔

انکل فرقان کو یہی تھا کہ وہ میٹرک کے بعد کالج نہیں جائے گی، گھر پر رہے گی۔ اس وجہ سے اس کا ایک سال ضائع بھی ہوا تھا۔ پھر دادی امی نے ابا کو منا لیا تھا۔ بڑی مشکل سے اسکا کالج میں آرٹس کے سبجیکٹ میں داخلہ ہوا تھا۔ وہ بالکل بھی خوش نہ تھی۔

آنٹی آمنہ کی بڑی خواہش تھی کہ الماش ڈاکٹر بنے۔ وہ پڑھائی میں لائق بھی بہت تھی۔ اسے بہت تکلیف تھی۔ وہ اپنی ماں کا خواب پورا نہیں کر پائی۔ وہ آج تک نہیں جان پائی اسکے نام سے خط کس نے لکھ کر اسکے بیگ میں ڈالے تھے۔ اس رات گھر سے باہر کون گیا تھا جس کا الزام بھی اس پر لگا تھا۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ اکیلے میں کتنی بار روئی تھی۔ وہ ابھی بھی رو رہی تھی۔ دادی امی کے آواز دینے پر دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کیے اور فوراً نیچے کو بھاگی۔

ٹی وی لاؤنج میں سب موجود تھے۔ اسکے ابا دونوں بڑے بھائی۔ جب وہ نیچے آئی تو تینوں کی نظر اس پر پڑی۔ وہ سر جھکا کر تیزی سے کچن میں گھس گئی۔ جہاں اس کی دادی امی تھیں۔ اسکی پوری کوشش ہوتی وہ ان تینوں کے سامنے نہ آئے۔ اسے اپنے ہی گھر میں عجیب لگتا۔ جیسے کسی مجرم کو ہتھکڑی لگی ہو۔ اور وہ کسی بھرے بازار سے گزر رہا ہو اور ہر کوئی اسے گھور رہا ہو۔

بڑے بھائی عظیم کی شادی نزدیک تھی۔ اور سب اس کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ اسے اس شادی

سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے دادی کے ساتھ کھانا لگایا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ زمین پر بیٹھ کر ٹیسٹ کی تیاری کرنے لگی۔ آج عظیم بھائی اس کے کمرے میں آئے۔

"تم نے کھانا نہیں کھانا۔" وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑکی کے پاس کھڑے تھے۔ الماش نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اور نظریں دوبارہ کتاب پر کرلیں۔ لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی پر گہری نظر ڈالی۔ جو آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ نظریں کتاب پر تھیں اور کچھ لکھ رہی تھی۔ وہ واقعی میں ایک چھوٹی سی خرگوش لگ رہی تھی۔

"سب کھانا کھا رہے ہیں۔ تم بھی کھالو۔" وہ کچھ دیر بعد بولے۔

"کہانا مجھے کھانا نہیں کھانا۔" اب لہجہ کچھ سخت تھا۔

"اچھا۔۔۔ یہ میں تمہارے لیے لایا تھا۔" انہوں نے ایک پیکٹ اسکی طرف بڑھایا جو انہوں نے سینے سے لگایا ہوا تھا۔ "تمہارے پاس شادی کے لیے کوئی کپڑے نہیں ہیں۔ یہ تمہارا فیورٹ کلر ہے۔" وہ پیکٹ بیڈ پر رکھا اور کمرے سے چلے گئے۔

الماش نے اس پر توجہ نہ دی۔ اپنی ٹیسٹ کی تیاری کی۔ جب ٹیسٹ کی تیاری کرلی تو اٹھ کر کھانا کھایا، برتن سمیٹے اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ وضو کیا اور عشاء کی نماز ادا کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئی تو نظر بیڈ پر پڑے پیکٹ پر پڑی۔ اس میں کچھ پیسے بھی تھے۔ وہ پیکٹ اٹھا کر زینے چڑھ کر اوپر آئی۔ اور عظیم بھائی کے کمرے کا دروازہ ناک کیا اور اندر داخل ہوئی۔ وہ صوفے پر لیپ ٹاپ لیے بیٹھے تھے۔ نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے اس کی ضرورت نہیں۔" پیکٹ بیڈ پر رکھ دیا اور واپس مڑی۔ انہوں نے اسے آواز دی پر وہ نہ رکی۔ اور تیزی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ خاموش ہو گئے۔ پیکٹ اٹھایا الماری میں رکھا اور دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

الماش کچن میں آئی، دودھ گرم کیا اپنی دادی کو دیا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ لائٹ آف کی اور بیڈ پر چادر لے کر لیٹ گئی۔ کھڑکی سے چاند کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ گملے میں لگے پھولوں کی خوشبو بھی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اپنی ماں کو یاد کرنے لگی۔ اگر ماما زندہ ہوتیں تو بھائی کی شادی پر کتنا خوش ہوتیں۔ یہ عظیم بھائی کی پسند کی

شادی تھی۔صبح اٹھی، معمول کے مطابق تیار ہوئی بڑی سی چادر اوڑھی، وین میں بیٹھی اور کالج کے لیے روانہ ہوئی۔کالج میں اس نے کسی سے بھی دوستی نہیں کی تھی۔اسکے ساتھ وین میں ایک مس کالج جاتی تھیں۔کافی ینگ تھیں۔حال ہی میں انہوں نے کالج میں ٹیچنگ شروع کی تھی۔مس پریگنٹ تھیں اور کالج میں فزکس پڑھاتی تھیں۔الماش سے ان کی دوستی ہوگئی تھی۔اگر دونوں کا پیریڈ فری ہوتا تو اکثر دونوں اکٹھی بیٹھ جاتیں۔یا پھر وہ زیادہ ٹائم لائبریری میں گزارتی۔

آج کالج کی تمام لڑکیاں گراؤنڈ میں جمع تھیں۔وہاں ایک مشہور موٹیویشنل اسپیکر آئے ہوئے تھے۔کالج کی پرنسپل نے انہیں خاص طور پر انوائٹ کیا تھا۔الماش بھی ایک جگہ پر بیٹھ گئی۔وہ سر آئے تو سب لڑکیوں نے تالیاں بجا کر انکو ویلکم کیا۔وہ پینٹ کوٹ میں ملبوس تھے۔عمر پچاس کے قریب ہوگی۔سر کے بال سفید تھے۔سلام کیا اور اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔

" مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ کی پرنسپل نے مجھے یہاں بلایا ہے۔تاکہ میں آپ کی کچھ رہنمائی کر سکوں۔میری پیاری بیٹیو!میری کچھ باتیں ہمیشہ یاد رکھنا۔یہ باتیں ہمیشہ آپ کے کام آئیں گی۔"

گراؤنڈ میں مکمل خاموشی چھا گئی۔درخت پر بیٹھی چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں آنے لگیں۔الماش نے اپنے بیگ سے کاپی اور پین نکال لیا اور بہت غور سے لیکچر سننے لگی۔

" پہلی بات، زندگی میں کبھی ہمت نہ ہارنا۔زندگی میں بہت سی تکلیفیں اور مصیبتیں آئیں گی ان سے ڈرنا مت۔اللہ کی ذات پر ہمیشہ بھروسہ رکھنا۔وہ ذات بہت غفور رحیم ہے۔وہ ذات دے کر بھی آزماتی ہے اور لے کر بھی آزماتی ہے۔بچو!زندگی میں ہمیشہ دوسروں کے لیے راحت اور سکون کا باعث بننا۔"

الماش نے سر کی باتوں کو بہت غور سے سنا۔کچھ باتوں کو نوٹ بھی کیا۔اسے ایسا لگ رہا تھا کہ کچھ باتیں سر نے صرف اسکے لیے کہیں ہیں۔جب سر چلے گئے تو گراؤنڈ بھی خالی ہوگیا۔وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک بینچ پر درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔سر جھکا ہوا تھا اور اپنی ہاتھ کی انگلیوں سے کھیل رہی تھی۔مس اس کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔

" کیسی چل رہی ہے بھائی کی شادی کی تیاری۔" مسکرا کر پوچھا اور اپنے بیگ سے ایک سینڈوچ نکال کر اسکی طرف بڑھایا۔

"ابانے کہا ہے سادگی سے شادی کرنی ہے۔" مس سے سینڈوچ پکڑ لیا۔ وہ انکار نہیں کرسکتی تھی۔ "بھابھی کی امی کی طبیعت خراب ہے۔ میرے فائنل پیپرز کے فوراً بعد شادی ہے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔

"تمہاری تیاری ہوگئی؟ کون سے کلر کا ڈریس لیا ہے؟"

کالج گراؤنڈ میں بہت سی لڑکیاں گھاس پر بیٹھی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ جس بنچ پر وہ بیٹھی تھیں۔ سورج ان کے پیچھے تھا۔

"جس کی شادی ہے وہ تیاری کرے مجھے کیا لینا دینا۔" اپنے شانے اچکائے۔ سینڈوچ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو پاس زمین پر چڑیوں کے لیے پھینک دیا۔

"تم کب تک اسطرح زندگی گزاروگی۔ کوئی تو ہے جس نے جان کر تمہارے ساتھ یہ کیا ہے۔" وہ خفا ہوئیں۔

"کیا آپ مجھ پر بھروسہ کرتی ہیں۔" اپنی آنکھیں سکیڑ کر مس کو امید بھری نظروں سے دیکھا۔

"ہاں کرتی ہوں تم پر بھروسہ ورنہ اس وقت تمہارے ساتھ نہ بیٹھی ہوتی۔" اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ "الماش کبھی بھی زندگی میں میری ضرورت پڑے تو میں تمہارا ساتھ ضرور دوں گی۔ ایک بات یاد رکھنا، زندگی میں ہر ایک کا ٹائم ضرور آتا ہے۔ حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔ ایک وقت آئے گا ہر کوئی تم پر یقین کرے گا۔ تمہارا ابھی اچھا وقت آئے گا۔" اسے تسلی دی۔ کسی کو کیا خبر تھی اس کے حالات جلد بدلنے والے ہیں۔

"اب میں چلتی ہوں۔ میری کلاس کا وقت ہو رہا ہے۔" اسکی آنکھیں نم تھیں۔ بیگ اٹھایا اور کھڑی ہوئی۔

"الماش! ایک بات کہوں اپنی اس کزن سے دور رہو۔ تم بہت سادہ اور بھولی ہو۔" انہوں نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ الماش نے اس طرف دیکھا۔ گراؤنڈ میں انعم اپنی دوستوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس نے چھنسی ہوئی قمیض پہنی ہوئی تھی۔ بال کھلے تھے۔ گلا خاصہ بڑا تھا۔ دوپٹہ اسکی گود میں پڑا تھا۔ فل میک اپ کیا ہوا تھا۔ ہاتھ میں موبائل تھا۔ وہ کسی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسی اور اپنی سیلفی لی۔

"یہ تو بچپن سے میرے ساتھ ہے۔" معصومیت سے بولی۔ "جس سکول میں جاتی تھی۔ اسی میں اس نے داخلہ لیا۔ جس مدرسے میں گئی اسی میں وہ بھی آگئی اور۔۔۔"

"کیا تم دونوں ایک ساتھ رہتے ہو؟" مس نے اسکی بات کاٹ دی۔ انہیں تجسس ہوا۔

"نہیں ہم ساتھ نہیں رہتے۔دور رہتے ہیں۔" بیگ کو اپنے کندھے پر ڈالا۔اس کا چہرہ اب سورج کی طرف تھا۔مس ابھی بھی گراؤنڈ میں بیٹھی لڑکی کو دیکھ رہی تھیں۔"اسکی امی کو اپنے بچوں پر زیادہ ٹائم دینا اچھا نہیں لگتا۔کافی امیر لوگ ہیں۔خاندان کا جو بچہ اچھے سکول جا رہا ہو وہاں اپنے بچوں کو بھیج دیا۔خود وہ پارٹیز میں مصروف ہوتی ہیں۔اب میں چلتی ہوں پھر ملاقات ہوگی۔۔" وہ وہاں سے چلے گئی۔

مس کو اس کے لیے بہت برا لگتا تھا۔پر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔الماش بہت پیاری بچی تھی۔اس نے کالج میں بھی ہر وقت اپنے سر پر بڑی سی چادر لی ہوتی تھی۔اسے کالج سے لیپ ٹاپ ملا تھا۔اسی دن اسکے بھائیوں نے اس سے لے لیا تھا۔گھر پر ٹی وی تھا پر اسے دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔موبائل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔بھائیوں کی طرف سے اجازت نہیں تھی۔نہ ہی کوئی دوست بنایا تھا اور نہ ہی کہیں جانے کی اجازت تھی۔اسے تو شاید پاکٹ منی بھی نہیں ملتی تھی۔وہ سخت ٹینشن والی زندگی جی رہی تھی۔جس میں صرف پابندیاں ہی پابندیاں تھیں۔

مس اس کے لیے بس دعا کر سکتی تھیں۔اگلی بھی کلاس شروع ہونے والی تھی تو وہ بھی اٹھ کر وہاں سے چلے گئیں۔پرسوں سے چھٹیاں شروع ہو رہی تھیں۔اس کے بعد پیپرز شروع ہونے تھے۔مس کو کیا پتہ تھا کہ یہ ان دونوں کی آخری ملاقات ہے۔

☆......☆......☆

سڑک پر ٹریفک جام تھی۔ہر کسی کی نظر ٹریفک لائٹ پر تھی۔ادھر سبز بتی جلی،ادھر سب نے دوڑ لگا دی۔جیسے چھوٹے بچے گھنٹی کی آواز سن کر کلاس روم سے خوشی خوشی باہر کو بھاگتے ہیں۔ویسی حالت ٹریفک میں پھنسے لوگوں کی ہوتی ہے۔

وہ بھی بائیک پر سوار تھا۔یونیورسٹی سے واپس آ رہا تھا۔سر پر ہیلمٹ تھا۔بار بار نظر کلائی پر پہنی گھڑی پر جاتی۔جینز کی پینٹ کے ساتھ سفید رنگ کا کرتہ پہنا ہوا تھا۔جیسے ہی سگنل کھلا بائیک کو کک ماری اور تیزی سے مختلف گاڑیوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا آگے کو نکل گیا۔

راستے میں ایک شاپ پر رکا،اپنے لیے کچھ کھانے کا سامان لیا۔اور گھر کے لیے روانہ ہوا۔بائیک گھر کے

باہر روکی، جیب سے چابی نکالی، گیٹ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ سامان کچن میں ڈائننگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ ہیلمٹ اتار کر کرسی پر رکھا۔ فریج سے جوس نکالا اور ٹی وی ہال میں آ گیا۔ اے سی آن کیا اور صوفے پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا۔ بالوں پر ہاتھ پھیرا اور مزے سے جوس پینے لگا۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد گلاس کچن میں رکھا۔ اپنا لایا ہوا کھانا مائیکرو ویو میں گرم کیا۔ گرم کھانا میز پر رکھا۔ جیب سے موبائل نکالا، نیوز چینل لگایا اور کھانا کھانے لگا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بیسمنٹ کا چکر لگایا۔ وہ ابھی تک بیہوش پڑا تھا۔ پہلے سے کچھ کمزور تھا۔ وہ واپس آ گیا۔ واش روم گیا، نہا کر آیا۔ نماز پڑھی اور بیڈ پر آرام کرنے لگا۔

شام کو اٹھا، آج رات پھر شکاری نے ایک نئے مشن پر جانا تھا۔ تیاری ساری مکمل تھی۔ بلیک پینٹ کے ساتھ سادہ سی ٹی شرٹ پہنی۔ بالوں پر جیل لگایا۔ جوگرز پہنے بیگ میں ضرورت کا سامان ڈالا۔ بائیک پر سوار ہوا اور اپنی منزل پر روانہ ہوا۔

مختلف راستوں سے ہوتا ہوا ایک پرانی سی بلڈنگ کے آگے روکا۔ اردگرد کا جائزہ لیا۔ رات ہو چکی تھی اس لیے زیادہ رش نہ تھا۔ اس نے پاس ہی ایک جگہ بائیک روکی۔ بائیک سے اتر کر بلڈنگ کی تصویریں کھینچیں۔ اور واپس اپنی بائیک پر آ کر بیٹھ گیا۔ نظریں سامنے اس بلڈنگ کی طرف تھیں۔ وہ ایک تین منزلہ عمارت تھی۔ اپنے دوست رمضان پولیس والے کو کال ملائی۔

"اندر سے آوازیں آ رہی ہیں۔ لگتا ہے وہ لوگ اندر موجود ہیں۔ میں تھوڑی دیر تک اندر جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے ہماری ٹیم تیار ہے۔ ہماری ایک گاڑی مسجد کے قریب کھڑی ہے۔ اور دوسری اسی محلے کے ایک گھر کے اندر صحن میں تیار کھڑی ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اور نادیہ کیا وہ اندر ہے۔ فل تیاری کے ساتھ ہے؟" بائیک سے اتر کر چکر لگانے لگا۔

"بھائی جی، فکر ناٹ جی۔۔۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "وہ ہماری بہت بہادر اور شاطر پولیس کانسٹیبل ہے۔ اپنے ساتھ کیمرہ چھپا کر اندر لے کر گئی ہے۔ پچھلے تین مہینے سے اس نے کافی ثبوت جمع کیے ہیں۔"

"اس بلڈنگ کے بارے میں تمہیں پتہ کیسے چلا؟" بیگ سے دستانے نکال کر پہنے۔ چھوٹی جیب سے پونی

نکالی اور بالوں کو باندھا۔

" محلے والوں نے شکایت کی ہے۔یہاں کچھ غلط کام ہوتا ہے۔اکثر شور کی آوازیں آتی ہیں۔اور یہاں بہت سی عورتیں آتی جاتی ہیں۔"

" ٹھیک ہے تم اس سے رابطے میں رہو۔میں چھت کے ذریعے اندر جاتا ہوں۔"

فون کاٹ دیا۔اپنے منہ پر رومال باندھا،صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں۔بیگ پیچھے پہنا ہوا تھا۔اللہ کا نام لے کر دیوار پر چڑھ گیا۔صحن میں درخت تھا۔اس کی شاخ پر اپنا پیر رکھا اور سامنے کھڑکی پر چھلانگ دی۔اپنے دونوں ہاتھوں سے کھڑکی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ایک آواز آئی پھر خاموشی چھا گئی۔درخت پر بیٹھی چڑیوں نے کچھ حرکت کی۔پر اللہ کا شکر ہے کسی نے شور نہیں مچایا۔

شکاری پائپ کے سہارے اوپر کو چڑھا اور بالکونی میں کودا۔دروازہ اندر سے لاک تھا۔ساتھ والے گھر اور اس گھر میں کچھ فاصلہ تھا۔یعنی بیچ میں ایک گلی تھی۔وہ بالکونی کی ریلنگ پر چڑھا،ساتھ والے گھر کے اے سی یونٹ پر چھلانگ لگائی۔اور پھر واپس اسی بلڈنگ پر ایک کھڑکی پر چھلانگ لگا دی۔جو اندر کی طرف تھی۔یہاں کافی اندھیرا تھا۔کھڑکی چھوٹی تھی پر کھلی ہوئی تھی۔وہ اس کھڑکی سے اندر چلا گیا۔

اندر کمرے میں کافی اندھیرا تھا۔اپنی ٹارچ آن کی۔وہ ایک سٹور روم تھا۔اس کمرے میں کافی زیادہ دوائیاں پڑی ہوئی تھیں۔بو بھی کافی آرہی تھی۔اس نے آرام سے دروازہ کھولا۔یہ دوسری منزل تھی۔سامنے والے کمرے کی لائٹ آن تھی۔وہاں کچھ عورتیں تھیں۔چونکہ وہ اندھیرے میں کھڑا تھا۔اس لیے کسی کی نظر نہیں پڑی۔وہاں ایک اور کمرہ تھا۔وہ فوراً بنا آواز کیے اس کمرے میں گھس گیا۔

اس کمرے میں تین بیڈ تھے۔وہاں دیوار کے اندر ایک بڑی سی الماری تھی۔ایک بیڈ پر عورت لیٹی تھی۔وہ بیہوش تھی۔اسے ڈرپ لگی ہوئی تھی۔اسے کسی کے آنے کی آواز آئی۔وہ اس الماری میں چھپ گیا۔اور اندر اکڑوں بیٹھ گیا۔الماری کا دروازہ ذرا سا کھولا تھا۔جس سے وہ باہر دیکھنے لگا۔

دو عورتیں اندر داخل ہوئیں۔ایک موٹی تھی اس کی عمر بیالیس سال ہوگی۔کافی غصے والی تھی۔اس کی ناک پر کٹ کا نشان تھا۔دوسری پتلی اور ینگ تھی۔نظر کا چشمہ لگا ہوا تھا۔کافی ماڈرن تھی۔جینز کی پینٹ کے اوپر سلیولیس

ٹاپ پہنا ہوا تھا۔بال کھلے تھے۔مسلسل چیونگم چبا رہی تھی۔موٹی کہہ رہی تھی۔

"اس کا ابارشن ہو چکا ہے۔کچھ دیر تک ہوش آجائے گی۔ابھی اس نے آدھی رقم جمع کروائی ہے۔اس کے جانے سے پہلے پوری رقم لے لینا۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر ناک چڑھا کر بول رہی تھی۔

"ٹھیک ہے ماما۔"

تو یہ ماں بیٹیاں ہیں۔

"نیچے ایک لڑکی آئی ہے شاید اپنی ساس کے ساتھ۔کافی زیادہ رو رہی ہے" اسکا دھیان اپنے موبائل پر تھا

"کبھی تو اس موبائل کی جان چھوڑ دو۔" وہ خفا ہوئیں اور اس عورت کا بی پی چیک کرنے لگیں۔

"اف ماما،ایک تو سارا دن آپ کے ساتھ مصروف ہوتی ہوں اور اوپر سے آپ۔۔۔"

"اچھا۔۔۔اچھا یہ بتاؤ ہوا کیا ہے؟"

"اس کی ساس نے اضافی رقم دی ہے۔اسکی پوتی ہونے والی تھی۔اس نے اپنی بہو کا زبردستی ابارشن کروایا ہے۔" ماڈرن لڑکی رازداری سے بتانے لگی۔اور اپنی ماں کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"تو اس میں کون سی خاص بات ہوگئی۔یہاں کئی ایسی لڑکیاں آتی ہیں۔" انہوں نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"اماں۔۔۔" زور دے کر بولی۔"اس کی ساس نے اضافی رقم ڈاکٹر جمیلہ کو اس لیے دی تھی تاکہ اس کی بہو اب کبھی ماں نہ بن سکے۔وہ لڑکی ابھی بھی نیچے ہے۔۔" یہ کہہ کر فون کو کان سے لگایا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔اسکی ماں نے اس کی ڈرپ کو بند کیا اور وہ بھی باہر نکل گئی۔

شکاری کو اس لڑکی کے لیے برا لگا۔ٹائم دیکھا تو گیارہ بجنے والے تھے۔کانسٹیبل نادیہ نے بتایا تھا یہاں چھ ڈاکٹرز کام کرتی ہیں۔اور وہ عورتوں کا ناجائز آپریشن کرتی ہیں۔روز رات کو گیارہ بجے ان چھ ڈاکٹرز کے علاوہ چار نرسیں اور دو ورکرز کی میٹنگ ہوتی ہے۔وہ الماری سے باہر آیا۔الماری کا جائزہ لیا۔وہاں کافی فائلز پڑی تھیں۔وقت کم تھا فوراً انکا جائزہ لیا۔

وہاں سے فارغ ہو کر فوراً دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔اوپر والی منزل میں چار کمرے تھے۔دو کمروں کے باہر لاک لگا ہوا تھا۔ہال میں ایک بڑی سی پینٹنگ لگی ہوئی تھی۔نیچے سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔

شکاری کو پینٹنگ کے پاس کچھ محسوس ہوا۔جس کی تلاش میں آیا تھا وہ اسے مل گیا۔رمضان کو کال ملادی۔

اس پینٹنگ کو سائیڈ پر کیا۔ایک پل میں اسکا دماغ چکرا گیا۔وہ ایک خفیہ راستہ تھا۔وہاں سے بہت بدبو آ رہی تھی۔وہ سیڑھیاں نیچے کو جاتی تھیں۔اس سے پہلے اوپر کوئی آتا وہاں پولیس آ گئی۔اس نے اپنی بندوق نکال لی۔نیچے شور مچ گیا۔باہر سے پولیس سائرن کی آواز آ رہی تھی۔کچھ ڈاکٹر اپنی جان بچانے کے لیے فوراً اوپر والی منزل پر آئے۔تاکہ خفیہ جگہ پر چھپ سکیں۔اوپر شکاری بندوق پکڑے کھڑا تھا۔نیچے سے پولیس نے انہیں گھیر لیا تھا۔وہ سب شکاری کے جال میں پھنس گئے تھے۔اس نے سب سے پہلے ایک دروازے پر فائر کیا۔

فائر کی آواز سن کر رمضان فوراً اوپر کو آیا۔شکاری اس کمرے میں داخل ہوا۔لائٹ آن کی۔رمضان بھی آ گیا۔وہاں نادیہ بیڈ پر بیہوش پڑی تھی۔رمضان نے دوسری فی میل کانسٹیبل کو آواز دی۔انہیں شاید نادیہ پر شک ہوا تھا۔اور دوسری طرف اس پینٹنگ کے پیچھے سے بہت گندی بو پھیل رہی تھی۔

" لگتا ہے وہ ابارشن کر کے سب کچھ نیچے بیسمنٹ میں دفناتے تھے۔" رمضان نے جیب سے رومال نکالا اور ناک پر رکھ لیا۔شکاری نے سر کو خم دیا اور زینے اتر کر نیچے چلا گیا۔رمضان اپنے ساتھیوں کے ساتھ خفیہ جگہ کی تلاشی لینے گیا۔

نیچے والی منزل کافی بڑی اور صاف ستھری تھی۔بیچ میں ہال تھا۔ایک چھوٹے کمرے کو آفس بنایا گیا تھا۔باقی دو بڑے بڑے کمرے تھے۔ایک کمرے میں آپریشن ہوتا تھا۔وہاں آپریشن کا مختلف سامان پڑا ہوا تھا۔نیچے زمین پر خون گرا ہوا تھا۔دوسرے کمرے میں چار بیڈ لگے ہوئے تھے۔اس پر ایک لڑکی بیٹھی رو رہی تھی۔اس نے اپنا منہ دوپٹے سے چھپایا ہوا تھا۔پاس ایک زیادہ عمر کی عورت ہاتھ جوڑ کر اس پولیس والے سے کچھ کہہ رہی تھی۔شاید یہی وہ ساس بہو تھیں۔تمام جعلی کام کرنے والوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ان سب کو ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔وہی موٹی عورت دھمکیاں دے رہی تھی۔باقی رو کر اپنی بے گناہی کا ثبوت دے رہے تھے۔

شکاری آفس میں گیا۔کرسی پر بیٹھا اور کمپیوٹر سے انکی انفارمیشن ثبوت کے طور پر نکالنے لگا۔ان سب کو باہر لے کر جایا جا رہا تھا۔

" میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔اللہ کے واسطے مجھے یہاں سے جانے دیں۔" اس لڑکی کے رونے کی

آواز آ رہی تھی۔ وہ بہت تکلیف میں لگ رہی تھی۔ شکاری کو اس لڑکی کے لیے نا جانے کیوں برا لگا۔ ایک پولیس والے کو بلایا۔

"کیا ہوا ہے؟" نظریں کمپیوٹر سکرین پر تھیں۔

"کیا ہونا ہے سر۔۔۔ پہلے ایسے غلط کام کرتی ہیں پھر رونے لگتی ہیں۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔

"سر، اس بیچاری کا آپریشن ہوا ہے کافی درد میں ہے۔" فی میل کانسٹیبل اندر آئی غصے سے اس پولیس والے کو دیکھ کر بولی۔

"ان دونوں عورتوں کو جانے دو۔" اس نے سکرین سے نظریں اٹھا کر اس پولیس والے کو گھور کر دیکھا۔

"مگر سر وہ۔۔۔"

"رمضان کو بلاؤ۔" شکاری نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ فوراً وہاں سے نکل گیا۔ بات نہ ماننے کے علاوہ اسکے پاس کوئی اور چارہ نہ تھا۔

"نادیہ کیسی ہے؟" اپنی جگہ پر کھڑا ہوا۔

"اب بہتر ہے۔ اسے ہوش آ گیا ہے۔" اس نے اپنے سر کو خم دیا اور فوراً آفس سے نکل گیا۔ جانتا تھا کچھ دیر میں میڈیا کے لوگ پہنچ جائیں گے۔ ان سب مجرموں کو گاڑی میں بٹھایا جا رہا تھا۔ ارد گرد اب لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ وہ فوراً وہاں سے نکل گیا۔ گلی کے کونے پر پہنچا اور اپنی بائیک پر سوار ہوا۔ اس کی بائیک درخت کے نیچے کھڑی تھی وہاں اندھیرا تھا۔ پاس ایک رکشہ رکا۔ وہ لڑکی اپنی ساس کے ساتھ اس رکشے میں بیٹھ رہی تھی۔

رکشہ اسٹریٹ لائٹ کے نیچے کھڑا تھا۔ اس نے بائیک میں چابی ڈالی۔ اس لڑکی پر نظر پڑی۔ اسکی حالت کافی خراب لگ رہی تھی۔ وہ رو رہی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا وہ اس عورت کی قید میں ہے۔ اسکی اس حالت پر بھی اسے ترس نہیں آ رہا تھا۔ وہ اسے برا بھلا کہہ رہی تھی۔ اس لڑکی نے گھٹنوں پر اپنا سر رکھ لیا۔

رکشہ بائیک کے پاس سے گزرا۔ ایک پل وہ اسکے پاس سے گزری۔ شکاری کی اس کے ہاتھ پر نظر پڑی۔ وہاں زخم کے نشانات تھے۔ اس نے اپنی بائیک سٹارٹ کی اور گلیوں سے ہوتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ اس عورت پر غصہ آیا۔ ایک بار دل کیا انکا پیچھا کرنے کو پر وہ کیا کر سکتا تھا۔ سڑکیں اب بالکل خالی ہو چکی تھیں۔ اس لیے جلد گھر

پہنچ گیا۔گھر آ کر نقاب اتارا، بیگ زمین پر پھینک دیا۔کافی مشین سے اپنے لیے کافی بنائی۔ٹی وی لاؤنج میں آیا۔صوفے پر اپنی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹ گیا۔کافی کا کپ زمین پر رکھ دیا اور چھت کو گھورنے لگا۔کچھ دیر بعد جیب سے موبائل نکالا اور فلک کو کال ملائی۔تیسری بیل پر فون اٹھالیا۔

"آج کہاں شکار کیا ہے؟" آواز بالکل فریش تھی۔

"نہ پوچھو۔۔۔ بہت برا تجربہ تھا۔" وہ صوفے پر جوگرز پہنے لیٹا تھا۔چھت کو گھور رہا تھا۔ساتھ میں اپنی ٹانگ ہلا رہا تھا۔"بس یہ سمجھو قصائیوں کا راج تھا۔اور معصوم جانیں قربان ہو رہی تھیں۔"

"اپنی عمر سے بڑے کام کرو گے تو ایسا ہو گا۔خیر میں تفصیلات نہیں پوچھوں گی۔یہ بتاؤ ہوا کیا ہے؟"

"وہاں ایک لڑکی تھی۔۔۔۔"

"کیا نام تھا۔تمہیں پسند ہے۔" اسکی بات کاٹ کر فوراً خوشی سے بولی۔

"اگر میری بات سن لیتی تو آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے وہ شادی شدہ ہے' جتا کر اونچی آواز میں بولا۔

"اچھا۔۔۔" اسے افسوس ہوا۔

"اس کی ساس نے زبردستی اسکا ابارشن کروایا ہے۔کیونکہ اسکی پوتی ہونے والی تھی۔"

"ہاں تو انہیں لڑکا چاہیے ہو گا۔" لاپرواہی سے بولی۔

"یہ تو ظلم ہے۔اس کے شوہر اور اس کے ماں باپ یا بہن بھائی کسی نے اسکی مدد نہیں کی۔" زمین سے کافی کا کپ اٹھایا اور ایک سپ لیا۔اسے کچھ راحت ملی۔

"اللہ اس پر رحم کرے۔ہو سکتا ہے اسکے میکے والوں کو پتہ نہ ہو یا پھر وہ کمزور ہوں۔اور رہی بات شوہر کی تو وہ اپنی ماں کے ساتھ ہو گا۔"

"شاید ٹھیک کہتی ہو۔" اتنے میں اسے بچے کے رونے کی آواز آئی۔فلک نے اسے گود میں اٹھالیا تو وہ خاموش ہو گیا۔

"میں اب بعد میں بات کروں گی۔تمہارا لاڈلا اٹھ گیا ہے۔" اور کال کاٹ دی۔

وہ اپنی کافی پینے لگا۔تب ہی موبائل پر میسج آیا۔فلک کے بیٹے کی تصویریں تھیں۔وہ ان تصویروں کو دیکھ کر

مسکرانے لگا۔کافی ختم کی، بیگ لے کر اپنے کمرے میں آیا۔بیگ ٹیبل پر رکھا،اس سے میموری کارڈ نکال کر لیپ ٹاپ سے لگایا۔

الماری سے کپڑے نکالے، جوگرز اتارے اور واش روم گھس گیا۔تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو سادہ سے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس تھا۔کرسی کھینچی اور اپنے لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھ گیا۔اور اس میموری کارڈ کے ڈیٹا کو دیکھنے لگا۔اس میں ان کے بنک کی تفصیلات تھیں۔وہ ان کی اور معلومات نکالنے لگا۔

اس کارڈ میں انکے ہر پیشنٹ کی معلومات تھیں تصویریوں کے ساتھ۔جنہوں نے یہاں سے ابارشن کروایا تھا۔اس لڑکی کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں تھی۔شاید وہ آج ان کی آخری پیشنٹ تھی۔اس کی تصویر نہیں تھی۔اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ کر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔اور ان فائل کو پڑھنے لگا۔جس میں انکی پرسنل اور خفیہ باتیں تھیں۔

☆......☆......☆

سردی کا زور کوئٹہ میں مزید بڑھ گیا تھا۔کل ساری رات بھی ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ برف پڑی تھی۔لوگ سردی سے بچنے کے لیے اپنے گھروں میں آگ جلا کر سردی سے بچ رہے تھے۔

عریش بھی اپنے بیڈ پر بیٹھ کر رضائی اوڑھے کتاب پڑھ رہا تھا۔اس کی کلاسز ایک ہفتے سے شروع ہو چکی تھیں۔وہ پڑھائی میں کافی بزی ہو چکا تھا۔جب سے یہاں آیا تھا۔اس کی ایک بار بھی اپنے گھر والوں سے بات نہیں ہوئی تھی۔اپنی ماں کی اسے کافی یاد آتی تھی پر وہ گھر فون نہیں کرنا چاہتا تھا۔کیونکہ سب اسے مجرم سمجھتے ہیں۔تو فون کرنے کا کیا فائدہ جب کسی نے اس پر بھروسہ نہیں کیا۔

اس کا دروازہ ناک ہوا۔اپنے بستر سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔سامنے ایک لڑکا کھڑا تھا۔وہ اس کا سینئر تھا۔اس نے کالے رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔سر پر گرم ٹوپی اور شال اوڑھی ہوئی تھی۔وہ کافی لمبا اور چوڑا انسان تھا۔ہلکی سی داڑھی تھی اور آنکھیں کافی رعب دار تھیں۔عریش کو اسے یہاں دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔اس نے اسے اکثر یونیورسٹی میں دیکھا تھا۔اور وہ ہمیشہ عریش کو سلام کرتا۔اسے یاد آیا ایک دن پہلے یونیورسٹی کے ایک گروپ نے اس کے ساتھ شرارت کرنے کی کوشش کی تھی۔تو اس کے رعب سے سب وہاں سے بھاگ گئے تھے۔

"آپ کون۔۔۔کس سے ملنا ہے؟" وہ ابھی بھی شاک میں تھا۔رک رک کر سوال کیا۔

"واہ کیا بات ہے۔" وہ ہنسنے لگا اور اسے پیچھے دھکا دے کر اندر کمرے میں آ گیا۔"میرا گھر اور مجھ سے سوال۔" وہ اندر آ کر بیڈ پر آرام سے بیٹھ گیا۔

عریش ابھی بھی دروازے کے پاس کھڑا تھا۔اور اس کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔اس شخص کے لہجے میں محبت اور اپنائیت تھی۔

"آپ نے اپنا تعارف نہیں کروایا؟" اس نے بالکل ایک چھوٹے بچے کی طرح معصومیت سے پوچھا۔

"بیٹا۔ادھر آ کر بیٹھ جاؤ۔دروازہ بند کر دو۔باہر سے بہت ٹھنڈ آ رہی ہے۔" اسے ہاتھ سے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔وہ ابھی ادھر ہی کھڑا تھا کہ بابا جی کی بیگم ٹرے میں چائے کے ساتھ کھانے کے لیے کچھ لے آئیں۔

"یہ لو بیٹا۔" وہ ڈش عریش کی طرف بڑھائی۔اس نے فٹ سے وہ ڈش پکڑ لی۔"تم دونوں کی ملاقات ہو گئی۔" وہ مسکرا پوچھنے لگیں۔

"نہیں امی۔۔۔" بیڈ پر بیٹھا شخص کھڑا ہوا اور شکایتی انداز میں بولا۔"وہ تو مجھے حیرت سے ایسے دیکھ رہا جیسے میں کوئی بھوت ہوں۔" وہ ہنسنے لگا۔

"ارے۔۔۔عریش یہ میرا بیٹا ہے عمران احمد۔" انہوں نے مسکرا کر تعارف کروایا۔عریش ہاتھوں میں ڈش پکڑے بیچ میں کھڑا دونوں کو دیکھنے لگا۔اماں وہاں سے چلی گئیں تو عمران احمد نے دروازہ بند کیا۔اسکے ہاتھ سے ٹرے لے کر بیڈ پر رکھ دی اور خود رضائی کو سائیڈ پر کر کے آلتی پالتی مار کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"یار، تمہارے چکر میں چائے ٹھنڈی ہو گئی۔" ٹرے سے نمکو اٹھا کر کھانے لگا۔عریش بھی اب پاس آ کر بیٹھ گیا۔عمران احمد نے اس کی طرف چائے کا کپ بڑھایا۔

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ آپ بابا جی کے بیٹے ہیں۔" اس سے وہ چائے کا کپ لے لیا۔

"یار، مجھے ناں ہائڈ اینڈ سیک کھیلنے کا بہت شوق ہے" چائے کا سپ لیا" ویسے میں ایک ہفتہ پہلے آیا تھا۔کچھ کام سے دوسرے شہر گیا تھا واپس آیا تو دیکھا تم نے میرے کمرے پر قبضہ کر لیا ہے" اپنے شانے اچکائے

عریش سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔اسے شرمندگی ہونے لگی۔وہ زمین پر دیکھنے لگا۔عمران احمد نے بلند آواز میں قہقہہ لگایا۔

"یار،تم تو بہت جلد سیریس ہو جاتے ہو۔میں مذاق کر رہا تھا۔میرا کمرہ اوپر والے فلور پر ہے۔چائے پی لو پھر دکھاتا ہوں۔اور تیار ہو جاؤ تم کو ایک جگہ لے کر جانا ہے۔"

"آپ شام کو کیا کوئی جاب کرتے ہیں؟ آپ یونیورسٹی میں اپنے کچھ دوستوں سے بات کر رہے تھے۔" خالی چائے کا کپ ٹرے میں رکھا۔

"ہاں صحیح سنا تم نے۔میری ایک چھوٹی سی بک شاپ ہے۔ادھر پاس ہی میں ہے۔وہاں ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔راستے میں بتاؤں گا۔"وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔"آؤ تمہیں اپنا کمرہ دکھاتا ہوں۔"

عریش اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ہاتھ میں وہ ڈش پکڑ لی اور عمران احمد کے ساتھ باہر آیا۔وہ خالی ڈش اماں کو پکڑائی جو کچن میں شام کا کھانا پکا رہی تھیں۔دونوں پھر اوپر والی منزل میں آئے۔یہ کمرہ کافی بڑا تھا۔ایک طرف ڈھیر ساری کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔دوسری طرف ایک بڑی سی کھڑکی تھی۔جو پیچھے کی طرف کھلتی تھی۔جہاں جنگل تھا۔کمرے کی دوسری طرف دیوار پر چار بندوقیں لٹکی ہوئی تھیں۔پاس بیڈ تھا جس پر لیپ ٹاپ پڑا تھا۔وہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔دونوں بازو گھٹنوں پر رکھ لیے۔اور عریش پاس کرسی پر بیٹھ گیا ہے۔

"کہاں جانا ہے؟"عریش کی نظر کتابوں پر تھی۔

"میری بک شاپ پر بچہ کام کرتا ہے۔اس کے والد اس دنیا میں نہیں ہیں۔"وہ بہت سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"کچھ ہفتوں سے کافی پریشان اور دکھی لگ رہا تھا۔میں نے بہت بار پوچھا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔مجھے ہمیشہ ٹال دیتا۔ایک دن میں نے اسکا پیچھا کیا اور۔۔۔"وہ کہتے کہتے رک گیا۔عریش اسے غور سے دیکھنے لگا۔

"بھائی کیا ہوا؟ سب خیریت ہے؟"

"یار۔۔۔وہ پاس میں ایک ہوٹل ہے۔وہاں کچھ لڑکے کام کرتے ہیں وہ اسے بچے کو آتے جاتے تنگ کرتے ہیں۔تم سمجھ رہے ہو ناں۔"

عریش نے سر کو خم دیا۔

"تو اب کرنا کیا ہے؟"

"ظاہری بات ہے انہیں سبق سکھانا ہے اور کیا۔"

"مطلب۔" وہ ذرا سا جھکا۔

"چھتر ول۔۔۔۔" وہ غصے سے بولے۔ "ابھی کھانا کھا لو۔ عشاء کی نماز پڑھ کر چلیں گے۔ تب تک انہیں چھٹی ہو جاتی ہے۔"

عمران احمد نے اسے آگے کا پروگرام بتایا۔ دونوں نیچے آئے، کھانا کھایا اور گھر سے باہر آ گئے۔ رات ہو چکی تھی۔ دونوں نے لونگ بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ اور کالے رنگ کی شال اوڑھی ہوئی تھیں۔ شدید ٹھنڈ تھی اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ وہ پہلے اپنی بک شاپ پر آئے۔ وہ چھوٹا لڑکا ادھر ہی تھا۔

"اب تم گھر جاؤ۔ میں خود دکان بند کر لوں گا۔" عمران احمد نے اس بچے سے کہا۔ خود کاؤنٹر پر حساب کتاب دیکھنے لگا۔ وہ بچہ وہاں سے نکل گیا۔ عریش دکان کے پاس کھڑا تھا۔ اس بچے کو دیکھا، اسکی عمر سات آٹھ سال ہو گی۔ بہت پیارا گول مٹول بچہ تھا۔

اس بچے کے جاتے ہی عمران احمد نے دکان بند کی۔ دونوں اس کے پیچھے گئے۔ اس ہوٹل کے پاس ایک سنسان گلی میں کھڑے ہو کر ان لڑکوں کا انتظار کرنے لگے۔ عریش گھبرایا ہوا تھا۔ نہ جانے عمران کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ وہ چھوٹا بچہ سامنے والی گلی میں داخل ہوا۔ اس گلی میں اندھیرا تھا۔ وہ لڑکے بھی سڑک سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔ وہ تینوں لڑکے اونچی آواز میں گاتے ہوئے آ رہے تھے۔ وہ بھی اس گلی میں داخل ہوئے تھے۔ عمران فوراً سے ان کے پیچھے لپکا۔ عریش کی بھی دوڑ لگ گئی۔

وہ تینوں اپنی مستی میں مست جا رہے تھے۔ انہوں نے اس بچے کو آواز دی۔ گلی میں کچھ زیادہ روشنی نہیں تھی۔ وہ بچہ رک گیا اور ڈر کے مارے ان لڑکوں کو دیکھنے لگا۔ اس سے پہلے ان میں سے ایک لڑکا آگے کو بڑھتا عمران احمد نے اس کے کندھے کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ اور اسے زور سے زمین پر پٹخ دیا۔ باقی دو لڑکوں کی سمجھ میں نہ آیا کہ اچانک ہوا کیا ہے۔

اس سے پہلے ان کی سمجھ میں کچھ آتا عمران نے دوسرے لڑکے کے منہ پر ایک زوردار مکا دے مارا۔ وہ بھی

ادھر زمین پر گر گیا۔اس کی ناک سے خون بہنے لگا۔وہ بچہ فوراً وہاں سے بھاگ گیا۔عریش ادھر ہی رک گیا۔ عمران احمد کسی شیر کی طرح ان پر جھپٹا۔ان تینوں پر تھپڑوں، مکوں اور لاتوں کی بارش کر دی۔وہ اب معافی مانگنے لگ گئے۔جب عمران کو تسلی ہوئی تو انہیں وارننگ دے کر چھوڑ دیا۔

عمران احمد واپس مڑا اور فٹ سے اس گلی سے نکل گیا۔عریش پھر سے اس کے پیچھے بھاگا۔اس نے ایک بار مڑ کر ان تینوں کو دیکھا۔وہ ادھر ہی بیہوش پڑے تھے۔ان میں سے ایک لنگڑاتا ہوا وہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔عریش عمران کے پیچھے بھاگا۔برف میں اسکے پیر دھنس رہے تھے۔اسکا سانس پھولنے لگا۔وہ دونوں اب ایک بازار میں پہنچے۔عمران احمد چائے کی دکان پر پہنچا۔کرسی پیچھے کی اور ادھر پر سکون بیٹھ گیا۔عریش بھی پاس والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا وہ پولیس کو نہیں بتائیں گے۔"عریش نے فکرمندی سے پوچھا۔

"کیا بتائیں گے۔"اپنے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ لیے اور مسکرانے لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔"کچھ بولیں گے تو خود پھنسیں گے۔اچھا ہے شکایت لگائیں نوکری بھی جائے گی اور جیل کی سیر بھی کر لیں گے۔"اس نے آنکھ ماری۔

عریش خاموش ہو گیا۔ویٹر چائے دے گیا۔عمران ٹیبل پر جھکا ایک ہاتھ سے ٹیبل پر طبلہ بجانے لگا۔اور ساتھ میں مزے سے چائے پینے لگا۔عریش نے بھی اپنا کپ اٹھا اور باہر سڑک پر لوگوں کو دیکھنے لگا۔عمران احمد عریش کے بارے میں جانتا تھا۔پر انجان رہا تا کہ اسے شرمندگی نہ ہو۔

☆......☆......☆

کھانے کی میز پر سب موجود تھے۔ولید صاحب نے پلیٹ میں سالن ڈالا اور قاسم سے مخاطب ہوئے۔

"کیسی چل رہی ہے تمہاری پڑھائی۔"

"اچھی۔۔۔میں سوچ رہا ہوں کوئی سکول میں کوئی سپورٹس جائن کر لوں"ایک بڑا نوالہ اپنے منہ میں ڈالا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔"اس بات پر راحیلہ اور فائزہ نے انہیں چونک کر دیکھا۔

"ہم سب لندن جا رہے ہیں۔چند سال بعد واپس آ جائیں گے۔"

تینوں کو شاک لگا۔ آنٹی راحیلہ نے کھانا روک دیا۔ وہ سمجھ گئیں اس کی وجہ عریش ہے۔ قاسم اور فائزہ نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔

"کب جانا ہے؟" قاسم نے سوال کیا۔ اسے لگا بابا مذاق کر رہے ہیں۔

"بہت جلد۔۔۔ کل سب نے چلنا ہے پاسپورٹ کے دفتر۔" انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا۔ کھانا ختم کر کے فوراً اٹھ گئے۔

"امی۔۔۔ ایسے کیسے جا سکتے ہیں بھائی کے بغیر۔ اور اس گھر کا کیا؟" فائزہ نے بھی کھانا چھوڑ دیا۔

"تمہارے ابو نے کچھ ضرور اچھا سوچا ہو گا۔" اپنے آنسو چھپا لیے۔

اگلے دن چاروں پاسپورٹ کے دفتر پہنچے۔ چند دنوں بعد پاسپورٹ بن کر آ گیا۔ پھر ساری فیملی اسلام آباد ایمبیسی گئی۔ چند ہفتوں بعد انکا ویزا لگ گیا۔ قاسم اور فائزہ اپنے اپنے کمروں میں پیکنگ کر رہے تھے۔ آنٹی راحیلہ عریش کے کمرے میں تھیں۔ ولید صاحب اس کمرے میں آئے تو دیکھا وہ بیڈ پر بیٹھی رو رہی تھیں۔

"مجھے پتہ تھا تم ادھر ہو گی۔" وہ بھی پاس آ کر بیٹھ گئے۔

"میرا بیٹا۔۔۔" آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔

"وہ میرا بھی بیٹا ہے۔ میری بھی ذمہ داری ہے۔ وہ جہاں ہے ٹھیک ہے۔ پرسوں ہماری فلائٹ ہے تم تیاری کر لو۔" اپنے چہرے سے عینک اتار کر کوٹ کی جیب میں ڈالی۔ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھا۔ "راحیلہ، مجھ پر بھروسہ رکھو۔ یاد رکھنا اولاد آزمائش ہے۔ اللہ اسے نیک ہدایت دے۔"

جب سے عریش گیا ہے پہلی بار اسکے بارے میں بات ہوئی تھی۔ ولید صاحب کچھ ضروری کام سے باہر چلے گئے۔ آنٹی راحیلہ کچھ پرسکون ہوئیں۔ جب سے وہ گیا تھا ایک بار بھی اسکی آواز نہیں سنی۔ اس سے بات تو کرنا چاہتی تھیں پر شاید ابھی مناسب وقت نہیں تھا۔

شام کو فائزہ کے ساتھ پارلر گئیں۔ فائزہ نے زبردستی ان کے بال ڈائی کروائے۔ اور ان کا اچھے سے میک اوور کروایا۔ چند دنوں بعد پوری فیملی لندن کے لیے روانہ ہو گئی۔ آنٹی راحیلہ اچھے سے جانتی تھیں کہ افشاں نے پورے خاندان میں کرن اور عریش کے واقعے کو پھیلایا تھا۔ جس کی وجہ سے رشتے دار انکے خلاف ہو گئے

تھے۔اور انکا وہاں رہنا مشکل ہو رہا تھا۔سب سے بڑھ کر کل کو فائزہ کی شادی ہو گی تو رشتہ دار باتیں بنانے سے باز نہیں آئیں گے۔اس لیے انہیں اپنے شوہر کا فیصلہ صحیح لگا۔

☆......☆......☆

پورے گھر کو سادگی سے سجا دیا تھا۔صرف قریبی رشتہ داروں کو شادی پر بلایا تھا۔آج عظیم بھائی کا تیل تھا۔ چونکہ شادی رشتہ داروں میں ہو رہی تھی۔اس لیے ڈھولکی عظیم بھائی کے سسرال میں رکھی گئی تھی۔سارے رشتہ دار وہاں موجود تھے۔سوائے الماش کے، وہ اپنے گھر پر اکیلی موجود تھی۔

رات کا وقت تھا۔اپنے کمرے میں کھڑکی کے پاس کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔باہر صحن میں دیکھ رہی تھی۔ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔سادہ سی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔بالوں کی چٹیا بنائی ہوئی تھی۔آج پورے گھر میں خاموشی تھی۔دل تو کر رہا تھا کسی سے بات کرنے کو پر نہ گھر پر فون تھا نہ موبائل۔چائے مکمل کی اور خالی کپ کچن میں رکھ دیا۔اپنے دادی کے کمرے میں آئی اور ان کے کپڑے استری کرنے لگی۔اس کو دیکھو تو ذرا بھی نہیں لگتا تھا کہ وہ دکھی ہے۔کیونکہ وہ اپنے سگے بھائی کے تیل پر نہیں گئی تھی۔عام طور پر ایسے خوشی کے مواقع پر ناراض رشتہ داروں کو بھی منا لیا جاتا ہے۔وہ تو اسکی سگی اور چھوٹی بہن تھی۔

کپڑے استری کرنے کے بعد کچن میں آئی اور کھانا کھانے لگی۔کھانا کھا کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گئی اور بیڈ پر لیٹ گئی۔اتنے میں گھر والے آ گئے پر وہ ان سے نہیں ملی۔

اگلی صبح دادی اس کے پاس آئیں۔وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھ کر ناشتہ کر رہی تھی۔وہ کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"تم نے آج اپنے بھائی کی شادی پر ضرور آنا ہے۔میں نے کل تمہاری بات مان لی تھی۔پر آج نہیں مانوں گی۔کل سب تمہارا پوچھ رہے تھے۔" وہ خفا ہوئیں۔

"اچھا۔۔۔کون پوچھ رہا تھا؟" وہ طنزیہ مسکرائی۔

"یہ غلطی کرنے سے پہلے سوچنا تھا۔ایک تو میں نے تمہارا ساتھ دیا اور مجھے ہی باتیں سنا رہی ہو۔وہاں ہر کوئی تمہارے بارے میں دبے الفاظ میں بات کر رہا تھا۔" انکے لہجے میں بھی شدید طنز تھا۔"شام کو تیار ہو جانا اور اگلی بار تمہاری کسی غلط حرکت پر پردہ نہیں ڈالوں گی۔" غصے سے کہہ کر کمرے سے نکل گئیں۔

الماش کا نوالہ گلے میں پھنس گیا۔ بند دروازے پر نظر ڈالی۔ناشتہ وہیں چھوڑ دیا۔اسے شاک لگا۔اسے لگا تھا کہ دادی اس پر بھروسہ کرتی ہیں۔پر وہ بھی اسے گناہگار مانتی ہیں۔دل تو کر رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو منہ کے آگے اپنا ہاتھ رکھ لیا۔آنسو تو بہت نکلے پر آواز نہیں آئی۔

"کیا یہ بات خاندان میں بھی پھیل گئی ہے۔لازماً تائی کنزا نے پھیلائی ہو گی۔" آج اسکا دل بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔وہ ٹوٹے دل کے ساتھ اٹھی، برتن کچن میں رکھے۔اور گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔شام کو اپنی امی کا سوٹ پہن کر تیار ہوئی۔قمیض کا رنگ سبز رنگ کا تھا جس پر سلور رنگ کا کام ہوا تھا۔ٹراؤزر بھی سلور کلر کا تھا۔بالوں کی اس نے ہائی پونی بنائی تھی۔اور صرف لپ اسٹک لگائی تھی۔

وہ سادہ سی تیار ہو کر شادی ہال پہنچی تھی۔وہاں بھی ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔کچھ رشتہ دار بہت عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔اس نے بڑی مشکل سے شادی اٹینڈ کی۔شادی ختم ہوئی تو وہ اپنی فیملی کے ساتھ گھر آئی۔رات ہو چکی تھی۔دادی امی، انکل فرقان انکے دونوں بیٹے اور بہو سب باہر ہال میں موجود تھے۔الماش اپنے کمرے میں جانے والی تھی تو دادی نے اسے چائے بنانے کہہ دیا۔وہ سیدھا کچن میں آ گئی۔فریج سے دودھ نکالا اور چولہے پر پانی ابلنے کے لیے رکھ دیا۔ساتھ میں شادی ہال سے جو کھانا آیا تھا، اسے سنبھالنے لگی۔اتنے میں موبائل کی رنگ ہوئی۔دو تین بیل ہونے کے بعد فون کٹ گیا۔دوبارہ بیل ہوئی تو دادی نے پوچھا۔

"کس کا فون ہے؟ بہو تمہارا فون ہے کیا۔"

"نہیں دادی۔۔۔" اس نے فوراً اپنے بیگ سے موبائل نکال کر دیکھا۔اس کا موبائل بند تھا۔"یہ میرے موبائل کی رنگ ٹون نہیں۔"

"پھر کس کا فون بول رہا ہے۔" وہ غصہ ہوئیں۔سب حیران تھے کہ سب کے موبائل بند ہیں تو آواز کہاں سے آ رہی تھی۔ان سب سے انجان وہ آرام سے کچن میں چائے بنا رہی تھی۔

"ایک منٹ۔۔۔سب خاموش ہو جاؤ۔" علیم کھڑا ہوا اور ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش رہنے کو کہا۔سب ادھر ادھر دیکھنے لگے۔"یہ آواز تو الماش کے کمرے سے آ رہی ہے۔"

کمرہ پاس تھا وہ اس کمرے میں آیا۔ عظیم بھائی بھی پیچھے آ گئے۔ کمرے میں دیکھا تو بیڈ پر ایک بڑا سا گفٹ پڑا ہوا تھا۔ جو لال رنگ کے کور میں پیک تھا۔ پاس گلاب کے پھول پڑے ہوئے تھے۔ پھولوں کی خوشبو پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ موبائل کی رنگ ابھی بھی جاری تھی۔

"ابو جی۔۔۔ ذرا یہاں آنا۔" علیم نے فٹ ابا کو آواز دی۔ انکل فرقان بھی کمرے میں آ گئے۔

وہ تینوں الماش کے کمرے میں کھڑے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ علیم نے موبائل اٹھایا تو سامنے ایک مسیج تھا۔ دادی بھی دروازے میں آ کر کھڑی ہو گئیں۔ عظیم بھائی نے گفٹ کے اوپر سے کارڈ اتار کر پڑھا۔ جس پر لکھا تھا۔

"مائے ڈیئر الماش۔"

اس نے غصے سے ابا اور علیم کو دیکھا۔ اور وہ کارڈ اپنی انگلیوں میں مروڑ دیا۔ علیم نے بلند آواز سے وہ مسیج پڑھا۔ "الماش، میری محبت یہ گفٹ تمہارے لیے ہے۔ کل شام کو کتنا مزہ آیا تھا جب ہم ساتھ تھے۔ یہ موبائل تمہارے لیے ایک چھوٹا سا گفٹ ہے۔"

اس مسیج کو پڑھتے ہی تینوں غصے سے پاگل ہو گئے۔ ان تینوں کا پارہ ہائی ہو گیا۔ دادی جو دروازے میں کھڑی تھیں۔ فوراً پیچھے ہوئیں۔

ادھر الماش چائے کے کپ ٹرے میں رکھ کر باہر لائی۔ وہ ابھی بھابھی کو چائے دے رہی تھی کہ علیم اسکی طرف لپکا اور اسے ایک زوردار طمانچہ دے مارا۔ وہ ادھر چائے کی ڈش پکڑے زمین پر گر گئی۔ بھابھی جو لال لہنگے میں ملبوس تھیں۔ ایک دم پیچھے ہوئیں۔ جیسے کرنٹ لگا ہو ان کے ہاتھ سے بھی چائے کا کپ زمین پر گر گیا۔ انکل فرقان، دادی اور عظیم بھائی بھی کمرے سے باہر آ گئے۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" بھابھی زور سے چلائیں اور اپنے شوہر کو دیکھنے لگیں۔

الماش کو چکر آنے لگے۔ اسکی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ علیم غصے سے پاگل ہو چکا تھا۔ وہ چلا رہا تھا۔

"بتا کل کس کے ساتھ تھی۔ کون تھا وہ؟" وہ اسے پیٹ رہا تھا۔ تینوں خاموشی سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ صرف بھابھی اس کو روکنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ رونے لگیں۔ علیم کمرے سے بیلٹ لے آیا۔ وہ پاگل ہو چکا

تھا۔اسکے بال بگڑے ہوئے تھے۔

"میں نے پہلے یہ کہا تھا اس کی شادی کریں۔اور دفعہ کریں اس کو اس گھر سے۔میری کسی نے نہیں سنی۔"

الماش بیہوش ہو چکی تھی۔اسکے ہاتھوں سے خون نکل رہا تھا۔وہ ایک زندہ لاش لگ رہی تھی۔بھابھی نے ہمت کر کے علیم کو زور سے پیچھے کو دھکا دیا۔ایسے لگ رہا تھا کہ وہ اس کی جان لے کر چھوڑے گا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔۔۔اب اسے ہاتھ لگایا پھر دیکھنا۔"وہ بھی غصے سے چلائیں۔

علیم پیچھے ہو گیا۔اسکا سانس پھولا ہوا تھا۔بیلٹ ادھر زمین پر پھینک دی۔اسے گالیاں دیتا ہوا زینے چڑھ کر فوراً اوپر چلا گیا۔دادی ادھر پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئیں۔انکل فرقان کو چکر آنے لگا تو عظیم نے انہیں سہارا دیا اور تخت پوش پر بٹھایا۔وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"یہ آنکھیں نہیں کھول رہی۔۔۔اسے کیا ہو گیا ہے۔"بھابھی ادھر زمین پر بیٹھ گئیں۔اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ دلہن ہے۔

"اچھا ہو مر جائے۔۔۔جان چھوٹے ہماری اس منحوس سے۔"دادی نفرت سے بولیں۔

بھابھی کچن میں گئیں پانی کی بوتل لے کر آئیں۔اس پر پانی پھینکا۔اسکی سانسیں اٹک اٹک کر چل رہی تھیں۔انکل فرقان اپنے کمرے میں چلے گئے۔آوازیں سن کر آنٹی نوشین انکے گھر آئیں۔

"کیا ہوا ہے۔یہ کیسا شور مچا رکھا ہے۔"اس سے پہلے وہ ہال میں داخل ہوتیں بھابھی نے اٹھ کر پردہ آگے کر دیا۔

"یہ ہمارا ذاتی مسئلہ ہے آپ اس سے دور رہیں۔"یہ کہہ کر دروازہ ان کے منہ پر زور سے بند کر دیا۔وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئیں واپس چلی گئیں۔

الماش ابھی تک بیہوش پڑی تھی۔عظیم بھائی نے پاس پڑی کرسی کو زور سے ٹھوکر ماری۔اپنی شیروانی اتار کر غصے سے زمین پر پھینک دی۔اور علیم کو آواز دے کر اپنے ابا کے کمرے میں چلا گیا۔بھابھی نے اپنی ہیل والی جوتی اتاری۔الماش کا دوپٹہ اس پر دیا۔اس کے پاس زمین پر بیٹھ گئیں۔بڑی ہمت سے اسے اٹھایا اور اس کے چہرے کو اپنی گود میں رکھا۔اسکے ہاتھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ماتھا سوجا ہوا تھا۔

"دادی امی،کچھ کریں۔۔۔یہ کچھ بول نہیں رہی۔"اسکے آنسو بہنے لگے۔

عظیم زور سے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آیا۔اور اپنی بیگم پر چلایا۔

"تم اوپر جاؤ اپنے کمرے میں۔" اپنے ہاتھ سے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔" یہ ہمارا ذاتی مسئلہ ہے۔" وہ پہلے سے اور غصے میں تھا۔علیم کو پھر غصے سے آواز دی۔اور واپس کمرے میں چلا گیا۔دادی سر جھکا کر خاموشی سے بیٹھی رہیں۔علیم پیر پٹختا ہوا نیچے آیا اور کمرے میں گھس گیا۔

بھابھی نے ایک نظر دادی کو دیکھا اور پھر بند دروازے پر نظر ڈالی۔نجانے کس طرح ہمت کر کے الماش کو اسکے کمرے میں لے کر گئیں۔اسے بیڈ پر لٹایا۔کمرے سے باہر نکلیں فرسٹ ایڈ باکس ڈھونڈنے کے لیے۔تو انکل فرقان کے کمرے سے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"میرا دل کرتا ہے کہ اسے جان سے ماردوں۔کل اسی وجہ سے ہمارے ساتھ نہیں گئی تھی۔" علیم غصے سے پاگل ہو چکا تھا۔

"ابا، آپ کچھ کہتے کیوں نہیں۔۔۔نہ جانے کل کس کے ساتھ تھی۔ ہمارا منہ کالا کروا کر چھوڑے گی۔" عظیم ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔

"کل کو یہ بات گھر سے باہر نکلی تو۔۔۔اس سے پوچھیں کون تھا وہ کمینہ جس کے ساتھ اپنا منہ کالا کروایا ہے۔" علیم نے دیوار پر زور سے مکا مارا۔

"میں نے اس لڑکی کو پہلے بھی رات کو چھپکے سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔پر تب بھی دادی نے مجھے خاموش کروا دیا۔پر اب نہیں ایک ہفتے کے اندر اندر اس کی شادی کر دیں۔ورنہ میں یہ گھر اپنی بیوی کے ساتھ چھوڑ دوں گا۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔انکل فرقان بیڈ پر بیٹھے ہوئے تھے۔عظیم غصے سے کمرے میں چکر لگا رہا تھا۔اور علیم دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔دونوں بھائیوں کے حلیے سے لگتا تھا کہ کسی سے کشتی لڑ کر آئے ہوں۔

"میں ایک ہفتے کے اندر اس کی شادی کروا کر اسے رخصت کروا دوں گا۔بہت ہو گیا اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔علیم تم میرے ساتھ چلو۔۔۔" یہ کہہ کر انکل فرقان اٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔علیم بھی ان کے پیچھے گیا۔دونوں گھر سے باہر چلے گئے۔دادی نے ان کو آواز دی پر وہ رکے نہیں۔عظیم بھی اپنے کمرے میں چلا

گیا۔ بھابھی نے فرسٹ ایڈ باکس ڈھونڈا اور الماش کے کمرے میں آئیں۔ کسی طرح اس کی پٹی کی۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ دادی بھی اب اس کے کمرے میں آئیں۔

"تم اب اپنے کمرے میں جاؤ عظیم پہلے ہی بہت غصے میں ہے۔ اور خبردار جو اس وقت ہال کو صاف کیا۔ صبح ماسی آ کر خود ٹوٹے ہوئے گلاس کے شیشے صاف کر دے گی۔" بھابھی کچھ کہنا چاہتی تھیں پر دادی نے انہیں زبردستی اسے وہاں سے بھیج دیا۔

اس بات کو گزرے چار دن ہو گئے تھے۔ انکل فرقان نے اپنے ایک کارخانے کے ورکر کے بیٹے سے الماش کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ ایک دن بعد اسکا نکاح تھا اور ساتھ ہی اسکی رخصتی کر دینی تھی۔

الماش اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سفید رنگ کا اے لائن فراک پہنا ہوا تھا۔ بھابھی نے اسکا ہلکا سا میک اپ کر دیا تھا۔ اپنی ماں کی جیولری پہنی ہوئی تھی۔ اسکے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ بھابھی نے بہت کوشش کی اپنے شوہر، سسر اور دادی کو سمجھانے کی پر کسی نے اسکی ایک نہ سنی۔ عظیم نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر اب ایک بار بھی اس نے اس کی حمایت کی تو وہ اسے گھر سے نکال دے گا۔

باہر مولوی صاحب آئے ہوئے تھے۔ بھابھی دادی کے کمرے میں آئیں۔ وہ مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں۔

"دادی، آپ اپنے بیٹے کو روکیں۔۔۔ الماش ابھی بچی ہے۔" وہ زمین پر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"ہو جانے دو یہ نکاح۔ میں نے پہلے غلطی کی اس کی حمایت کر کے۔ تمہیں کیا پتہ فرقان اس رات کتنا رویا تھا۔ اپنی بیٹی کی حرکت کی وجہ سے۔"

"پر اس لڑکے کی عمر تو دیکھیں۔ الماش ابھی اٹھارہ سال کی بھی نہیں ہوئی اور وہ چونتیس سال کا ہے۔ اسکے تین بچے ہیں۔ دادی، خدا کا واسطہ اسے اپنے بچوں کے لیے صرف ایک کام والی چاہیے۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑے۔

"تم اسکی زیادہ حمایتی نہ بنو۔ تم تو خوش ہو کہ نند سے جان چھوٹ جائے گی۔" اسے طنزاً کہا اور اسکا منہ بند کروا دیا۔

مولوی صاحب نے نکاح شروع کیا۔ بھابھی نے اسے اشارہ کیا کہ وہ انکار کردے۔ وہ جیسے پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ وہ پلک نہیں جھپکا رہی تھی۔ اس نے فوراً ہاں کہہ دی۔ نکاح ختم ہوا تو مولوی صاحب نے دعا مانگی۔ بھابھی کی اس شخص پر نظر پڑی۔ وہ آدھا گنجا تھا۔ سامنے کے دانت پان کھانے کی وجہ سے پیلے تھے۔ پیٹ بھی نکلا ہوا تھا۔ اور پیر تو انتہائی گندے تھے۔

انکل فرقان، تایا ابو، دادی، عظیم بھائی اور علیم سب ہال میں جمع تھے۔ ان سب کے چہروں پر غصہ اور نفرت تھی۔ جیسے نکاح ختم ہوا سب اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے اور گلے ملنے لگے۔ اس سے پہلے دادی اپنی پوتی کے سر پر پیار دیتیں وہ پیچھے ہو گئی۔ اور سیدھا گیٹ کے پاس پہنچ گئی۔ وہ شخص اپنے انکل کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ انہوں نے انکل فرقان کی فیملی سے اجازت لی اور گھر سے نکل پڑے۔ الماش نے مڑ کے نہیں دیکھا۔ نہ ہی اس گھر سے اس نے اپنا کوئی سامان لیا۔ سب فیملی ممبرز صحن میں کھڑے تھے۔ او بر کار آئی: الماش نے پچھلا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ اس کے انکل آگے بیٹھے اور شوہر پیچھے بیٹھا اور وہ رخصت ہو گئی۔ گھر کے تمام افراد اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ تایا ابو بھی اپنے گھر چلے گئے۔

گھر میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ وہ نہ ہی دعاؤں اور نہ ہی قرآن کے سایے تلے رخصت ہوئی۔ الماش کو ایک دن بعد ہوش آیا تھا۔ مگر تب تک اس کے ابا اور بھائیوں نے اسکا رشتہ پکا کر دیا تھا۔ اسے بعد میں پتہ چلا کہ اسے کس بات کی سزا ملی ہے۔ اس بار وہ بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ اپنے حق اور دفاع میں کچھ نہیں بولی۔ اور اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا۔

☆......☆......☆

مسز حیدر ساری رات جاگتی رہیں۔ علی کو پچھلے تین دن سے شدید بخار تھا۔ آج اسکے بخار میں کچھ کمی ہوئی تھی۔ اسے دوا دے کر سلایا ہوا تھا۔ بھائی اور بھابھی نے پہلے تو مدد کی تھی، پر بعد میں وہ اسے اکیلے ہی ہسپتال لے کر جاتی رہیں۔

وہ تہجد کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں۔ جائے نماز سے اٹھیں اور علی کا بخار چیک کیا۔ اس کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ وہ پہلے سے اور کمزور ہو گیا تھا۔ سکول سے تو چھٹیاں کر رہا تھا پر قرآن پڑھنے جا رہا تھا۔ مسز حیدر کی اس

شخص کے بچوں سے ملاقات ہوئی تھی۔وہ دونوں بچے انہیں بہت پسند آئے تھے۔

مسز حیدر نے دوسری شادی کے بارے میں بہت سوچا تھا۔جس سکول میں پڑھاتی تھیں۔وہاں کی پرنسپل سے بھی مشورہ لیا تھا۔اس نے بھی انہیں یہی کہا تھا کہ وہ دوسری شادی کر لے۔وہ علی کے پاس لیٹ گئیں۔اسکا کمبل ٹھیک اور خود بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موندلیں۔بہت سوچنے کے بعد انہوں نے شادی کے لیے ہاں کہہ دی۔

مسز حیدر کے بھائی اس فیصلے سے بہت خوش تھے۔انہوں نے سارے انتظام کر دیئے۔اور مسز حیدر کی شادی ہوگئی۔اور وہ مسز حیدر سے مسز راحیلہ ولید بن گئیں۔قاسم اور فائزہ کی ماں بنیں۔اور عریش علی انکا بھائی بن گیا۔جب انکی شادی ہوئی تو قاسم بہت چھوٹا تھا۔عریش علی اور قاسم بہت جلد آپس میں اچھے دوست بن گئے۔فائزہ بھی آہستہ آہستہ ان میں گھل مل گئی۔اسکی بڑی وجہ راحیلہ آنٹی کا اچھا سلوک تھا۔جو انہوں نے قرآن سے سیکھا تھا۔

افشاں نے پوری کوشش کی تھی کہ اس کی بہن کی شادی ولید سے ہو پر وہ نہیں مانا۔ادھر ولید کی بہنوں کی خواہش تھی بھابی انکی پسند کی آئے۔وہ ایک کنواری لڑکی سے ولید کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ولید صاحب اس بات کے سخت خلاف تھے۔اس لیے انہوں نے اس رشتہ کے لیے ہاں کہہ دی۔اسی وجہ سے وہ راحیلہ اور عریش کے سخت خلاف تھیں۔

☆......☆......☆

نومبر کے مہینے کا آغاز تھا۔موسم کافی بہتر ہو چکا تھا۔صبح سے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔سردی کی آمد سے دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہو رہی تھیں۔کچھ جگہوں پر مونگ پھلی کے اسٹال بھی لگ چکے تھے۔اور اگلے مہینہ سے سوپ کی مانگ میں اضافہ ہو جائے گا۔ساتھ میں مچھلی کی دکانوں پر رش بڑھ جائے گا۔

آج یونیورسٹی میں فنکشن تھا۔شام کا وقت تھا۔تمام سٹوڈنٹس تیار ہو کر آئے ہوئے تھے۔لڑکیاں تو خاص طور پر پارلر سے تیار ہو کر آئی تھیں۔ایسے میں لڑکے کہاں پیچھے رہنے والے تھے۔وہ بھی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔وہ بھی اس پارٹی میں شریک تھا۔سفید رنگ کی کرتہ قمیض پہنی ہوئی تھی۔اس پر دھاگے سے سادہ کڑھائی

ہوئی تھی۔ پیروں میں پشاوری چپل تھی۔ اسکی ہلکی سی داڑھی تھی۔ بال کلری تھے۔ جو اسکی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔ وہ سادہ ہونے کے باوجود پُرکشش لگ رہا تھا۔ اسے اس پارٹی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بس کچھ دوستوں کی وجہ سے اسے آنا پڑا تھا۔ وہ ایک کونے میں موبائل لے کر بیٹھا رہا۔ اسے کافی بوریت محسوس ہو رہی تھی۔ تبھی رمضان پولیس اہلکار کا میسج آیا۔ اپنے دوستوں سے اجازت لے کر فوراً اپنے گھر کا رخ کیا۔

گھر پہنچ کر جلدی سے کپڑے تبدیل کیے۔ فوجی ٹراؤزر کے ساتھ لائنوں والی ٹی شرٹ پہنی۔ ٹی شرٹ کے اوپر ہڈی جیکٹ پہنی۔ بالوں کو جیل لگا کر پیچھے کو سیٹ کیا۔ اپنا بیگ تیار کیا اور میسج پر دیے ہوئے ایڈریس پر نکل گیا۔

آدھے گھنٹے کا سفر طے کرنے کے بعد اپنی منزل پر پہنچا۔ یہ ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ گلیوں میں کافی اندھیرا تھا۔ باغ کے پاس ایک سٹریٹ لائٹ جل رہی تھی۔ آس پاس کوئی نہ تھا۔ رمضان پر نظر پڑی۔ وہ ایک درخت کے نیچے شاید ٹینشن سے چکر لگا رہا تھا۔ اس نے بائیک ایک طرف کھڑی کی، چہرے کو رومال سے کور کیا، سر پر ہڈی کی کیپ پہنی اور بائیک سے اتر کر رمضان کے پاس آیا۔ اس ہی درخت کے پاس ایک بنچ تھا۔ جس پر ایک کمزور بوڑھا آدمی سر جھکا کر بیٹھا ہوا تھا۔ رمضان شکاری کو اپنے ساتھ کونے میں لے گیا۔

"کیا ہوا ہے؟ یہ شخص کون ہے؟" ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"یہ آدمی ایک بڑی فیکٹری میں چوکیدار ہے۔" رمضان نے گہری سانس لی اور رک رک کر بتانے لگا۔ جیسے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔ "اس کی بیٹی کا قتل ہوا ہے۔"

"کس نے کیا ہے قتل؟ صرف قتل تو نہیں ہوگا؟" بڑی آسانی سے پوچھ لیا اور اس بوڑھے شخص پر نظر ڈالی۔

"ٹھیک کہا اس کی تیرہ سالہ بیٹی کا ریپ ہوا ہے۔" ایک ہی سانس میں بول دیا۔ "اسے انصاف چاہیے۔"

"ہاں تو دوا سے انصاف تم تو خود پولیس میں ہو۔" آنکھیں سکیڑ کر رمضان کو دیکھا۔

"کاش دے سکتا۔۔۔ جس فیکٹری میں یہ چوکیداری کرتا ہے۔ اسی کے مالک کا بیٹا ہے۔ فیکٹری کا مالک بہت امیر ہے۔ اور اس کے شہر کے بڑے سیاست دانوں سے بہت اچھی دوستی ہے۔ انصاف تو چھوڑو اس کا تو مقدمہ بھی درج نہیں ہوا۔" رمضان کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ کافی شرمندہ لگ رہا تھا۔

شکاری نے اس پر گہری نظر ڈالی اور پاس ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ جو گرز سے مٹی میں لائنیں لگانے لگا۔ اسکی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ جو غصے سے سرخ ہو چکی تھیں۔ رمضان اس بوڑھے شخص کے پاس گیا۔ وہ بوڑھا آدمی شکاری کے پاس آیا اور زمین پر بیٹھ گیا اور اس کے پیر پکڑ لیے۔ شکاری کو جیسے کرنٹ لگا ہو، فوراً پیچھے کو ہو گیا۔ بوڑھا آدمی زمین پر بیٹھ کر رونے لگا۔

"پلیز میری مدد کرو۔ میں اپنی بیٹی کے مجرم کو اذیت ناک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔ یہ دیکھو۔۔۔۔" اس نے اپنے بیگ سے چند کاغذات نکال کر شکاری کی طرف بڑھائے۔ رمضان بھی انکے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ تینوں رات کے اندھیرے میں زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔ اس نے موبائل کی ٹارچ آن کی اور وہ کاغذات دیکھے۔ وہ اسی بچی کے سکول کے سرٹیفکیٹ تھے۔ ہر کلاس میں فرسٹ پوزیشن لی ہوئی تھی۔ وہ بوڑھا آدمی ہچکیاں لے کر بتانے لگا۔

"اس دن میں اپنی بیٹی کو سکول لینے گیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ مجھے میرے مالک کا فون آیا۔ فیکٹری میں کچھ کام تھا۔ میں اسے ساتھ لے کر فیکٹری آ گیا۔ اس دن فیکٹری بند تھی۔ اور اسے گیٹ کے پاس اپنے کمرے میں بٹھا کر اندر کام سے گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو میری بیٹی کمرے میں نہیں تھی۔ اسکا بیگ ادھر گرا ہوا تھا۔ میں نے اسے آس پاس تلاش کیا پر وہ نہیں ملی۔ میں نے فوراً کمرے میں چیک کیا تو دیکھا مالک کا بیٹا کار میں داخل ہوا تھا۔ اور اسی کمینے نے میری بیٹی کو۔۔۔" وہ پھر رونے لگا۔

شکاری کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایک بیٹی کے باپ کو کیسے حوصلہ دے۔ رمضان بھی سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

"وہ لوگ اب دھمکیاں دے رہے ہیں۔ مجھے نوکری سے نکال دیا اور مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ آٹھ ماہ گزر گئے پولیس سٹیشن اور عدالتوں کے چکر لگاتے پر کچھ نہیں ہوا۔" اس نے رومال سے اپنے آنسو صاف کیے۔

"کیا تمہارے پاس وہ ویڈیو ہے۔ جس گاڑی میں اس نے تمہاری بیٹی کو اغواء کیا تھا۔" شکاری نے وہ سرٹیفکیٹ اسے واپس دیے۔

"ہاں میرے پاس ہے میں نے اسی دن یہ ریکارڈنگ نکال لی تھی۔" اپنے جیب سے موبائل نکال کر فوراً اسے دیا۔ شکاری نے وہ ریکارڈنگ دیکھی۔

"یہ اس کے ساتھ دوسرا لڑکا کون ہے؟"

"اس کا دوست ہے اکثر فیکٹری آتا جاتا ہے۔"

"یہ فیکٹری مالک کا بیٹا اس وقت کہاں ملے گا؟" اسے موبائل واپس دیا۔

"کل شام کو یہ شہر سے دور ایک فارم ہاؤس پر ہوگا۔ مجھے پکا پتہ ہے۔" اسے چار پانچ گالیاں نکالیں۔

"ٹھیک ہے ہم کل شام کو ملیں گے۔ آپ کے سامنے اس گھمنڈی شخص کو عبرتناک سزا دوں گا۔ ابھی میں چلتا ہوں۔" وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہوا۔

وہ دونوں بھی کھڑے ہو گئے۔ شکاری اس بوڑھے آدمی کے گلے ملا۔ وہ بوڑھا آدمی چلا گیا۔

"کل صبح آ کر اس ٹیچر کو لے جانا۔ اس نے اپنا گناہ قبول کر لیا ہے۔" شکاری نے رمضان کو اطلاع دی اور فوراً وہاں سے نکل پڑا۔

راستے میں ہائپر سٹار پر رکا۔ چہرے سے رومال اتار کر بیگ میں ڈالا۔ سر پر ہڈی کیپ تھی۔ اپنے لیے کچھ نئے کپڑے خریدے اور ساتھ میں کھانے پینے کا سامان خریدا۔ وہاں اس کی نظر ایک بچے پر پڑی۔ جو اپنی ماں سے ایک نئے کھلونے خریدنے کی ضد کر رہا تھا۔ اس کی ماں بڑی مشکل سے اسے وہاں سے لے کر گئی۔ اسے حیرت ہوئی اس بچے کا باپ اپنی بیگم کو برا بھلا کہنے لگا۔ اور ادھر سب کے سامنے اسے ذلیل کر دیا۔ وہ اپنی شاپنگ کر کے گھر آ گیا اور کل کی پلاننگ کرنے لگا۔

اگلے دن صبح ہوتے ہی رمضان اس ٹیچر کو تھانے لے گیا۔ وہ دن بھر اپنے کام میں مصروف رہا اور شام ہوتے ہی اپنے مشن پر نکل پڑا۔ اپنا بیگ تیار کیا۔ سر پر ہیلمٹ پہنا اور بائیک لے کر فارم ہاؤس کی طرف نکل پڑا۔ اس نے اس بچی کے باپ کو ایک جگہ کا ایڈریس سینڈ کیا اور ملاقات کا ٹائم بھی بتا دیا۔ جب وہ فارم ہاؤس پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ یہ فارم شہر سے بہت دور تھا۔

اس نے ایک جگہ فارم ہاؤس سے کچھ دور اپنی بائیک روکی۔ آس پاس کافی جھاڑیاں تھیں۔ وہ اپنی بائیک کے ساتھ ان میں چھپ گیا۔ کافی دیر بعد وہ گاڑی فارم ہاؤس سے باہر کو نکلی۔ وہ الرٹ ہو گیا۔ اور دوسری سڑک سے روانہ ہوا۔ کچھ دور جا کر ایک سنسان سڑک پر اپنی بائیک زمین پر لٹا دی۔ پاس سے مٹی لے کر اپنے کپڑوں پر

لگائی اور سڑک کے درمیان پیٹ کے بل لیٹ گیا۔

وہ گاڑی والا اس بچی کا مجرم اسی سڑک سے گزرا۔ سڑک پر ایک شخص اور بائیک کو دیکھ کر اپنی گاڑی کو بریک لگائی۔ پہلے تو ہارن دیا۔ پھر اپنی گاڑی سے نیچے اترا اور گالیاں دینے لگا۔ وہ لڑکھڑا کر چل رہا تھا۔ امیر زادہ نشے کی حالت میں تھا۔ جیسے ہی وہ اس کے پاس پہنچا اور اس پر جھکا۔ شکاری فوراً مڑا اور اسے بیہوشی کا انجکشن دے دیا۔ وہ شکاری کے جال میں پھنس چکا تھا۔ وہ ادھر ہی زمین پر گر گیا۔

وہ فوراً اٹھا، اپنے بیگ سے رومال نکالا اور اسکے ہاتھ پیچھے کو باندھ دیئے۔ اسکی جیب سے موبائل نکالا اور گاڑی میں رکھ دیا۔ اسکی گاڑی بند کی اور واپس دوڑا۔ اپنی بائیک کے پاس آیا اسے سیدھا کیا۔ پھر اس شخص کو زمین سے اٹھایا، بائیک پر بٹھایا۔ خود بائیک پر سوار ہوا اور بائیک فل سپیڈ میں دوڑا دی۔ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ وہ نشے کی حالت میں تھا۔ وہ جانتا تھا وہ جلد ہوش میں آجائے گا۔

وہ مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا ایک گنجان علاقے میں پہنچا۔ یہاں بیشمار درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ بائیک ایک جگہ روکی، اپنی بائیک سے اترا۔ وہاں وہ چوکیدار پہلے سے موجود تھا۔ وہ بھی بائیک پر آیا تھا۔ ٹھنڈ سے بچنے کے لیے گرم شال اوڑھی ہوئی تھی۔ وہ اسے گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا۔ وہ ابھی تک بیہوشی کی حالت میں تھا۔

چوکیدار یہ سب دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ بھی ان کے پیچھے چلنے لگا۔ کافی اندر جا کر وہ رکا، اس مجرم کو زمین پر پھینک دیا۔ بیگ سے ٹارچ نکال کر اس بوڑھے آدمی کو پکڑائی۔ بیگ سے رسی نکالی اور اس کے ہاتھ اور پیر رسی سے باندھے۔ اس کے ہاتھ سے رومال اتارا اور اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ اسے اب ہوش آنے لگا۔

اس سے پہلے کہ اسے ہوش آتا شکاری نے اسے الٹا درخت پر لٹکا دیا۔ اس کا سر نیچے اور پیر اوپر تھے۔ اسے اب ہوش آیا تو زور زور سے ہلنے لگا۔ اپنے آپ کو اس رسی سے آزاد کروانے کی کوشش کرنے لگا۔ شکاری پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر چوکیدار کو دیکھنے لگا۔ جو اپنی بیٹی کے غم میں وقت سے پہلے کافی بوڑھا ہو گیا تھا۔

"تم اسے یہاں کیسے لائے؟ اس کے پاس اسکے دوست یا گارڈ ہوتے ہیں۔" اس نے ٹارچ بند کر دی۔

"میں کل رات سے کام پر لگ گیا تھا۔ اس نمونے کی ساری انفارمیشن نکالی۔ مجھے پتہ چلا ہر اتوار کی رات کو یہ اپنے فارم ہاؤس سے رات کو تنہا ایک گھر میں جا کر رات گزارتا ہے۔ بس میں نے اسی وقت اسکا شکار کر لیا۔"

اپنے شانے اچکائے۔

"اسکا باپ اسے فوراً ڈھونڈ لے گا تب۔۔۔؟"

"فکر نہ کریں یہ تب تک اس قابل نہیں رہے گا۔" اپنی جیب سے موبائل نکال کر اس کو دیا۔ "دیکھیں کیسے تڑپ رہا ہے۔" وہ لڑکا مسلسل کوشش کر رہا تھا اپنے آپ کو آزاد کرانے کی۔ خوف اس کی آنکھوں میں نظر آ رہا تھا۔ وہ ایسے تڑپ رہا تھا جیسے کسی کا ہاتھ بجلی کی تاروں کو لگا ہو۔

"یہ کس کا موبائل ہے؟"

"یہ آپ کا موبائل ہے اسے گھر جا کر آن کرنا۔"

"مگر کل تم نے مجھے واپس کر دیا تھا۔" وہ حیرت سے موبائل کو دیکھنے لگے۔

"نہیں یہ میرے پاس تھا۔" وہ ہیلمٹ کے اندر مسکرایا۔ "میں نے پورا بندوبست کر دیا ہے۔ اگر کل کو اسکا باپ آپ کے بارے میں پتہ کروائے گا۔ تو میرا ایک دوست جو ڈاکٹر ہے وہ گواہی دے گا کہ آپ اس کے اغواء کے ٹائم اس کے پاس اپنا علاج کروا رہے تھے۔ اب آپ سیدھا اس کے پاس جانا اور دوا خرید کر گھر جا کے آرام سے سو جانا۔ آپ ان کی نظر میں کلیئر ہیں۔" اپنے بیگ سے جوس نکالا اور اسے کھولا۔

"آرام سے تب سوؤں گا۔ جب اسکا دوست بھی پکڑا جاتا۔" زمین سے ایک پتھر اٹھایا اور اس الٹے لٹکے ہوئے لڑکے کو دے مارا۔ اس کی ہلکی سی چیخ نکلی۔

"اسے اس کا باپ مروا دے گا۔ کچھ دن پہلے ایک لڑکی کو لے کر ان دونوں کا جھگڑا ہوا تھا۔ اس کا باپ اس کے دوست پر شک کرے گا اور اسے مروا دے گا۔ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔" وہ سارا جوس اس لڑکے پر چھڑک دیا۔ خالی بوتل اپنے بیگ میں ڈال دی۔ پنجوں کے بل زمین پر بیٹھا۔ اپنا چہرہ اسکے پاس کیا۔

"اس علاقے میں کافی زیادہ چیونٹیاں ہیں۔ چونکہ اس علاقے میں کوئی آبادی نہیں ہے تو یہ چیونٹیاں بھی گوشت کھانا پسند کرتی ہیں۔ جیسے مرے ہوئے پرندے، کتے بلیاں۔۔۔ جس طرح انسانوں کی قسمیں ہوتی ہیں۔ کچھ رحم دل، کچھ ظالم ویسے ہی چیونٹیاں بھی ہوتی ہیں۔" اپنے بیگ سے ایک اور جوس کی بوتل نکالی اور

ساری اس پر ڈال دی۔ "کافی میٹھا جوس ہے۔۔۔۔" وہ طنزیہ ہنسا۔ ٹارچ درخت کی طرف کی اور اسکے بالوں کو پکڑ کر درخت کے تنے کی طرف گھمایا۔ اس تنے پر پہلے سے بہت سی چیونٹیاں تھیں۔ پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کھڑا ہوا۔ چوکیدار بھی شکاری کے پلان کو اچھے سے سمجھ گیا۔

اس لڑکے کی عمر پچیس سال کے قریب ہوگی۔ اس نے برانڈڈ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ جو گرز جن کی قیمت ڈالروں میں ہوگی۔ اور گھڑی پر ڈائمنڈ لگے ہوئے تھے۔ جیسے ہی چیونٹیاں اسے اپنے پیر پر محسوس ہوئیں وہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ شکاری نے اس کے منہ سے اپنا رومال نکالا۔

"مجھے۔۔۔ مجھے۔۔۔ معاف۔۔۔ مجھے۔۔۔ معاف۔۔۔ کر۔۔۔ دو۔": وہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ "مجھے۔ معاف۔۔ کر۔۔ دیں۔" وہ معافیاں مانگنے لگا۔

چوکیدار ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے تڑپتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

"میری بیٹی بھی اسی طرح تڑپی ہوگی۔ کیا تم نے اس وقت اس پر ترس کھایا تھا؟"

شکاری نے اسکی کلائی سے گھڑی اتاری اور اسکے منہ میں ڈال دی۔ دونوں کچھ دیر اسے دیکھتے رہے۔ چیونٹیاں اب اس کے چہرے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ وہ اب آہستہ آہستہ اس کے نرم چہرے کو کھا رہی تھیں۔ وہ درخت پر ایک پینڈولم کی طرح جھول رہا تھا۔

"چلیں سر چلتے ہیں۔ رات بہت ہو چکی ہے۔" شکاری نے اپنا بیگ پکڑا اس میں وہ رومال ڈالا۔ چوکیدار نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور دونوں وہاں سے نکل پڑے۔ وہ ان کو جاتا دیکھ کر اور زور سے تڑپنے لگا۔ دونوں اپنی بائیک کے پاس پہنچے۔

"آپ گھر جا کر سو جائیں۔" شکاری نے ان سے ہاتھ ملایا۔ وہ شکاری سے لپٹ گیا۔ اپنے اوپر کنٹرول نہ رکھ سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ انسانیت کے ناطے وہ اس کی تکلیف کو سمجھ سکتا تھا۔ کافی دیر رونے کے بعد اسے سکون ملا۔

"اللہ بہت غفور و رحیم ہے۔ وہ آپ کو اس تکلیف سے نکال لے گا۔" شکاری نے انہیں حوصلہ دیا۔

"کبھی میری ضرورت پڑے تو ایک کال کر دینا۔" چوکیدار نے اپنے آنسو صاف کیے۔ اس نے اپنے سر کو

ختم دیا۔ دونوں اپنی اپنی بائیک پر روانہ ہو گئے۔ شکاری نے ایسے کئی کیس پہلے بھی نمٹائے تھے۔ اور ہر کیس میں اصل وجہ نشہ کی لت تھی۔

☆......☆......☆

کوئٹہ میں تین دن سے مسلسل برف باری ہو رہی تھی۔ جس کی وجہ سے یونیورسٹی بند تھی۔ اسے یہاں رہتے ہوئے ایک سال ہو چکا تھا۔ اس عرصے میں ایک بار بھی اپنے گھر والوں سے بات نہیں ہوئی تھی۔ ایک بار بابا جی کو فون پر بات کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ ولید صاحب سے بات کر رہے تھے۔ اسے پتہ چلا کہ اس کی فیملی لندن شفٹ ہو گئی ہے۔ اسے دکھ تو بہت ہوا کہ اسے یہاں اکیلا چھوڑ کر سب کیسے جا سکتے ہیں۔

اسی دوران عریش اور عمران احمد کی بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ یونیورسٹی بند ہونے کی وجہ سے وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ایک جاسوسی ناول پڑھ رہا تھا۔ پستہ رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ پیروں میں موٹی گرم جرابیں تھیں اور بھورے رنگ کا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھا تھا۔ ناول اپنی گود میں رکھ لیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ تبھی دروازہ ناک ہوا اور عمران احمد اندر داخل ہوا۔ اس نے کالے رنگ کی جینز کی پینٹ کے اوپر لونگ کوٹ پہنا ہوا تھا۔ ہاتھ میں بندوق تھی اور سردی سے بچنے کے لیے لونگ شوز پہنے ہوئے تھے۔ گلے میں گندمی رنگ کا مفلر تھا۔

"چل شکار پر چلتے ہیں جلدی سے تیار ہو جا۔" بندوق بیڈ پر رکھ دی۔

"میرا دل نہیں کر رہا آپ اکیلے جاؤ۔" نظریں اب بھی کھڑکی پر تھیں۔

"گھر کی یاد آ رہی ہے؟" وہ اسکا چہرہ پڑھنے لگا۔

"گھر کی یاد اسے آتی ہے جس کی فیملی ہو۔" لہجہ سپاٹ تھا۔

"تو میں صحیح سمجھا۔" بیڈ پر بیٹھ گیا۔ جیب سے رومال نکالا اور بندوق صاف کرنے لگا۔ "مجھے ایک بات سمجھ نہیں آتی وہ تجھ سے ناراض ہیں یا تو ان سے ناراض ہے۔"

عریش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور تیار ہونے کے لیے واش روم میں گھس گیا۔ وہ جانتا تھا عمران احمد اپنی بات منوا کر رہے گا۔ اور وہ بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔ دس منٹ میں تیار ہو کر باہر صحن میں آ گیا۔

عمران احمد گاڑی میں سامان رکھ رہا تھا۔اس نے بھی جینز کی پینٹ کے اوپر لونگ کوٹ پہنا ہوا تھا۔سر پر گرم کیپ تھی۔عمران ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، عریش ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔سارا راستہ دونوں خاموش رہے۔کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک کھلی جگہ پر پہنچے۔یہ جگہ شہر سے کافی دور تھی۔کچھ اور لوگ بھی وہاں شکار کے لیے آئے ہوئے تھے۔عمران احمد نے اپنی گاڑی ایک جگہ روکی اور دونوں گاڑی سے اتر کر سامان ہاتھ میں لے کر پیدل چلنے لگے۔عمران احمد نے خرگوش کے لیے ایک جال تیار کیا اور خود درخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔عریش بھی پاس بیٹھ گیا۔

"تم اپنے فادر سے ناراض ہو؟" عمران احمد نے اپنی بندوق سنبھال لی۔

"وہ میرے فادر نہیں ہیں۔" وہ جل کر بولا۔

"میں جانتا ہوں تمہارے فادر آرمی میں تھے۔وہ شہید ہو گئے ہیں۔میں یہ بھی جانتا ہوں تم یہاں کیوں آئے ہو؟" یہ کہتے ہی فائر کر دیا۔نشانہ پکا تھا خرگوش جال میں پھنس گیا۔

عریش کو لگا جیسے گولی اسے لگی ہو اور وہ جال میں پھنس گیا ہے۔وہ اس کے بارے میں سب جانتا ہے۔وہ کچھ نہ بول پایا تو عمران احمد اس پر نظر ڈالے بغیر بولا۔

"وقت بہت کچھ سکھاتا ہے۔بس یہ سمجھو ہر کام میں اللہ کی بہتری ہوتی ہے۔میں یہ بھی جانتا ہوں تم بے قصور ہو۔" اپنی جگہ سے اٹھا، پاس پڑا ڈبہ لیا اور مرے ہوئے خرگوش کو ڈبہ میں ڈال دیا۔اور ایک نیا جال تیار کرنے لگا۔عریش اپنی جگہ پر بیٹھا یہ سب دیکھ رہا تھا۔جال تیار کر کے وہ واپس آیا اور پھر شکار کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

"کوئی میرے حق میں نہیں بولا۔اس دن سب خاموش کھڑے ہو کر تماشہ دیکھتے رہے۔میں نے اس بچی کو بچایا تھا اور میں ہی مجرم بن گیا۔" وہ دکھ سے بولا۔

"یہ دنیا ایسی ہی ہے۔تم نے پتہ لگانے کی کوشش نہیں کی اس وقت کمرے میں کون تھا؟"

"مجھے صفائی کا موقع نہیں دیا تو یہ کیسے پتہ کرتا کہ کمرے میں کون تھا۔وہ کرن کی بچی بھی کچھ نہیں بولی۔مان لیا تب وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی۔پر اب تو سب کو بتا سکتی تھی کہ میں بے گناہ ہوں۔" وہ اس واقعہ کے بعد پہلی بار اپنی بھڑاس نکال رہا تھا۔

"تم ایک کام کرو سب سے پہلے یہ پتہ لگاؤ۔ کمرے میں اس دن کون تھا۔" نظریں سامنے خرگوش پر تھیں جو دھیرے دھیرے جال کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"میں اب کیسے پتہ لگاؤں کہ اس دن کمرے میں کون تھا۔" وہ غصے سے بولا۔ "میری زندگی تباہ ہو گئی۔ سب کے سامنے میری ماں کو شرمندہ ہونا پڑا اب صرف کرن ہے جو کچھ کر سکتی ہے۔"

"یہ تمہاری غلطی ہے جو دوسروں پر بھروسہ کیے بیٹھو ہو۔ اپنے اوپر بھروسہ کرتے تو سوچتے کہ اس دن گھر پر کون کون تھا؟ صبح سے گھر پر کیا کچھ ہو رہا تھا؟ ایک ایک فرد کو کٹہرے میں کھڑا کر کے سوچتے۔ لو اب کی بار شکار تم کرو۔" بندوق عریش کے ہاتھ میں پکڑا دی۔

عریش اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ اس کی باتوں میں کھویا ہوا تھا۔ بندوق ہاتھ میں پکڑی اور نشانہ تیار کیا۔

"سوچو، سامنے تمہارا مجرم ہے۔" عمران احمد اس کے کان میں دھیرے سے بولا۔ عریش نے نشانہ باندھا اور پہلی بار میں اس کا شکار کر دیا۔ عمران احمد سے زیادہ عریش کو حیرت ہوئی۔

"آخر تم نے ثابت کر دیا کہ تم ایک آرمی آفیسر کے بیٹے ہو۔ گڈ۔" عمران نے مسکرا کر کہا۔ عریش بھاگتا ہوا خرگوش کے پاس پہنچا۔ عمران احمد بھی ادھر آیا اور خرگوش کو ڈبہ میں ڈالا۔ عریش خوشی سے بھنگڑا ڈالنے لگا۔ عمران احمد پہلی بار اسے اتنا خوش دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی مسکرانے لگا۔

شام ہو چکی تھی۔ دونوں گھر کے لیے نکل پڑے۔ سارا راستہ عریش خوشی سے بولتا رہا۔ وہ چپ چاپ اسے سنتا رہا۔ گھر آ کر بابا جی اور اماں جی کو اپنے شکار کے بارے میں بتانے لگا۔ بابا جی، عمران احمد اور عریش ٹی وی کے آگے بیٹھ گئے۔ پاس لکڑیاں جلا کر کمرے کو گرم کیا ہوا تھا۔ وہ تینوں باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اماں جی نے بڑی مہارت سے خرگوش کی کھال کو علیحدہ کیا اور گوشت کو پکنے کے لیے رکھ دیا۔ انہوں نے گوشت کا مسالہ پہلے سے تیار کر لیا تھا۔ ساتھ میں آٹا گوندھا اور روٹیاں پکانے لگیں۔ جب سالن تیار ہوا تو روٹیاں اور سالن باہر لے آئیں۔ آج گھر میں خوب محفل لگی ہوئی تھی۔ بابا جی بھی اپنے جوانی کے قصے سنانے لگے۔ کس طرح انہوں نے ہرن کا شکار کیا تھا۔ عریش اور عمران احمد بہت غور سے ان کی باتیں سننے لگے۔ سالن واقعی بہت مزے کا پکا تھا۔ عریش جب سے آیا تھا پہلی بار ان میں اتنا گھلا ملا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔فریش ہوکر نائٹ ڈریس پہنا اور بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ کھڑکی سے باہر نظر پڑی اب ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔آج وہ بہت خوش تھا۔اسے عمران احمد کی باتیں یاد آ ئیں۔

"اس وقت کمرے میں کون تھا؟ وہ صرف کرن کا نہیں تمہارا بھی مجرم ہے؟"

"میں اپنے مجرم کا ضرور پتہ لگاؤں گا۔وہ ہم دونوں کا نہیں میری ماں کا بھی مجرم ہے۔" اپنی آنکھیں بند کر لیں۔اسے یاد آ رہا تھا کس طرح جب وہ اپنے بچپن میں رک رک کر بولتا تھا تو اس کی ماں نے اسے قرآن مجید پڑھنے بھیجا تھا۔وہ روز صبح اور شام تلاوت کرتا۔قرآن کی تلاوت سے اسے کتنا فائدہ ہوا تھا۔آنٹی راحیلہ کی دوسری شادی کے بعد ولید صاحب نے اس کی تھراپی کروائی تھی۔جس کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

عریش اب یہاں کافی خوش رہنے لگا تھا۔عمران احمد سے اس کی بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔بابا جی اور اماں جی اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔یونیورسٹی سے آنے کے بعد وہ اکثر عمران احمد کی بک شاپ پر چلا جاتا۔اور وہاں بیٹھ کر کتابیں پڑھتا۔اسے زندگی کا ایک مقصد مل گیا تھا۔جسے اس نے ہر حال میں پورا کرنا تھا۔

☆......☆......☆

کوکر کی سیٹی کی آواز پورے کچن میں گونجی۔اس نے سیٹی سائیڈ پر کر دی۔پریشر کوکر سے نکلتا دھواں پورے کچن میں پھیل گیا۔جب دھواں ختم ہوا تو اس نے ڈھکن کھولا۔کوکر کو سنک پر رکھا اور اس میں سے گرم پانی نکال دیا۔کانٹے کی مدد سے آلو نکالے اور انہیں پلیٹ میں رکھ دیئے۔گرم گرم آلوؤں کے چھلکے اتارے اور انہیں ڈش میں ڈال کر میش کیا۔پھر ان میں مسالے ڈال کر ہاتھ سے اچھے سے مکس کیا۔چولہا جلایا، توا رکھا، فریج سے آٹا نکالا اور آلو کے پراٹھے بنانے لگی۔

زندگی اتنی جلدی بدل جائے گی۔الماس کے وہم وگمان میں نہیں تھا۔اسے سزا ملنے کے بعد پتہ چلا کہ اس کا جرم کیا ہے۔عظیم بھائی کی شادی سے ایک دن پہلے اس کا بورڈ کا آخری پیپر تھا۔وہ اس دن کتنی خوش تھی اسکے سارے پیپر اچھے سے ہو گئے ہیں۔پر وہ فکرمند بھی تھی کیا ابو اور بھائی اسے آگے پڑھنے دیں گے۔اس کی شادی کروا کر ان کا تو جیسے بوجھ اتر گیا ہو۔

کالی شلوار کے ساتھ کھلا اے لائن فراک پہنا ہوا تھا۔ جو اسکے گھٹنوں سے نیچے آ رہا تھا۔ بالوں پر تیل لگا ہوا تھا۔ چھوٹے سے کچن میں چولہے کے آگے کھڑی، پورے گھر کے لیے ناشتہ بنا رہی تھی۔ سر پر دوپٹہ لیا ہوا تھا۔ کیونکہ ساسو ماں کی بیٹی اپنے شوہر اور بچوں سمیت آئی ہوئی تھی۔ اور اکلوتے داماد جی پردے کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ کہنے کو تو اکلوتی نند تھی۔ پر دس نندوں کے برابر تھی۔ ہر دوسرے روز اپنے بچوں کے ساتھ یہاں آ کر رہتی۔

" اے بہن۔۔۔ جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ۔ میرے بچے اور میاں بھوکے بیٹھے ہیں۔ " شیطان کو یاد کیا تو شیطان حاضر۔ نند صاحبہ ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر نخرے سے بولی۔ سفید ٹراؤزر کے ساتھ لال رنگ کی اونچی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ گلے میں ایک سکارف تھا۔ دونوں ہاتھ سونے کی چوڑیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میک اپ بھی فل کیا ہوا تھا۔ پیروں میں ہیل والی جوتی پہنی ہوئی تھی۔

" بس دس منٹ تک لا رہی ہوں۔ " الماس کی کیا مجال اسکے آگے اوں بھی کر دے۔

" ساتھ میں دہی رکھنا نہ بھول جانا۔ بعد میں اچھی سی چائے بنا دینا۔ اندر الائچی ڈالنا نہ بھول جانا۔ " بالوں کی لٹ کان کے پیچھے کر کے بولی۔ " کل بھی تمہاری اس بھول کی وجہ سے مجھے کتنی شرمندگی ہوئی تھی۔ "

" جی آج یاد سے رکھ دوں گی۔ " گرما گرم پراٹھا پلیٹ میں نکالا اور دوسرا پراٹھا توے پر ڈال دیا۔

" آج موسم بہت اچھا ہے۔ ہم دوپہر کا کھانا باہر کھائیں گے۔ تم ایسا کرنا رات کے لیے بریانی بنا لینا، بچوں کا بڑا دل کر رہا ہے۔ " یہ کہہ کر ٹی وی لاؤنج میں چلی گئیں۔

اس نے فٹافٹ پراٹھے تیار کیے اور میز پر رکھ دیے۔ پراٹھوں کے ساتھ مکھن، دہی اور چٹنی رکھنا نہیں بھولی تھی۔ وہ سب آ کر ناشتہ کرنے لگے تو وہ دوبارہ کچن میں گھس گئی اور چائے بنانے لگی۔ جب چائے بن گئی تو کپوں میں ڈال کر باہر سب کو سرو کر کے آئی۔ میز سے برتن اٹھائے اور کچن میں لا کر سنک میں رکھ دیے۔ چولہا صاف کیا پھر ان برتنوں کے ڈھیر کو دھونے لگی۔ اس نے ناشتہ کیا یا نہیں کسی نے نہیں پوچھا۔ خیر یہ سوال تو اسکے اپنے گھر میں اس سے کوئی نہیں کرتا تھا۔ برتن دھو کر فارغ ہوئی تو ساس کا حکم جاری ہوا کہ بچوں کو تیار کر دے۔ وہ بھی ساتھ گھومنے جائیں گے۔

ساس کے حکم پر عمل کرتے بچوں کو لے کر کمرے میں چلی گئی۔ سب سے بڑا بیٹا چودہ سال، اس سے چھوٹا دس سال اور سب سے چھوٹا پانچ سال کا تھا۔ ساسو ماں کے تین پوتے تھے اور اس بات کا انہیں بہت غرور تھا۔ اس نے بڑے دو بچوں کے کپڑے استری کر کے انہیں دیے۔ چھوٹے کو واش روم لے جا کر نہلا کر تیار کیا۔ وہ تینوں تیار ہو گئے تو اپنی دادی اور پھوپھو کی فیملی کے ساتھ باہر گھومنے چلے گئے۔ الماش گھر پر اکیلی تھی۔ فریج سے مرغی نکال کر باہر رکھی۔ بالٹی میں پانی بھرا اور فرش دھویا۔ فرش دھونے کے بعد کچن میں آ کر پیاز کاٹا اور بریانی کا مسالہ تیار کیا۔

کچن کے کام سے فارغ ہوئی تو بچوں کا کمرہ صاف کیا۔ ناشتہ میں بچا ہوا پراٹھا اور چائے کا کپ لے کر بچوں کے کمرے میں آئی۔ زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور کھانا کھانے لگی۔

اسکی شادی کو پانچ ماہ ہو گئے تھے۔ تب سے اسکی یہی روٹین تھی۔ سارا دن گھر کا کام کرتی۔ ان کو تو جیسے مفت کی نوکرانی مل گئی تھی۔ اگر کبھی اسکا شوہر ہنس کر بول لیتا تو ساسو ماں سرخ آنکھوں سے اسے گھورنے لگتی۔ بچے بھی اس سے بہت بدتمیزی سے بات کرتے۔ کوئی ان کو منع نہ کرتا۔ ایک بار اس نے ان کو بدتمیزی کرنے سے منع کیا تو ان کی دادی نے شور مچا دیا۔ سوتیلی ماں بچوں پر ظلم کر رہی ہے۔ ایسا اس لیے کیونکہ ساسو ماں اپنے بیٹے اور بچوں کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتی تھیں۔

جب سے اسکی شادی ہوئی تھی۔ اسکے گھر والے ایک بار بھی اس سے ملنے نہیں آئے۔ اور نہ ہی فون پر رابطہ کیا تھا۔ الماش کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اسے تو ابھی تک یہ نہیں پتہ تھا کہ اس کا شوہر آفتاب کیا کام کرتا ہے۔ اسکی رات کی جاب تھی صبح آتا تو سو جاتا۔ دوپہر کو اٹھتا تو سارا وقت اپنی ماں کے پاس گزارتا۔ ویسے الماش اس بات سے بہت خوش تھی کہ آفتاب اسے ٹائم نہیں دیتا۔ اس نے کھانا ختم کیا تو برتن کچن میں رکھ دیے۔ دھونے والے کپڑے اوپر والی منزل پر لائی اور مشین لگا کر کپڑے دھونے لگی۔ مشین سٹارٹ کی اور پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اپنی ہاتھ کی لکیروں کو دیکھنے لگی۔ کیا اس کی ساری زندگی ایسے گزر جائے گی۔ اس کا خواب تھا کہ وہ تعلیم حاصل کر کے پروفیسر بنے۔ پر اب تو اس کی زندگی بس سسرال کی خدمت میں گزر جائے گی۔

"میرا کون دشمن ہے جس نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟ کس نے میرے کمرے میں وہ گفٹ اور موبائل رکھا تھا۔اور مجھ پر الزام لگایا تھا کہ میں پچھلی شام اس کے ساتھ تھی۔"

آنسو نکل کر اس کی ہتھیلی پر گر رہے تھے۔اس کا سارا شک اسکی تائی کنزا پر جا رہا تھا۔ظاہر ہے ان کے چار بیٹے ہیں اور وہ کبھی نہیں چاہیں گی کہ وہ ان کی بہو بنے۔تبھی یہ حرکت کر کے اسے سب کے سامنے بدنام اور رسوا کر دیا۔اسے سب سے زیادہ دکھ اپنی دادی کے رویے پر ہوا تھا۔وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں کہ وہ اتنی گری ہوئی حرکت کر سکتی ہے۔اگر شادی کروانی تھی مجھ سے پیچھا چھڑوانا تھا تو کسی اچھے گھر میں شادی کروا دیتے۔یوں ایک تین بچوں کے باپ سے۔۔۔

اسے بخار ہو رہا تھا پر کون تھا جو اس کی فکر کرتا۔مس اس کی اچھی دوست تھیں۔پر ان کا نمبر اسکے پاس نہیں تھا۔ان ہی سے بات کر کے اپنا دل ہلکا کر لیتی۔مشین بند ہوئی تو پھر سے کام پر لگ گئی۔

"اگر یہی میری قسمت ہے تو ایسا ہی سہی۔میں نے خدا سے کچھ نہیں مانگا تو شکوہ کس بات کا۔اگر میری قسمت پھوٹی ہے تو میں کسی کو الزام کیوں دوں۔۔۔میری زندگی کا یہ فل سٹاپ ہے۔اب ساری زندگی ادھر گزارنی ہے۔"مشین سے کپڑے نکال کر پانی والے ڈب میں ڈال دیئے۔یہ اس کی روٹین بن گئی تھی سارا دن کام کرو۔رات کو آنسو بہا لو۔اس نے اس زندگی سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔پر اسے کیا خبر اس کی زندگی ایک بار پھر بدلنے والی ہے۔

☆......☆......☆

لندن میں ایک چھوٹے سے فلیٹ میں ساری فیملی ایڈجسٹ ہو گئی تھی۔فائزہ کالج جاتی اور قاسم سکول جاتا۔ولید صاحب زیادہ وقت پاکستان میں گزارتے اپنے کاروبار کے سلسلے میں۔آنٹی راحیلہ گھر کے پاس ایک شاپ پر جاب کرتی تھیں۔وہ گھر میں سارا وقت فارغ رہتی تھیں اس لیے اپنے شوہر کی اجازت سے جاب کرنے لگی تھیں۔

لندن کی زندگی ان سب کے لیے بہت مصروف تھی۔ہر کوئی اپنے کاموں میں بزی رہتا۔جب ولید صاحب لندن ہوتے تب سب مل کر ایک ساتھ کھانا کھاتے،یا پھر گھومنے پھرنے جاتے۔وقت اسی طرح گزر

گیا۔فائزہ نے یونیورسٹی پاس کرلی اور جاب شروع کرلی۔قاسم اب یونیورسٹی میں پہنچ چکا تھا۔

راحیلہ آنٹی کافی بیمار پڑ گئیں تو ولید صاحب اپنی ساری فیملی کو لے کر پاکستان آ گئے۔انہوں نے فائزہ کا رشتہ پکا کر دیا تھا اور جلد ہی اس کی شادی کر دینی تھی۔فائزہ اور قاسم بہت خوش تھے۔انکا گھر بالکل ویسے تھا جیسے چھوڑ کر گئے تھے۔وہ اپنے سب رشتے داروں سے ملنے گئے۔اتنے سالوں بعد بھی سب خفا تھے اور عریش کو برا بھلا کہنا نہیں چھوڑا تھا۔

شام کا وقت تھا۔آنٹی راحیلہ اپنی بالکونی میں بیٹھی ہوئی تھیں۔سردی کا موسم تھا۔شلوار قمیض کے اوپر سویٹر پہنا ہوا تھا۔سر پر دوپٹہ لیا ہوا تھا۔ہاتھ میں کافی کا کپ تھا۔کپ سے بھاپ اڑ کر ان کے چشمے پر پڑ رہی تھی۔وہ دور آسمان میں ڈوبتے سورج کو دیکھ رہی تھیں۔

اچانک اپنے پاس ایک سایہ محسوس ہوا۔جب چہرہ اوپر کیا تو سامنے ایک لڑکا کھڑا دونوں ہاتھ سینے سے لپٹ کر کھڑا تھا۔اس نے جینز کی پینٹ کے اوپر کالے رنگ کا لونگ کوٹ پہنا تھا۔

"بوڑھی عورت،آپ اب بھی آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔"اور ان سے کافی کا کپ لے لیا۔آنٹی راحیلہ کھڑی ہو گئیں۔اس کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیرا۔جیسے پہچان رہی ہوں۔

"عریش۔۔۔یہ تم ہو۔علی۔۔کیسے ہو؟"وہ عریش سے لپٹ کر رونے لگیں۔اتنے سالوں بعد جو مل رہی تھیں۔جب وہ گیا تھا تو چھوٹا تھا اور بہت کمزور دبلا پتلا سا تھا۔اور اب بالکل جوان اور صحت مند ہو گیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں،آپ بس رونا بند کر دیں۔"عریش نے انکے آنسو صاف کیے۔وہ اب بھی ہچکیاں لے کر رو رہی تھیں۔رونے کی آواز سن کر فائزہ ان کے کمرے میں بھاگی آئی۔قاسم بھی اسکے پیچھے اندر آ گیا۔وہ بیڈ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔انہوں نے اپنے بھائی کو پہچانا ہی نہیں۔وہ ان دونوں سے لمبا لگ رہا تھا۔عریش اپنی امی کو کمرے میں لے کر آیا اور بالکونی کا دروازہ بند کیا۔فائزہ کے سر پر پیار دیا اور دونوں بھائی گلے لگ کر ملے۔

اتنے میں ولید صاحب بھی آ گئے۔وہ اپنے کھانا لے کر آئے تھے۔آواز دینے پر سب نیچے آ گئے۔فائزہ نے سب کے لیے کھانا لگایا اور آج سالوں بعد سب نے مل کر کھانا کھایا۔سب ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے۔

"دو ہفتے بعد فائزہ کی شادی ہے۔میں نے شادی ہال بک کروا دیا ہے۔کچھ اور ذمہ داریاں ہیں جو تم دونوں

ہوں۔کام بیشک آپس میں بانٹ لینا۔مجھے کسی بھی قسم کی لاپرواہی نہیں چاہیے۔"وہ کافی سنجیدہ تھے۔

"پر مجھے تو یہاں کے بارے میں کچھ نہیں پتہ، میں کیا کروں گا۔" قاسم نے لیگ پیس کو اپنے دانتوں سے چبایا۔اسکے بات کرنے کا انداز پورا گوروں جیسا تھا۔

"میں مدد کردوں گا۔" عریش فوراً بولا۔

ولید صاحب ان دونوں کو کام بتانے لگ گئے۔آنٹی راحیلہ بہت خوش تھیں۔البتہ عریش نے محسوس کیا فائزہ خوش نہیں لگ رہی۔اگرچہ وہ اتنے سالوں بعد ملے تھے تب بھی وہ فائزہ کا چہرہ آسانی سے پڑھ سکتا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد قاسم عریش کو اس کے کمرے میں لے گیا۔لائٹ آن کی تو کمرہ ہو بہو ویسا تھا جیسے علی اس کو چھوڑ کر گیا تھا۔عریش نے پورے کمرے کا چکر لگایا۔کوئی بھی چیز اپنی جگہ سے ہلی ہوئی نہیں تھی۔دونوں بھائی بیڈ پر لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔قاسم کے پاس کافی کچھ تھا عریش کو بتانے کے لیے۔وہ عریش کو بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔

آنٹی راحیلہ اپنے دونوں بیٹوں کے لیے کافی بنا کر لائیں۔قاسم کافی کا کپ لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔اسے اپنے دوست سے آن لائن چیٹ کرنی تھی۔آنٹی راحیلہ بیڈ پر اسکے پاس بیٹھ گئیں۔عریش نے کافی کا سپ لیا تو اسے بہت سکون ملا۔اتنے سالوں بعد ماں کے ہاتھوں کا کچھ بنا وہ پی رہا تھا۔

"ایسے کیا گھور رہی ہیں۔مجھے نظر لگانی ہے کیا۔" عریش نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"اتنے سالوں بعد تمہیں دیکھ رہی ہوں۔کتنا بڑا ہو گیا ہے۔" ان کے آنسو بہنے لگے۔

"اب پلیز روئیں مت۔۔۔" اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کرتا دروازے پر ناک ہوئی۔ولید صاحب اندر داخل ہوئے۔وہ کچھ پریشان لگ رہے تھے۔

"فائزہ کے سسر کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ہمیں ابھی ہسپتال جانا ہوگا۔"

آنٹی راحیلہ بھی پریشان ہوگئیں۔فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔اپنا بیگ اور کوٹ لے آئیں۔دونوں ہسپتال کے لیے نکل پڑے۔عریش نیچے کا دروازہ بند کر کے اوپر آیا اور فائزہ کے کمرے کا دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوا۔وہ سامنے صوفے پر بیٹھی گود میں لیپ ٹاپ رکھ کے کسی سے بات کر رہی تھی۔جیسے ہی اس نے

عریش کو دیکھا فوراً لیپ ٹاپ بند کر دیا۔

"ہم بات کر سکتے ہیں۔" عریش اب بھی دروازے میں کھڑا تھا۔

"ہاں بھائی۔۔۔اندر آجائیں۔" مسکرا کر بولی۔

"مجھے ذمہ داری ملی ہے تمہیں شاپنگ کروانے کی۔" وہ اندر داخل ہوا اور سٹول پر بیٹھ گیا۔اس نے اپنا لونگ کوٹ اتار دیا۔نیچے ہائی نیک پہنی ہوئی تھی۔"بتاؤ کب اور کہاں جانا ہے؟"

"ابھی لسٹ تیار کر رہی ہوں۔" رک رک کر بولی۔

"دو ہفتے بعد آپ کی شادی ہے اور ابھی آپ نے لسٹ تیار کرنی ہے۔" حیرت سے بولا۔"خیر۔۔۔مجھے یاد آیا آپ کے ہونے والے سسر ہسپتال میں داخل ہیں۔فون کر کے حال پوچھ لو۔"

"اچھا۔۔۔" فائزہ مسلسل اپنے ناخن لیپ ٹاپ سے رگڑ رہی تھی۔

عریش کو حیرت ہوئی۔ایک تو اتنے سالوں بعد جا کر ملاقات ہوئی ہے۔اور وہ اس سے کوئی بات نہیں کر رہی۔اور اس نے نوٹ کیا اس کی بہن اس سے نظریں نہیں ملا رہی۔وہ کچھ چھپا رہی ہے یا شاید وہ بھی اسے مجرم سمجھتی ہے۔

"میں چلتا ہوں۔مجھے عشاء کی نماز پڑھنی ہے۔جب کہیں جانا ہو گا تو مجھے بتا دینا۔" وہ فوراً کمرے سے نکل گیا۔

وہ نیچے کچن میں گیا۔پانی پی کر اوپر آیا۔جب وہ فائزہ کے کمرے کے پاس سے گزرا اسے باتیں کرنے کی آواز آئی۔وہ رک گیا۔دروازے کے پاس ہوا۔فائزہ کسی سے بات کر رہی تھی۔وہ نارمل گفتگو نہیں لگ رہی تھی۔وہ جیسے کسی سے رو کر بات کر رہی تھی۔عریش اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔باتھ روم گیا، وضو کیا اور نماز ادا کی۔ٹیرس میں آ کر بیٹھ گیا۔اس کا دھیان ان باتوں ہی کی طرف تھا۔

وہ پچھلا وقت یاد کرنے لگا۔کس طرح اس واقعہ نے اس کی زندگی بدل دی۔اس نے فیصلہ کیا تھا وہ فائزہ کی شادی پر نہیں آئے گا۔قاسم کی باتوں سے اسے پتہ چلا تھا۔اس کے جانے کے بعد خاندان والوں سے انہیں کیا کچھ سننا پڑا تھا۔اور بعض رشتہ داروں نے ان کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔وہ ان سب سے دوبارہ نہیں ملنا چاہتا تھا۔اس

کا یہاں دم گھٹنے لگا۔دل تو کر رہا تھا فوراً یہاں سے بھاگ جائے۔پر اپنی ماں کی وجہ سے رک گیا۔

گاڑی کی آواز آئی۔وہ اپنے کمرے سے باہر آیا۔ولید صاحب اور آنٹی راحیلہ گھر آ چکے تھے۔قاسم بھی اپنے کمرے سے باہر آ گیا۔سب ٹی وی لاؤنج میں جمع تھے۔ولید صاحب نے انہیں بتایا۔

"مانیر ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔اب ان کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر ہے۔"

کچھ دیر بعد سب اپنے کمروں میں چلے گئے۔فائزہ اب بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی۔عریش اس کے کمرے میں جا کر وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔پر رات بہت ہو چکی تھی۔اس لیے وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔

☆......☆......☆

دسمبر کا مہینہ تھا۔پچھلے تین گھنٹے سے زوروں کی بارش ہو رہی تھی۔بارش کی وجہ سے ٹھنڈ میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔بعض علاقوں میں گیس بالکل بند ہو گئی۔جس کی وجہ سے لوگوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔خاص طور پر وہ گھرانے جہاں بزرگ، چھوٹے بچے یا بیمار موجود ہوں۔

کچن میں موجود گیس سلنڈر پر بمشکل روٹیاں پکائیں۔بچوں کی خواہش پر باہر سے کھانا آرڈر کیا۔ساسو ماں کا خاص حکم تھا روٹیاں گھر پر پکانا کیونکہ نان کھا کر بچوں کے پیٹ خراب ہو جاتے ہیں۔روٹیاں پکا کر کھانا ڈائننگ ٹیبل پر رکھا اور تینوں بچوں کو کھانا کھلایا۔پہلے وہ بچوں کو کھانا کھلاتی۔پھر اپنی ساس اور آفتاب کو کھانا سرو کرتی۔دونوں ماں بیٹے ایک ساتھ کھانا کھاتے اور سب سے آخر میں الماش کھانا کھاتی۔

ابھی وہ بچوں کو کھانا کھلا رہی تھی۔ساسو ماں نے اسے آواز دی۔وہ دوڑ کر کچن میں پہنچی۔گیس کا سلنڈر جل رہا تھا۔ساسو ماں کمر پر ہاتھ رکھے اسے گھور رہی تھیں۔

"یہ میرے بیٹے کی کمائی ہے۔تمہارا باپ یا تمہارے بھائی پیسے نہیں بھیجتے۔جو تم یوں اڑا رہی ہو۔"

اسے حیرت ہوئی اسے اچھے سے یاد تھا وہ چولہا بند کر کے گئی تھی۔ایسی لاپرواہی وہ نہیں کرتی۔

"میں تو بند کر کے گئی تھی۔" اسکی نظریں چولہے پر تھیں۔

"تو کیا یہ میں نے چلایا ہے۔" وہ گرج کے بولیں۔"یا خود بخود جل گیا ہے۔"

"اب کیا ہوگیا ہے؟ کس بات کا شور ہے؟" آفتاب زینے اتر کر نیچے آیا اور دروازے میں کھڑا ہو گیا۔ وہ سوٹ ٹائی میں ملبوس تھا۔ ہاتھ میں کوٹ پکڑا ہوا تھا۔ بالوں کو جیل لگا کر سیٹ کیا ہوا تھا۔ پرفیوم کی خوشبو پورے کچن میں پھیل چکی تھی۔

الماش پاس کھڑی تھی۔ کھلی شلوار کے اوپر پرانی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ جس پر سالن کے نشان لگے ہوئے تھے۔ پیروں میں پھٹی ہوئی جرابیں تھیں۔ چہرے کو کالی چادر سے کور کیا ہو تھا۔ اس سے پہلے وہ اپنے بیٹے کو شکایت لگاتیں۔ بچوں کی آواز سنائی دی۔ وہ دوبارہ باہر کو بھاگی۔ سب سے چھوٹے بیٹے نے اپنے اوپر چٹنی گرا لی تھی۔ اس کے سارے کپڑے گندے ہو گئے تھے۔ وہ کرسی پر کھڑا پانی پی رہا تھا۔ اس نے اپنے کپڑے بھی گیلے کر لیے تھے۔ الماش نے فوراً اسے کرسی سے نیچے اتارا۔ دادی کرسی پر اپنے بڑے دونوں پوتوں کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ آفتاب اپنا ایک ہاتھ کرسی پر رکھ کر اس پر چلانے لگا۔

"ایک کام تم سے نہیں ہوتا۔ فوراً جا کر اس کے کپڑے بدلو۔ اگر سردی کی وجہ سے بیمار پڑ گیا تو پھر اپنا حشر دیکھنا۔" بچوں کے ابا نے اپنا حکم صادر کر دیا۔ وہ ہمیشہ اس سے بدتمیزی سے بات کرتا۔ الماش اسے کمرے میں لے گئی۔ بڑے دونوں بیٹے بھی شکایتیں لگانے لگے کہ وہ ان سے پیار نہیں کرتیں۔ ان کو کھانے کو نہیں دیتیں۔ جو دادی اور پھوپھو نے سکھایا تھا وہی ان بچوں نے بولنا تھا۔ وہ ان کے لیے ماں تھوڑی نہ تھی وہ تو ان کے لیے ایک کام والی تھی۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" وہ وہیں سے چلایا۔ الماش چھوٹے کے کپڑے بدل کر فوراً باہر آئی۔

"بچے چپس مانگ رہے تھے۔ پر امی نے منع کر دیا تھا ان کا پیٹ پہلے ہی خراب ہے۔ اس لیے نہیں بنا کر دی۔" وہ دروازے میں کھڑی تھی۔ اسکا سانس پھولا ہوا تھا۔

"اور کیا میڈم بتانا پسند کریں گی کہ ان کا پیٹ کیا کھا کر خراب ہوا ہے۔"

"ٹھنڈا کھانا کھایا تھا۔" بڑے بیٹے نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے بتایا۔ ساسو ماں آرام سے بیٹھی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ بچے اپنی پھوپھو کے ساتھ آئس کریم اور ٹھنڈی بوتل پی کر آئے ہیں اس لیے ان کی طبیعت خراب ہوئی ہے۔

"اگر آئندہ میرے بچوں کو کچھ ہوا تو پھر دیکھنا۔" اسے انگلی سے وارننگ دی۔ جیب سے موبائل نکالا، کال کو کٹ کیا۔ بچوں کو پیار کیا، اپنا کوٹ پہنا اور باہر نکل گیا۔

"دیکھا، تیری وجہ سے باہر چلا گیا ہے اتنی طوفانی بارش میں۔" ساسو ماں طنزاً بولی۔ "چل برتن اٹھا اور مجھے چائے بنا کر دے۔" اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ بچے بھی ٹی وی دیکھنے لگ گئے۔ کالے دوپٹہ والی نے برتن اٹھا کر کچن میں لے گئی۔ ساس کو چائے بنا کر دی اور ٹھنڈے پانی سے برتن دھونے لگی۔

کھڑکی سے باہر دیکھا، بارش اب بھی ہو رہی تھی۔ اسے یاد آیا اس نے گیس بند کی تھی۔ پھر چولہا کس نے جلایا تھا۔ اسکے کچن سے نکل جانے کے بعد آفتاب ہی کچن میں آیا تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا ہو گا۔ اس کا جواب وہ اچھے سے جانتی تھی۔ اور یہ پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ آفتاب اس طرح تیار ہو کر باہر جائے۔ وہ ہر وقت فون پر کس سے باتیں کرتا ہے، اسے سب خبر تھی۔

اپنی نند اور ساس کی باتوں سے اسے پتہ چلا تھا کہ آفتاب اپنی کسی کزن کو پسند کرتا ہے۔ اسے طلاق ہو چکی تھی۔ اور اب دوبارہ اس سے رابطہ میں ہے۔ کچن سے فارغ ہونے کے بعد پانی کی بوتل لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔ بچے اب بھی ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ کل ہی ان کے پیپر ختم ہوئے تھے۔ اس لیے پرسکون تھی۔ دراز سے پین کلر نکالی۔ پانی سے دوائی کھائی اور رضائی لے کر بیڈ پر لیٹ گئی۔

آنکھیں بند کیں تو اپنی امی کا چہرہ سامنے آگیا۔ الماش تو ان کی بیٹی تھی۔ بالکل ایک چھوٹے سے خرگوش کی طرح۔ اس ہی کی طرح بڑی بڑی آنکھیں۔ اس کی امی اس کی دو پونیاں بناتی بالکل خرگوش کے بڑے بڑے کانوں کی طرح۔ وہ بھی خرگوش کی طرح ڈرپوک تھی۔ اب وہ اس حال میں تھی نہ اس کا شمار زندہ لوگوں میں تھا نہ مرے ہوئے لوگوں میں۔

الماش کو یقین تھا آفتاب اپنی کزن سے شادی ضرور کرے گا۔ اسے فرق تو نہیں پڑتا تھا۔ پر اسے پہلے سے اپنے لیے کوئی بندوبست ضرور کرنا چاہیے۔ ورنہ اسے دوبارہ اپنے گھر جانا پڑے گا۔ اور وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے آنسو بہنے لگے۔ اس سے اچھا وہ کسی دارالعلوم میں چلی جائے۔ اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ گھر چھوڑ دے گی۔ اس کے چلے جانے سے فرق تو کسی کو نہیں پڑے گا۔ تو ادھر رہنے کا کیا فائدہ۔ وہ کتنی دیر آنسو بہاتی رہی۔

"کاش، ماما آپ زندہ ہوتیں۔ آج میں بھی اپنے گھر پر ہوتی۔ ماما، مجھے یہاں بہت ڈر لگتا ہے۔ پلیز مجھے یہاں سے آکر لے جائیں۔" اپنے آنسو صاف کیے۔ سر میں درد مزید بڑھ گیا تھا۔ دوا کا اثر ہونے لگا اور وہ سو گئی۔ اس کی یہ خواہش بھی جلد پوری ہونے والی تھی۔

☆......☆......☆

کوئٹہ

"مجھے گھر آنے میں ذرا دیر ہو جائے گی۔ کھانے پر میرا انتظار مت کرنا۔"

"تم پچھلے پورے ہفتے سے گھر دیر سے آرہے ہو۔ ایسا کون سا کام ہے جس کی وجہ سے تم رات کو دیر سے گھر آتے ہو؟"

"میں جلدی میں ہوں آکر بات کروں گا۔" اپنے کوٹ کے بٹن بند کیے اور بیگ کندھے پر ڈالا۔

"عمران احمد۔۔۔ کیا بات ہے مجھے بتاؤ تو سہی۔ میں تمہاری ماں ہوں۔" اماں جی نے چائے کا کپ میز پر رکھا اور کرسی پر بیٹھ گئیں۔ دونوں ماں بیٹے کچن میں موجود تھے۔ عمران احمد دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔ اس کی نظریں زمین پر تھیں۔ جینز کی پینٹ کے اوپر چیک والی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ پیروں میں بھورے رنگ کے بوٹ تھے۔ کالے رنگ کے کوٹ کو ہاتھوں میں لیے وہ دونوں بازو سینے سے باندھے کھڑا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اچھا خاصا لمبا اور چوڑا انسان تھا۔ اماں جی دونوں بازو میز پر رکھ کر لہسن چھیل رہی تھیں۔ ان کی نظریں اپنے بیٹے پر تھیں۔

"دکان کی وجہ سے مصروف ہوں ابھی جلدی دکان پر پہنچنا ہے۔" اس نے بات ٹال دی اور باہر نکل گیا۔ پہلے عریش کے کمرے میں گیا پھر تھوڑی دیر بعد گھر سے باہر نکل گیا۔ اماں جی کچن کی کھڑکی سے سب دیکھ رہی تھیں۔ اس کے جاتے ہی اماں جی فوراً عریش کے کمرے میں پہنچیں۔ صبح کا وقت تھا وہ یونیورسٹی کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ اماں جی کو دیکھ کر ان کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"مجھے تم سے ایک کام ہے۔ کیا تم میرا کام کرو گے۔"

"جی آپ حکم کریں۔"

"مجھے عمران احمد کی بہت فکر ہو رہی ہے۔تم اس سے پوچھو اسے کیا ہوا ہے؟ شاید تمہیں ہی بتا دے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔میں اس سے بات کروں گا۔" عریش نے انہیں تسلی دی۔ان سے اجازت لے کر یونیورسٹی کے لیے نکل پڑا۔اماں جی بھی گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔

یونیورسٹی پہنچ کر عریش نے پہلے اپنی کلاسز اٹینڈ کیں۔پھر عمران احمد کو تلاش کیا۔وہ اسے لائبریری میں نظر آیا۔اس کے آگے چند کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔شاید نوٹس بنا رہا تھا۔اس سے پہلے عریش اس میز کے پاس جاتا۔ایک لڑکی عمران احمد کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔عریش ادھر ہی رک گیا ہے۔اس نے شیلف سے ایک کتاب اٹھائی اور اس میز سے کچھ دور بیٹھ گیا۔اس لڑکی نے جینز کے اوپر سبز رنگ کا پھولوں والا ٹاپ پہنا ہوا تھا۔گلے میں سکارف تھا۔بالوں کی ہائی پونی بنائی ہوئی تھی۔اس کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔سیدھے ہاتھ میں کافی زیادہ دھاگے باندھے ہوئے تھے۔وہ دونوں آپس میں کسی بات پر بحث رہے تھے۔

عریش کی ایک نظر کتاب پر دوسری نظر ان دونوں پر تھیں۔وہ لڑکی کسی بات پر ناراض لگ رہی تھی۔کچھ دیر بعد اس لڑکی نے اپنی کتابیں اٹھائیں،کرسی کو زور سے پیچھے کیا،بیگ پکڑا اور وہاں سے پیر پٹختی چلی گئی۔عمران احمد دونوں بازو سینے سے باندھے ٹانگ پر ٹانگ رکھے اسے دیکھ رہا تھا۔اس کے جانے کے بعد وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔عریش نے اپنا بیگ پکڑا اور بہت آرام سے چلتا ہوا عمران احمد کی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کافی اچھی پرفیوم کی خوشبو ہے۔" عریش نے گہری سانس لی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اس وقت تمہاری کلاس ہوتی ہے ناں۔"

"آج موسم کافی اچھا ہے تو اس لیے کلاس چھوڑ دی۔ویسے بھی یونیورسٹی میں فیئرویل پارٹی کی تیاری چل رہی ہے۔تو میں ادھر آ گیا۔" وہ انگڑائی لے کر بولا۔

"میری کلاس شروع ہونے والی ہے تم بیٹھو میں چلتا ہوں۔" وہ اپنی کتابیں سمیٹنے لگا۔

"میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔یہ بتاؤ وہ لڑکی کون تھی؟ اور یہ سب کب سے چل رہا ہے؟ مجھے اب تک خبر کیوں نہیں ہوئی۔" میز پر اپنا ہاتھ مار کر بولا۔"مجھے ان تینوں سوالوں کے جواب چاہئیں۔"

"نہ دوں تو۔" وہ ادھر ہی رک گیا۔

"مجھے لگا ہم دوست ہیں۔تو سوچا تمہاری مدد کر دوں۔" عریش فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"چل۔۔۔اچھا ہو گیا تم خود آ گئے۔میرے ساتھ چل مجھے ذرا کام ہے۔" اپنا بیگ لے کر چل پڑا۔عریش نے جلدی سے اپنا بیگ پکڑا اور اس کے پیچھے بھاگا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"کسی کا حساب پورا کرنا ہے۔"

"یعنی پھر کسی کی چھترول کرنی ہے۔تم نے تو اسے اپنی ہابی بنالی ہے۔اب کس کی شامت آئی ہے؟"

دونوں گراؤنڈ میں پہنچے۔عمران احمد نے بائیک سٹارٹ کی، عریش اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔بائیک لے کر یونیورسٹی سے باہر آ گیا۔بائیک کی سپیڈ کافی تیز تھی۔

"دو لوگوں کو سبق سکھانا ہے۔کافی دیر سے میری ان پر نظر تھی۔آج دوبارہ شہر آئے ہیں۔"

"وہ لڑکی کون تھی؟" عریش کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"یار، فرینڈ ہے میری۔" عمران احمد نے بائیک موڑی۔

"فرینڈ۔۔۔مطلب اس سے پہلے تو بھائی صاحب لڑکیوں سے میلوں دور رہتے تھے۔سچ سچ بتاؤ کون ہے وہ؟"

"میری گرل فرینڈ ہے۔ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

"بھابھی جی۔۔۔ارے واہ۔" عریش خوشی سے چلایا۔

عمران احمد نے ایک جگہ بائیک روکی۔دونوں بائیک سے اترے۔یہ ایک بازار تھا اور یہاں کافی رش تھا۔

"تم ادھر رکو، میں ابھی آتا ہوں۔آس پاس نظر رکھنا۔" عمران نے اسے کچھ ہدایت دیں اور گلیوں کے اندر غائب ہو گیا۔

عریش ادھر ہی بائیک سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور آس پاس نظر رکھنے لگا۔کچھ دیر گزر جانے کے بعد عمران احمد واپس آیا۔اب عریش آگے بیٹھا اور عمران احمد پیچھے اور بائیک بھگا دی۔اس بار وہ مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے ایک ہوٹل کے آگے رکے۔بائیک ہوٹل کے آگے روکی اور اندر دونوں داخل ہوئے۔ایک میز پر آمنے

سامنے بیٹھ گئے۔ یہ ہوٹل کافی بڑا تھا۔ یہاں کا ویٹر عمران احمد کا بہت اچھا دوست تھا۔

"مجھے اب ساری بات بتاؤ؟ ابھی کہاں گئے تھے۔ اور بھابھی جی کون ہیں۔" عریش نے ساتھ میں کھانے کا آرڈر دیا۔ ویٹر عمران احمد سے خوش ہو کر ملا۔ اور آرڈر لینے چلا گیا۔

"جہاں میں ابھی گیا تھا وہ باپ بیٹے تھے۔ کسی لڑکی کو تنگ کر رہے تھے۔ انہی کو سبق سکھانے گیا تھا۔" بیگ سے رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کیا۔ انگلیوں سے اپنے بال سیٹ کیے۔ "اور تمہاری بھابھی کا تعلق امریکہ سے ہے۔ یہاں پڑھنے آئی تھی بس۔۔۔۔"

"بس کیا۔۔۔ مجھ سے اب تک کیوں چھپایا؟"

ویٹر کھانا رکھ کر چلا گیا۔ عریش کھانا کھانے لگا۔

"اس کو مجھ سے پیار ہو گیا اور کیا؟ میں نے بھی ہاں کہہ دی۔ اب ٹینشن یہ ہے اسکی امی اسے واپس امریکہ بلا رہی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کی بیٹی پاکستان میں رہے۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"تو اب کیا کرنا ہے۔ گھر میں بات کیوں نہیں کی۔ اماں جی کافی پریشان ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے تم میری فکر مت کرو۔ میں اپنا دھیان رکھ سکتا ہوں۔ ویسے بھی تم میرے کسی کام نہیں آ سکتے۔۔۔" ابھی عمران کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔ ایک نقاب پوش آدمی ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس نے عمران احمد پر نشانہ باندھا۔ عمران احمد کی پشت اس کی طرف تھی۔ اس سے پہلے وہ فائر کرتا عریش فوراً کھڑا ہوا۔ وہ فائر عریش کو لگ گئے۔ وہ آدمی اس وقت بھاگ گیا۔ وہاں ہوٹل میں بھگدڑ مچ گئی۔ عریش ادھر زمین پر گر گیا۔ ایک پل میں اسکا پورا جسم خون میں نہا گیا۔ فرش سارا لال ہو گیا تھا۔ عمران احمد کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ عریش اس کے پاس زمین پر خون سے لت پت پڑا تھا۔ عمران نے فوراً اسے گود میں اٹھایا اور باہر بھاگا۔

اس کی قسمت اچھی تھی سڑک پر اسے ٹیکسی مل گئی۔ اسے فوراً اندر ڈالا اور خود ساتھ بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی ہسپتال کی طرف دوڑا دی۔ عمران احمد نے جیب سے رومال نکالا اور اس کے زخموں پر رکھ دیا۔ خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ عمران کے سارے کپڑے بھی خون سے بھر گئے تھے۔ وہ تو بیہوش ہو چکا تھا۔ وہ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

آخر کار وہ قریبی ہسپتال پہنچ گئے۔ اسے ایمرجنسی میں اندر لے جایا گیا۔ عمران نے فارم فل کیا اور ٹینشن سے آئی سی یو کے باہر چکر لگانے لگا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اتنے میں وہی ویٹر عمران اور عریش کے بیگ ہوٹل سے لے کر آ گیا۔ جو وہ جلدی میں ہوٹل چھوڑ آیا تھا۔ عمران احمد نے اس سے فوراً موبائل لے کر اپنے ایک دوست کو کال کی۔ وہ دونوں ادھر بیٹھ گئے۔ جب آئی سی یو کا دروازہ کھلا اور نرس باہر آئی۔

"اسکا خون کافی بہہ گیا ہے۔ جلدی سے بلڈ کا انتظام کریں۔" وہ یہ کہہ کر واپس چلی گئی۔

عمران احمد کے پسینے چھوٹ نے لگے۔ اپنے دو چار دوستوں کو فون کیا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد خون کا انتظام ہو گیا۔ اسکا آپریشن اب بھی جاری تھا۔ پولیس بھی ادھر آ گئی اور تفتیش کرنے لگی۔ عمران کے دوستوں نے انہیں ہینڈل کیا۔ وہ اس کنڈیشن میں نہیں تھا کہ ان کے سوالوں کے جواب دے۔ اسے یہ فکر بھی تھی کہ گھر پر کیا بتائے گا۔ وہ سر جھکا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اپنے ہاتھ کی انگلیاں مروڑنے لگا۔ وہ لگاتار درود شریف پڑھ رہا تھا۔ اس کے دوست پاس ہی بیٹھے تھے۔

شام ہو چکی تھی جب ڈاکٹر باہر آیا۔

"کیسا ہے۔۔۔ میرا بھائی کیسا ہے؟" عمران احمد کی سانسیں رکی ہوئی تھیں۔

"ابھی تو خطرے سے باہر ہے پر کمزوری بہت زیادہ ہے۔ ابھی اس کو آبزرویشن میں رکھا ہے۔ صبح کچھ ٹیسٹ ہوں گے پھر کچھ مزید پتہ چلے گا۔ تھوڑی دیر تک اسے روم میں شفٹ کر دیں گے پھر اس سے مل لینا۔" ڈاکٹر اسے بتا کر چلا گیا۔

وہ ادھر ہی زمین پر پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ اسکے آنسو بہنے لگے۔ اس کے دوست عارف نے اسے سہارا دیا اور عمران احمد کو کرسی پر بٹھایا۔

"پولیس دو بار چکر لگا چکی ہے۔ ہوٹل کو ابھی بند کر دیا ہے۔ آس پاس کوئی کیمرہ نہیں لگا ہوا تھا جس سے کچھ معلوم ہو سکے۔ پر یہ بات کنفرم ہے وہ تمہیں مارنے آئے تھے۔"

"میں ان کو چھوڑوں گا نہیں بزدل تھا جو اس نے پیچھے سے وار کیا۔"

"تم گھر فون کردو یا گھر جا کر کپڑے بدل آؤ۔سارے کپڑوں پر خون لگا ہوا ہے۔میں تب تک ادھر رکتا ہوں۔"عارف نے اسے مشورہ دیا۔

"ایک بار میں اپنے بھائی سے مل لوں۔سمجھ نہیں آ رہی اماں اور ابا کو کس طرح بتاؤں گا۔"

"عریش کو روم میں شفٹ کر دیا ہے۔ابھی تو وہ بیہوش ہے پر آپ اس سے مل سکتے ہیں۔"نرس انہیں بتا کر چلی گئی۔

عمران احمد اور عارف دوسری منزل پر پہنچے۔عمران احمد روم میں داخل ہوا۔اسے یوں محسوس ہوا جیسے اسکی ٹانگوں کو کسی نے زنجیر سے باندھ دیا ہے۔وہ بھاری قدموں سے اس کے بیڈ کے پاس پہنچا۔اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔وہ گہری نیند سو رہا تھا۔وہ اسے دیکھتا رہا۔انگلیوں کو مٹھی میں قید کر لیا۔

"میں اپنا دھیان رکھ سکتا ہوں۔۔۔"اسکے اپنے آخری الفاظ اس کے کانوں میں بار بار گونج رہے تھے۔وہ غلط تھا عریش نے بھائی ہونے کا حق ادا کیا تھا۔عارف کمرے میں آیا اور اسے باہر لے گیا۔

"دیکھ، گھر جا اپنے والدین کو سچ بتا دے۔میں ادھر رکتا ہوں۔رات ہونے سے پہلے واپس آ جانا۔"

عمران احمد عارف کے کہنے پر گھر گیا۔بابا جی ٹی وی دیکھ رہے تھے اور اماں جی کپڑے استری کر رہی تھیں۔اس کے لیے بہت مشکل تھا بڑی ہمت سے انہیں سچ بتایا۔بابا جی بڑے پریشان ہوئے۔وہ ولید صاحب کو کیا جواب دیں گے۔اماں جی تو رونا شروع ہو گئیں وہ جائے نماز پر بیٹھ کر دعا مانگنے لگیں۔

عمران احمد نے فوراً کپڑے بدلے اور ہسپتال جانے کے لیے واپس تیار ہو گیا۔بابا جی بھی ساتھ جانا چاہتے تھے پر عمران نے انہیں روک دیا۔وہ اکیلا واپس ہسپتال آ گیا۔عارف کو بھی گھر بھیج دیا۔خود اس کے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا۔وہ مسلسل اپنے دوستوں سے رابطے میں تھا۔آخر اسے پتہ تو کروانا تھا کہ حملہ کس نے کیا تھا۔

☆......☆......☆

آج آفتاب کے چھوٹے بیٹے کی سالگرہ تھی۔گھر میں پارٹی تھی اور پارٹی کی ساری ذمہ داری الماش پر تھی۔ساس صاحبہ نے مختلف کھانوں کی لسٹ بنا کر الماش کو پکڑا دی۔وہ صبح سے کچن میں مصروف تھی۔نند کل رات کو ہی اپنے بچوں کے ساتھ پہنچ چکی تھی۔

پہلے اس نے سارے گھر کی صفائیاں کیں۔ پھر بچوں کا کمرہ صاف کیا۔ان کے کپڑے استری کیے۔پارٹی بڑی تھی تو کھانا بھی اس حساب سے زیادہ بننا تھا۔سردی کی وجہ سے گیس کا مسئلہ تھا۔پر ساس اور نند کی ہدایت تھی کھانا اسی پر تیار ہوگا۔آفتاب کی بہن کی شادی اپنی خالہ کے گھر ہوئی تھی۔جس کا فائدہ وہ اٹھاتی۔وہ زیادہ وقت اپنی ماں کے گھر گزارتی۔

شام ہونے سے پہلے ہی الماش نے سارا کام ختم کر لیا تھا۔بریانی، کوفتے،چکن کڑاہی،فرنچ فرائس، کسٹرڈ،چکن نگٹس۔سارے کام کرنے کے باوجود اسے یہی سننے کو ملتا تم سارا دن کرتی کیا ہو۔الماش نے آگے سے کبھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔وہ ہمیشہ خاموش ہو جاتی۔اب تو آفتاب اس پر ہاتھ بھی اٹھاتا۔ساس اور نند ہمیشہ یہی طعنے مارتے۔نہ جانے اسکے گھر والوں نے اس کا رشتہ کیوں کر دیا تھا۔ان کا بیٹا اتنا خوبصورت ہے۔ ادھر آفتاب کو بھی اپنی خوبصورتی کا بہت غرور تھا۔

شام کو سب پارٹی میں جمع تھے۔گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔الماش نے بچوں کو تیار کر دیا تھا۔خود اس نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔حلیے سے وہ کام والی لگ رہی تھی۔کیک ماموں لے کر آئے تھے۔اسے ٹیبل پر رکھ دیا۔بس اب آفتاب کا انتظار تھا۔بچے بار بار اپنے والد کو فون کر رہے تھے۔الماش کچن کے دروازے پاس کھڑی تھی۔

گیٹ کھولنے کی آواز آئی۔آفتاب بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔اسکا حلیہ بگڑا ہوا تھا۔وہ سیدھا الماش کے آگے کھڑا ہو گیا۔سب اسے دیکھنے لگے۔سب سے زیادہ حیرت الماش کو ہوئی۔کیونکہ اس کے ابا انکل فرقان اور بھائی عظیم بھی ساتھ میں آئے تھے۔

"اس رات تم کس کے ساتھ تھی؟" آفتاب پاگلوں کی طرح زور سے چلایا۔

الماش کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔وہ بت بن گئی۔انکل فرقان اور عظیم دونوں ہال کے دروازے میں سر جھکا کر کھڑے تھے۔

" کیا ہوا ہے آفتاب بیٹا؟" اماں کی پیچھے سے آواز آئی۔

" آپ کو پتہ ہے یہ اپنے یار کے ساتھ پکڑی گئی تھی۔تبھی اس کے والدین نے اسکی شادی مجھ سے کر دی

تھی۔" اس نے جیسے سب پر بم پھوڑا ہو۔ وہ بلند آواز سے سب کو بتا رہا تھا۔" تبھی تو میں اس کے گھر والوں کو ساتھ لایا ہوں تا کہ انکی بیٹی کے کرتوت سب کو بتاؤں۔"

یہ باتیں سن کر الماش کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا۔ اس کو چکر آیا دروازے کے ہینڈل سے سہارا لیا۔

" مجھے تو پہلے سے ہی اس پر شک تھا۔ اس کو دھکے دے کر نکالو اس گھر سے۔" ساس کمر پر ہاتھ رکھ کر ناک چڑھا کر بولی۔

آفتاب نے اسی وقت سب کے سامنے اسے طلاق دے دی۔ الماش پر جیسے بجلی گری ہو۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے آفتاب کو دیکھ رہی تھی۔ پورے گھر پر سناٹا چھا گیا۔ اس کا ماضی ایک بار پھر اسکے سامنے آ گیا۔

" اپنی بیٹی کو لے جائیں یہاں سے، میرے بیٹے کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔" آفتاب کی ماں اپنا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ آفتاب نے اس کا بازو پکڑ کر زور سے باہر کو دھکا دیا۔ وہ ہال میں فرش پر جا گری۔

" نکل جاؤ میرے گھر سے۔ اپنی بیٹی کو لے جائیں یہاں سے ورنہ میں پورا محلہ اکٹھا کر لوں گا۔"

عظیم آگے بڑھا اسے بازو سے اٹھایا۔ وہ ابھی تک سکتے کی حالت میں تھی۔ بمشکل اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی۔ انکل فرقان فوراً گھر سے نکل گئے۔ عظیم بھی پیچھے چل دیا۔ الماش کھڑی ہوئی۔ دماغ فل گھوما ہوا تھا۔ ایک نظر پلٹ کر سب پر ڈالی۔ گہری سانس لی، اپنے آنسوؤں کو روکا اور لنگڑاتی ہوئی گھر سے باہر نکل گئی۔

گھر سے باہر قدم رکھا، رات کا اندھیرا ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ اچانک زور سے بادل گرجے۔ عظیم بھائی گلی کے کونے پر ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ اس نے ان کا چہرہ نہیں دیکھا۔ وہ چپ چاپ چلتی رہی۔ ابا تو نظر نہیں آئے۔ اس کی حالت ایسی تھی جیسے کسی مسافر کو بیچ راستے اتار دیا ہو اور اسے نہ راستہ معلوم ہو اور نہ منزل۔

وہ سڑک پر چلنے لگی۔ بجلی چمکی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔ اس نے ایک سویٹر پہنا ہوا تھا۔ پیروں میں جرابیں نہیں تھیں۔ بالوں کا جوڑا بنا ہوا تھا۔ جو دو دن پہلے بنایا تھا کام کی مصروفیت کی وجہ سے بالوں میں کنگھی بھی نہیں کی تھی۔ سر پر ایک شال تھی۔ آس پاس سے بہت سی گاڑیاں ہارن بجاتی گزر رہی تھیں۔ سڑک پر دکانوں پر رش تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر ان دکانوں پر ڈالی۔ وہاں ایک بوڑھا آدمی غبارے بیچ رہا تھا۔

وہ کہاں جا رہی تھی اسے ذرا ہوش نہیں تھا۔ وہ تو بس چلتی جا رہی تھی۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ اس

کے بال ہوا سے اڑ رہے تھے۔اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی قید سے آزاد ہو کر آئی ہو۔اسے نئی زندگی ملی ہو۔ سڑک پر شور، ٹھنڈی ہوا، گاڑیوں کا شور اسے سب اچھا لگ رہا تھا۔اتنے میں ایک رکشہ اس کے پاس آ کر رکا۔وہ ادھر رک گئی۔اندر عظیم بھائی بیٹھے تھے۔

وہ اس گھر میں دوبارہ نہیں جانا چاہتی تھی۔پر اتنی رات کو وہ جاتی کہاں۔خاموشی سے رکشے میں بیٹھ گئی۔ابا تو پہلے جا چکے تھے۔رکشہ سٹارٹ ہوا اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔اسکی نظر سڑک پر تھی۔بارش ہونے لگی۔ایک پل میں ساری سڑک گیلی ہو گئی۔اشارہ لال ہوا تو رکشہ رکا۔بارش کے قطرے اس کے چہرے پر پڑ رہے تھے۔اتنی سخت سردی میں بارش سے اسے راحت مل رہی تھی۔

رکشہ دوبارہ چل پڑا اور اب اس کے گھر کے باہر رکا۔وہ آرام سے اتری۔عظیم بھائی نے پیسے دیئے، چابی سے گیٹ کھولا اور فوراً اندر چلا گیا۔وہ بارش سے بھیگ چکی تھی۔اس نے گھر کے اندر قدم رکھا، بجلی زور سے چمکی۔پورا صحن روشن ہو گیا۔اس کی حالت آگے کنواں پیچھے کھائی والی تھی۔گھر میں جائے تو مصیبت اور اگر گھر سے چلی جائے تو مصیبت۔

وہ کتنی دیر اس بارش میں کھڑی رہی۔فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کیا کرے۔اس نے فیصلہ کر لیا وہ واپس مڑی۔دروازے کے لاک پر ہاتھ رکھا۔کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کہاں جا رہی ہو۔۔۔اندر چلو۔" بھابھی کی آواز تھی۔انھوں نے اسکا بازو پکڑا اور اسے اندر کھینچ کر لے گئیں۔وہ گھر کے اندر داخل ہوئی۔سامنے ٹی وی لاؤنج میں اسکی نظر دادی پر پڑی۔وہ اسے گھور رہی تھیں۔نہ سلام نہ دعا بس دادی اتنا بولی۔

"لے آئی ہو طلاق۔کروا دیا نہ ذلیل ہمیں پورے خاندان میں۔پڑ گئی تیرے کلیجے کو ٹھنڈ۔بکواس کی تھی واپس مت آنا۔"

"دادی، بس کریں۔" بھابھی بولیں۔"ابھی تو آئی ہے۔"

"ہاں تو کون سا معرکہ مار کے آئی ہے۔طلاق لے کر آئی ہے۔وہ اس کا باپ روتا ہوا اندر گیا ہے۔ابھی بھی اندر بیٹھا رو رہا ہے منحوس لڑکی۔۔۔" وہ غصے سے اٹھیں اسے گالیاں دیتی ہوئیں اندر کمرے میں چلی گئیں۔

الماش خاموشی سے کھڑی رہی۔ شاید وہ کڑوی باتوں کی عادی ہو چکی تھی۔ اب تو وہ طلاق یافتہ تھی۔ اسے تو بہت کچھ اب برداشت کرنا تھا۔

"ادھر آؤ۔۔۔۔" بھابھی اسے لے کر اس کے کمرے میں چلی گئیں۔ کمرے کی لائٹ آن کی۔ اس کا کمرہ بالکل ویسا تھا۔ اسے کرسی پر بٹھایا۔ سردی سے اسکا جسم کانپ رہا تھا۔ بھابھی نے اسکی الماری کھولی۔ الماری سے اسکے سردیوں کے کپڑے نکالے۔

"یہ لو جاؤ واش روم میں فوراً اپنے کپڑے بدل کر آؤ۔" ساتھ میں اسے تولیہ پکڑایا۔ وہ لنگڑاتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔ اسکے جسم پر چوٹوں کے نشان تھے۔ وہ نہا کر باہر نکلی۔ آسمانی رنگ کی موٹی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ کمرے میں ہیٹر جل رہا تھا۔ وہ ہیٹر کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔ ہیٹر کی گرمی سے اسے پورے جسم کو سکون ملا۔ کندھے پر تولیہ تھا۔ دروازہ کھلا، بھابھی اندر داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔ وہ ٹرے الماش کے پاس اسٹڈی ٹیبل پر رکھ دی۔

"تم نے اپنا سویٹر کیوں نہیں پہنا۔" بیڈ سے اسکا سویٹر اسے دیا اور اسے زبردستی پہنایا۔ "یہ گرم دودھ پیو اس سے پہلے کہ ٹھنڈا ہو جائے۔" ٹرے سے دودھ کا گلاس اٹھا کر اسے پکڑا دیا۔ اس نے وہ گلاس پکڑا اور ایک گھونٹ میں پی لیا۔ گرم دودھ پینے سے اسے راحت ملی۔ بھابھی نے اس کے گیلے بال خشک کیے۔ اور اسکے بالوں میں کنگھی کی۔ وہ سر جھکا بیٹھی رہی۔

"تمہارے لیے کھانا لائی ہوں۔ کھانے سے ناراض نہیں ہوتے، کھانا کھا لو۔" اس کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس لے لیا۔ "بعد میں دوا کھا لینا صبح بات کریں گے۔" انہوں نے تولیہ ہک پر ڈالا، کمرے سے باہر چلی گئیں اور دروازہ بند کر دیا۔

الماش کو حیرت ہوئی اتنے عرصے بعد کسی نے اس سے اچھے سے بات کی تھی۔ پر بھابھی کیوں اس کی اتنی فکر کر رہی تھیں۔ ٹیبل پر نظر پڑی۔ کڑی چاول پکے ہوئے تھے۔ یہ اسکی پسندیدہ ڈش ہوتی تھی۔ اب تو جو ملے وہ کھا لیتی تھی۔ دل تو نہیں کر رہا تھا۔ بھوک بھی بہت سخت لگ رہی تھی۔ پلیٹ میں کھانا ڈالا اور کھانا کھانے لگ گئی۔

"لے آئی طلاق۔۔۔۔ لے آئی طلاق۔" دادی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ بڑی مشکل سے

کھانا کھایا۔اس کے جسم میں کچھ جان آئی۔ پلیٹ میز پر رکھ دی۔ بیڈ سے جرابیں اٹھا کر پہنیں۔کرسی کی پشت سے شال لی ،اسے اوڑھ کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔وہ کتنی دیر سر جھکائے بیٹھی رہی۔آنسو اس کے گالوں سے ہوتے ہوئے زمین پر گرنے لگے۔

الماش کی عمر اٹھارہ سال ہو گی۔اس طلاق کے ساتھ اس نے اپنی زندگی گزارنی تھی۔اپنے آنسو صاف کیے۔چل کر کھڑکی کے پاس گئی۔کھڑکی کھولی۔ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر آیا۔ہوا سے اس کا سارا وجود لرز اٹھا۔بارش ابھی تک ہو رہی تھی۔بارش میں صحیح سے نظر تو نہیں آ رہا تھا۔پر آنٹی آمنہ کے گملے ابھی تک ویسے پڑے تھے۔اس نے کھڑکی بند کر دی۔لائٹ آف کی۔رضائی لی اور اپنے بیڈ پر لیٹ گئی۔عجیب کشمکش کا شکار تھی۔خوش ہوئی کہ اس جہنم سے جان چھوٹ گئی۔یا روئے کہ دوسری جہنم میں طلاق لے کر آ گئی ہے۔وہ تو کسی کو شکایت بھی نہیں کر سکتی۔اس گھر میں اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا تھا۔کیسے بات بات پر اسکی بے عزتی ہوتی تھی۔گھر کا سارا کام کرنے کے باوجود اسے ذلیل کیا جاتا تھا۔اسکا شوہر اسے مارتا تھا۔بچوں کی نظر میں وہ صرف ایک کام والی تھی۔

اپنی آنکھیں بند کر لیں۔کتنا اچھا ہوتا اگر اس نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہوتا۔وہ آنکھیں کھولتی اور سب ٹھیک ہو جاتا۔وہ کس طرح اپنے باپ کا سامنا کرے گی۔کس طرح دنیا والوں کو فیس کرے گی۔ابھی تو اسے عدت پوری کرنی ہے۔زندگی میں اس کے لیے اور کتنے امتحانات باقی تھے۔وہ سوچتے ہوئے سو گئی۔

☆......☆......☆

گھر میں شادی کی تیاریاں چل رہی تھیں۔عریش سارا دن گھر کے کاموں میں مصروف رہتا۔قاسم کو راستوں کا صحیح سے معلوم نہیں تھا۔اس لیے اس کے کاموں کی ذمہ داری بھی عریش نے لے لی تھی۔آنٹی راحیلہ تو بہت خوش تھیں۔اتنے سالوں بعد جا کر اپنے بیٹے کے ساتھ رہ رہی تھیں۔

شادی کو پندرہ دن آگے کر دیا تھا۔کیونکہ فائزہ کے سسر کو ڈاکٹر نے آرام کے لیے کہا تھا۔گھر میں پینٹ کا کام چل رہا تھا۔دوپہر کا وقت تھا۔عریش فائزہ کے کمرے کی پینٹ کروا رہا تھا۔ورکرز کھانا کھانے گھر سے باہر گئے تھے۔وہ بالکونی میں تھا۔جب فائزہ کمرے میں آئی۔وہ ابھی بازار سے واپس آئی تھی۔فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

"میں تم کو کیسے سمجھاؤں۔ میں تم سے نہیں مل سکتی۔تم کیوں مجھے پریشان کر رہے ہو۔"

عریش بالکونی کے دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا۔فائزہ کی آواز اسے صاف سنائی دے رہی تھی۔

"آج شام کو سب نے ایک پارٹی پر جانا ہے۔میں تب کوشش کروں گی کہ تم سے ملنے آجاؤں۔خدا کا واسطہ اس کے بعد مجھے تنگ نہ کرنا۔"

فون کاٹ دیا۔عریش نے کمرے میں جھانکا۔اس کی بہن رو رہی تھی۔اتنا تو اسے اندازہ ہو گیا کہ اسے کوئی بلیک میل کر رہا ہے۔آنٹی راحیلہ کی آواز دینے پر وہ کمرے سے باہر گئی۔وہ فوراً بالکونی سے نکل کر اپنے کمرے میں آگیا۔

"وہ کس سے باتیں کر رہی تھی؟ کیا کوئی اس کو تنگ کر رہا ہے۔فائزہ تو اتنے سال لندن میں تھی۔تو یہاں ایسا کون ہے جس کو وہ جانتی ہے۔اور اس سے ملنے بھی جا رہی ہے۔"سفید شلوار اور چاکلیٹ رنگ کی شرٹ پہنے کمرے کے چکر لگانے لگا۔"میں کیا فائزہ سے خود بات کروں۔یا بابا کو بتا دوں؟"

وہ اپنے کمرے سے باہر آیا، فائزہ زینے چڑھ کر اوپر آرہی تھی۔اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔آنٹی راحیلہ نے کئی بار اسے کہا تھا کہ پارلر سے ہو آئے پر وہ ہر بار ٹال دیتی۔وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔عریش نیچے آیا تو سامنے قاسم نظر آیا۔نارنجی کی شرٹ کے ساتھ جینز کی پینٹ پہنے، بالوں پر جیل لگائے۔وہ مزے سے صوفے پر بیٹھا موبائل پر گیم کھیل رہا تھا۔

عریش گھر سے باہر جانے لگا تھا۔آنٹی راحیلہ کے بلانے پر سب کچن میں کھانا کھانے کے لیے جمع ہو گئے۔ولید صاحب اور آنٹی راحیلہ پارٹی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔قاسم ان کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔اس کا دھیان اپنی گیم کی طرف تھا۔عریش کی نظریں فائزہ پر تھیں۔جو سر جھکائے کھانا کھا رہی تھی۔

"فائزہ، آپ جا کر تیار ہو جاؤ۔ہم نے شام کو پارٹی پر جانا۔" آنٹی راحیلہ نے ٹرائفل اپنی پلیٹ میں ڈالا۔

"اب ہمیشہ کی طرح لیٹ نہ ہونا۔" قاسم فوراً بولا اور فائزہ کو انگلی سے اشارہ کیا۔

فائزہ نے میز کے نیچے سے زور سے ٹانگ قاسم کو ماری۔قاسم فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔فائزہ اٹھ کر چلی گئی۔شام کو سب پارٹی پر جانے کے لیے تیار تھے۔عریش نے ویسے بھی نہیں جانا۔وہ کام کا بہانہ کر کے گھر پر رک

گیا۔ گھر پر مزدوروں کے ساتھ بزی ہو گیا۔ وہ چاروں پارٹی کے لیے نکل گئے۔ وہ پر سکون ہو گیا فائزہ ان کے ساتھ چلی گئی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ عریش نے قاسم کو کال ملائی۔ ولید صاحب کو کال نہیں مل رہی تھی۔ اسے پیسوں کے بارے میں بات کرنی تھی۔

"یار بابا تو اس وقت پورے مصروف ہیں۔ اپنے دوستوں کے ساتھ میں ان کو تنگ نہیں کر سکتا۔" قاسم جمائی لیتے ہوئے بولا۔

"میرے لیے ذرا سی ڈانٹ نہیں کھا سکتے۔" عریش نے مکھن لگایا۔

"نہیں میں اتنا اچھا بھائی نہیں ہوں۔ اچھا ہوتا میں بھی گھر پر رک جاتا، کم از کم یہاں بور تو نہیں ہوتا۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"تو اپنا فیورٹ کام کرو؟"

کیا؟"

"فائزہ سے لڑائی کر لو۔ تمہارا وقت اچھے سے گزر جائے گا۔"

"مشورہ اچھا ہے میں اس پر ضرور عمل کرتا اگر فائزہ پارٹی میں ہوتی۔"

"کیا مطلب؟" عریش کو شاک لگا۔

"یار، اسے اپنی کسی سکول کی فرینڈ کے گھر جانا تھا۔ وہ وہاں چلی گئی ہے۔ مجھے بھی ساتھ لے جاتی۔" اسے اپنے لیے دکھ ہو رہا تھا۔

"کب نکلی ہے؟ اس کا ایڈریس کہاں ہے؟" وہ بوکھلا گیا۔

"تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے۔ کسی شاپنگ مال میں ملنے کی بات کر رہے تھے۔" لاپرواہی سے بولا۔

"مجھے ابھی اس جگہ کا ایڈریس سینڈ کرو۔ جلدی۔" عریش کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اپنی بائیک کی چابی لی اور باہر کو بھاگا۔

"کیوں اچانک کیا ہو گیا؟"

"یار رات ہورہی ہے۔اکیلی واپس کیسے آئے گی۔" اس نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"اچھا۔۔۔میں سینڈ کررہا ہوں۔" قاسم نے کال کاٹ دی اور اسے میسج سینڈ کر دیا۔

عریش نے وہ میسج پڑھا۔فل سپیڈ سے بائیک دوڑا دی۔دل میں دعا کررہا تھا کہ اس کے سب خدشات غلط ہوں۔وہ اس جگہ پر پہنچا، بائیک روکی اور اندر بھاگا۔وہ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر اسے ڈھونڈنے لگا۔

"شاید اوپر کھانا کھانے گئی ہو۔"

وہ اوپر کو بھاگا۔وہ وہاں پر بھی نہیں تھی۔وہ واپس جانے لگا۔جب اسے فائزہ نیچے اترتی ہوئی نظر آئی۔اس کے ساتھ کوئی تھا۔وہ دوبارہ نیچے کو بھاگا۔اس کے نیچے پہنچنے تک فائزہ شاپنگ مال سے باہر نکل چکی تھی۔وہ باہر کو بھاگا، فائزہ کہیں بھی نظر نہیں آئی۔

وہ اسے پاس کی دکانوں میں دیکھنے لگا۔اچانک اس کی نظر ایک گاڑی پر پڑی، اس میں فائزہ تھی۔ساتھ میں کوئی لمبے بالوں والا لڑکا تھا۔کار تیزی سے اس کے پاس سے گزری۔عریش فٹ سے اپنی بائیک پر بیٹھا اور کار کے پیچھے بائیک بھگائی۔وہ لال رنگ کی گاڑی تھی۔رات کا وقت تھا۔ٹریفک بہت زیادہ تھی۔لال رنگ کی گاڑی بہت آگے نکل چکی تھی۔اس کی نظر اس گاڑی پر تھی۔وہ گاڑی پوش علاقے کی طرف جارہی تھی۔بدقسمتی سے ٹریفک سگنل میں عریش پھنس گیا۔وہ گاڑی اس سے مس ہوگئی۔

جیسے ہی ٹریفک سگنل کھلا اس نے بائیک دوبارہ دوڑائی۔وہ کار تو نظر نہیں آرہی تھی۔پر عریش اپنے دائیں بائیں ہر طرف دیکھتا ہوا جارہا تھا۔نمبر تو اس نے نوٹ کرلیا تھا۔وہ جس علاقے میں تھا یہ جگہ کافی سنسان تھی۔ابھی رات کے نو بج رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے سب اپنے گھروں میں سوچکے ہوں۔

عریش دیوانوں کی طرح مختلف سڑکوں پر بائیک گھما رہا تھا۔اسے پسینہ آرہا تھا۔حلق خشک ہوچکا تھا۔فائزہ کو کال کرنے کی کوشش کی پر اسکا نمبر آف مل رہا تھا۔اس نے ہمت نہیں ہاری۔ٹینشن سے اسکا برا حال ہورہا تھا۔

وہ اس جگہ سے واپس جانے والا تھا۔جب وہی لال گاڑی اسے ایک دکان کے آگے نظر آئی۔اس سے پہلے وہ بائیک سے اتر کر اس گاڑی کے پاس جاتا۔ایک آدمی دکان سے نکل کر اس گاڑی میں بیٹھا۔اس کے ہاتھ میں کھانے کا سامان تھا۔یہ وہ آدمی تو بالکل نہیں تھا۔جو فائزہ کے ساتھ تھا۔

وہ آدمی گاڑی میں بیٹھا اور کار سٹارٹ کی، عریش نے پھر سے بائیک اس کے پیچھے لگا دی۔ جیسے ہی وہ خالی سڑک پر پہنچا۔ عریش نے فل سپیڈ سے بائیک کار کے آگے روک دی۔ اس آدمی نے فوراً بریک لگا دی۔ اس سے پہلے وہ عریش سے کچھ کہتا۔ عریش بائیک کو ادھر سڑک پر چھوڑ کر اس آدمی کی طرف لپکا۔ اسے بیچ سڑک میں گریبان سے پکڑ لیا۔ اسے دو چار گھونسے دے مارے۔

"یہ کار کس کی ہے؟ کس گھر سے آئے ہو۔" اس کے سر پر خون سوار ہو گیا تھا۔ ایک ایک پل اہم تھا۔

وہ اس کا ڈرائیور تھا۔ جو بھی تھا وہ پورا اناڑی تھا۔ سب کچھ فوراً اگل دیا۔ گھر پاس ہی تھا۔ عریش دوبارہ بائیک پر سوار ہوا۔ اس کے ساتھ گھر تک پہنچا۔ اسے دھمکی دے کر گھر میں داخل ہوا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ خوف سے جسم کانپ رہا تھا۔ گھر کی تمام لائٹس آن تھیں۔ وہ آرام سے گھر کی تلاشی لینے لگا۔ سامنے بڑا سا ٹی وی ہال تھا۔ سارے گھر میں ماربل لگا ہوا تھا۔ نیچے والی منزل میں تین کمرے اور ایک کچن تھا۔

اوپر والی منزل سے باتوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ دھڑکتے دل سے بنا آواز کیے زینے چڑھ کر اوپر گیا۔ اوپر والی منزل میں چار کمرے تھے۔ وہ اس کمرے کے پاس پہنچا۔ عریش کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں قید کر لیا ہو۔ وہ فائزہ کی آواز تھی، وہ رو رہی تھی۔ عریش نے فٹ سے دروازہ کھول دیا۔

اندر کمرے میں بیڈ پر فائزہ بیٹھی تھی۔ پاس وہی لمبے بالوں والا ایک لڑکا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کیمرہ تھا۔ کمرے سے گندی بو آ رہی تھی۔ فائزہ کا دوپٹہ زمین پر گرا ہوا تھا۔ اسکے چہرے پر انگلیوں کے نشانات واضح تھے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ کسی بھی بھائی کے لیے اپنی بہن کو اس حالت میں دیکھ کر کیا حالت ہو سکتی ہے۔

"تم کون ہو؟" لمبے بالوں والا چلایا۔

عریش کمرے میں داخل ہوا۔ اس سے پہلے وہ اس کو پکڑتا۔ فائزہ زور سے چلائی۔ عریش کے پیچھے ایک لڑکا داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کا پائپ تھا۔ وہ عریش کو مارنے والا تھا۔ فائزہ کے چلانے پر عریش فٹ سے سائیڈ پر ہوا۔ وہ فل نشے میں وحشت تھا۔ اس لیے عریش بچ گیا۔ فائزہ بھاگ کر اپنے بھائی سے چپک گئی۔ وہ ادھر زمین پر گر گیا۔ عریش نے فرش سے شراب کی بوتل اٹھالی۔

"میں تم دونوں کو چھوڑوں گا نہیں۔" اس نے کیمرہ بیڈ پر پھینک دیا۔ اس سے پہلے وہ کوئی ہتھیار نکالتا۔

عریش نے وہ بوتل اسکی کمر پر دے ماری۔خون کا فوارہ نکلا، ساتھ میں اس کی چیخ نکلی۔پورا فرش خون سے بھر گیا۔شرابی لڑکا ڈر کر فوراً پیچھے ہو گیا۔عریش اور لمبے بالوں والے میں ہاتھا پائی ہو گئی۔چونکہ اسے چوٹ لگی تھی۔اسکی کمر سے خون نکل رہا تھا۔عریش نے اس چیز کا فائدہ اٹھایا اور اس پر حاوی ہو گیا۔

لمبے بالوں والا جس کا نام یاسر تھا۔وہ معافی مانگنے لگا۔فائزہ مسلسل رو رہی تھی۔عریش کا دماغ فل گرم تھا۔ اپنے بھائی کو اتنے غصے میں اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔وہ تو شاید اسے جان سے مار دیتا۔فائزہ نے اسے بڑی مشکل سے روکا۔اپنا دوپٹہ فرش سے اٹھایا اور بیڈ سے اپنا بیگ پکڑا۔عریش اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر لے گیا۔وہ دونوں ادھر زمین پر بیہوش پڑے تھے۔

گیٹ کے پاس پہنچے تو ڈرائیور بھی شراب پی کر بیہوش پڑا تھا۔فائزہ سر جھکائے اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ سر پر دوپٹہ لیا ہوا تھا۔اپنی بائیک کے پاس پہنچے۔عریش بائیک پر سوار ہوا۔اس کے موبائل پر کال آئی۔قاسم نے کال کی تھی۔اس نے نا جانے کیا کہا عریش نے غصے سے فائزہ کو دیکھا۔فائزہ کی پہلے ہی بری حالت تھی۔اسے لگا وہ ابھی اس کی روح نکال لے گا۔

وہ بائیک سے اترا۔اپنی بہن کو زور سے دھکا دیا۔وہ زمین پر گر گئی۔کل بارش ہوئی تھی۔وہ اس پانی پر گری اسکے سارے کپڑے خراب ہو گئے۔گھٹنوں پر گھاس کے نشان لگ گئے۔اسکا ہاتھ بری طرح زخمی ہو گیا۔

"بائیک پر بیٹھو۔" غصے سے چلایا۔فائزہ کھڑی ہوئی۔وہ چپ چاپ بائیک پر بیٹھ گئی۔اپنے بھائی سے اسے ایسی امید نہیں تھی۔یوں سڑک پر اس کی بے عزتی کرے گا۔اس کے آنسو بہنے لگے۔عریش نے فل سپیڈ سے بائیک چلائی۔وہ سہم کر پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔

ایک خطرناک سفر طے کرنے کے بعد وہ گھر پہنچے۔بائیک گیٹ کے آگے روکی۔وہ بائیک سے اتر کر کھڑی ہوئی۔اسے چکر آنے لگے۔جو اس کے ساتھ ہوا تھا۔یا ہونے جا رہا تھا وہ کم تکلیف دہ نہیں تھا۔عریش بائیک سے اتر کر زمین پر بیٹھا۔کھڑا ہوا، اپنی بہن کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے گیا۔فائزہ کے قدم پتھر کے ہو گئے۔

"کیا وہ سب کو سچ بتا دے گا۔۔۔بابا تو اسے جان سے مار دیں گے۔"

اس نے اپنی بہن کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ٹی وی لاؤنج میں پہنچتے ہی عریش نے بلند آواز میں سلام

کی۔فائزہ کی جیسے سامنے نظر پڑی۔وہ تو ادھر جم گئی۔جیسے کسی نے اس کنپٹی پر بندوق رکھ لی ہو۔اسے فائر کرنے والا ہو۔ٹی وی لاؤنج میں اسکے امی، بابا، قاسم کے علاوہ اس کی ساس، سسر اور بڑی نند بیٹھے تھے۔وہ سب فائزہ کو اور فائزہ ان کو حیرت سے دیکھ ہی تھی۔اس بیچاری کی حالت ہی کچھ ایسی تھی۔اس سے پہلے کوئی کچھ بولتا عریش دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر کے بولا۔

"معاف کرنا ہم کپڑے لینے گئے تھے۔وہ تو ملے نہیں بس واپسی پر چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

"زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔" آنٹی راحیلہ فوراً فائزہ کے پاس آئیں۔

"کیا ہوا تھا؟ پولیس کو کال تھی؟ ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں؟" سب کے ایک جیسے سوالات اور تاثرات تھے۔

"امی، آپ اسے اندر لے جائیں۔" فائزہ کی طرف اشارہ کیا۔"زیادہ فکر کی بات نہیں ہے۔بس ہمارے آگے ایک چھوٹا بچہ سائیکل لے کر آ گیا تھا۔سائیڈ سے ٹرک آ گیا۔اس بچے کو بچاتے ہوئے، بائیک پھسل گئی۔شکر ہے بچت ہو گئی۔"

آنٹی فائزہ کو کمرے میں لے گئیں۔اسکے ساس سسر فکرمند نظر آ رہے تھے۔

"بھائی، آپ بھی کپڑے بدل لیں۔میں فرسٹ ایڈ کا باکس لاتا ہوں۔" قاسم اندر کمرے میں چلا گیا۔

عریش نے وہاں سے جانا بہتر سمجھا۔ولید صاحب ان دونوں کو گھور رہے تھے۔

فائزہ نے مڑ کر دیکھا، عریش کی سفید شلوار پر کیچڑ اور گھاس کے دھبے لگے تھے۔اسکے آستین اور ہاتھ بھی مٹی سے بھرے ہوئے تھے۔وہ بھی اس کے پیچھے اوپر آ رہا تھا۔فائزہ نے اپنا منہ پھیر لیا۔وہ اپنے بھائی سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔اپنے کمرے میں آ گئی۔

"زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔تم ایسا کرو جا کر نہا لو میں تمہارے کپڑے الماری سے نکال دیتی ہوں۔" آنٹی راحیلہ الماری سے اس کے کپڑے نکالنے لگیں۔

فائزہ نے بیگ بیڈ پر پھینک دیا۔اپنا دوپٹہ اتارا اور کرسی کی پشت سے اپنا تولیہ لیا۔آنٹی راحیلہ نے اسے اسکا سوٹ پکڑایا۔

"فائزہ، تم ٹھیک ہو نا۔" اس کے گالوں کو پیار سے چھوا۔ان کی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔آنٹی

راحیلہ کے گلے لگ کر رونے لگی۔ وہ بھی اسے پیار کرنے لگیں اور اسکے بالوں میں اپنا ہاتھ پھیرنے لگیں۔ اسکی شادی قریب تھی شاید گھبرا گئی ہو۔ وہ اسے تسلی دینے لگیں۔

"میری بچی پریشان مت ہو۔ تم اسی شہر میں ہمارے پاس رہو گی۔ جب چاہے ملنے آ جانا۔"

فائزہ نے بڑی مشکل سے خود پر کنٹرول کیا۔ وہ کیا بولتی اگر آج وقت پر بھائی نہ پہنچتا تو اس کے ساتھ آج کیا ہو جاتا۔ اس کی زندگی تباہ ہو جاتی۔

"تم جا کر فریش ہو جاؤ۔ میں مہمانوں کے پاس جاتی ہوں۔" اس کے ماتھے کو بوسہ دیا اور بیڈ روم سے باہر چلی گئیں۔ وہ اپنے کپڑے لے کر واش روم چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد واش روم سے نکلی تو آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ تولیے سے بال خشک کر رہی جب نظر سامنے پڑی۔ عریش دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے، سینے پر بازو لپیٹے کھڑا تھا۔ وہ ادھر ہی رک گئی۔

"مجھے اسکا فون نمبر دو۔" اسکا لہجہ سپاٹ تھا۔ فائزہ نے بنا کچھ بولے اپنے بیگ سے موبائل نکال کر اسکی طرف بڑھا دیا۔

وہ جانے لگا تو اس کی آواز پر رکا۔

"کیا اب تک وہاں پولیس نہیں پہنچ چکی ہو گی۔ کیا مجھے پولیس سٹیشن جانا ہو گا؟" رک رک کر پوچھا۔

"بہتر ہو گا نماز پڑھ کر اللہ سے معافی مانگو۔ ابھی مہمان آئے ہوئے ہیں۔ رات کو تفصیل سے بات ہو گی۔" بنا مڑے بولا اور کمرے سے نکل گیا۔

فائزہ ادھر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اپنے ناخن کھانے لگی۔ اسے یاد آ رہا تھا اس نے نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ دن کو فیس بک استعمال کرتی اور رات کو فلمیں دیکھتی۔ اگر بابا کو پتہ چل جاتا انکی بیٹی آج کہاں سے آ رہی ہے۔ وہ تو اسے جان سے مار دیتے۔ اسکا سارا جسم کانپ گیا۔ اٹھ کر واش روم گئی، وضو کیا۔ جائے نماز بچھائی اور عشاء کی نماز ادا کی۔ اسے رب سے معافی بھی مانگنی تھی اور اس پاک ذات کا شکر ادا بھی کرنا تھا۔ جس نے اس کی عزت بچا لی۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر عینک لگائے میڈیکل رپورٹ پڑھ رہا تھا۔عمران احمد اس کے پاس بے چینی سے بیٹھا ہوا تھا۔عریش کو ہسپتال میں ایڈمیٹ ہوئے تین دن ہو چکے تھے۔آج اسکی رپورٹس آئی تھیں۔

"ڈاکٹر کچھ تو بولیں۔مجھے ٹینشن ہو رہی ہے۔" اپنی بائیں ٹانگ مسلسل ہلا رہا تھا۔

"عمران احمد۔۔۔ٹینشن کی بات واقعی ہے۔"

" کیا ہوا، کچھ تو بولیں۔" سیدھا ہوا دونوں ہاتھ میز پر رکھ لیے۔

" رپورٹس اچھی نہیں ہیں۔اس کا کافی خون بہا ہے اور۔۔۔"

"اب کیا ہوگا؟ میرا مطلب ہے۔" ڈاکٹر کی بات سن کر اسے دھچکا لگا۔

"میرا مشورہ ہے آپ کو ابھی اپنے بھائی سے اس بارے میں بات مت کرنا۔ابھی وہ اس کنڈیشن میں نہیں ہے۔" اپنی عینک اتار کر میز پر رکھ دی۔

عمران سر جھکا کر بیٹھ گیا۔یہ اس کے لیے کافی تکلیف دہ تھا۔اسکی وجہ سے اس کے بھائی کو یہ تکلیف برداشت کرنا ہوگی۔

"میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔کوریڈور سے گزر کر نیچے آیا۔میڈیکل سٹور سے دوائیاں لیں۔اپنے دوست کو فون کیا۔پھر عریش کے پاس آ گیا۔وہ بیڈ پر لیٹا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔پہلے سے کافی کمزور ہو گیا تھا۔سر پر چوٹ کا نشان تھا۔

"یار، میں ان پولیس والوں سے بہت تنگ آ گیا ہوں۔بار بار ایک ہی سوال پوچھنے آ جاتے ہیں۔"

"تم بھی تو بار بار انکو ایک ہی جواب دیتے ہو۔" میز پر دوائیاں رکھیں۔

"تو جو میں نے دیکھا تھا وہی بتاؤں گا نا۔اس نے نقاب کیا ہوا تھا۔" چڑچڑا ہو کر بولا۔

"اچھا اب نہیں آئیں گے تم آرام کرو۔" بیگ سے سوپ نکالا اسے پیالے میں ڈالا۔وہ پیالہ عریش کے پاس لے آیا۔اماں جی اور بابا جی صبح ہی ہو کر گئے تھے۔ساتھ میں عریش کے کپڑے اور کھانا دے گئے تھے۔عمران احمد ہسپتال میں رکا تھا۔گھر جا کر نہاتا پھر واپس آ جاتا۔

"ڈاکٹر نے کیا بتایا میری رپورٹس کے بارے میں؟" عمران احمد پر نظر ڈالی جو بیگ سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

"تم بالکل ٹھیک ہو۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تم کو دس ماہ تک بیڈ ریسٹ کرنا ہے۔" بیگ سے چمچہ نکالا اور عریش کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"کیا؟ دس ماہ تک۔" حیرت سے بولا۔

عمران احمد نے ایک قہقہہ لگا۔ بیڈ کو اونچا کیا میز پر پیالہ رکھ کر عریش کے پاس کر دیا۔

"آپ بھی ناں۔" وہ بھی مسکرانے لگا۔ "مجھے بس اپنے پیپرز کی فکر ہے۔ کہیں سال نہ مس ہو جاتا۔"

"تم یہ سوپ پی لو۔ انشاءاللہ بہت جلد گھر پر ہو گے۔" اس کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ویسے وہ کون لوگ تھے؟" سوپ کا چمچہ لیا۔

"دو لوگوں پر شک ہے۔" ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا۔ "شام تک پتہ چل جائے گا۔"

"کیا بھابھی نے اپنے اکلوتے دیور کا حال نہیں پوچھا۔" گہری سانس لے کر معصومیت سے بولا۔

"دس بار فون کر کے حال پوچھ چکی ہے۔"

"نہیں۔۔۔نہیں ایسا نہیں چلے گا۔ کسی کا حال اس سے مل کر پوچھتے ہیں۔" انگلی سے اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے نہ پریشان ہو آ جائے گی حال تمہارا پوچھنے۔" اپنے سر کو خم دیا۔

"ویسے آپ دونوں کی سٹوری کیا ہے۔ مجھے بھائی ہونے کے ناطے جاننا ہے۔" ٹشو سے اپنا منہ صاف کیا۔

"اچھا ٹھیک ہے بھائی صاحب۔ ہم آج سے پانچ سال پہلے ملے تھے۔ مجھے بس سٹاپ پر کسی کو چھوڑنے جانا تھا۔ وہاں پر پہلی بار ملاقات ہوئی تھی۔"

"اسے ادھر چھوڑ کر بھابھی کو لے آئے۔" عریش آنکھ مار کر بولا۔

"میں نہیں بتا رہا۔" اٹھ کر جانے لگا۔

"اچھا۔۔۔اچھا اب نہیں بولتا۔" سوپ کا پیالہ سائیڈ پر کر دیا۔

"اب بیچ میں مت بولنا۔" دوبارہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ "سردیوں کے دن تھے۔ رات کا وقت تھا۔ اسے اسی یونیورسٹی کے ہوسٹل میں آنا تھا۔ تو میں نے اسے لفٹ دی۔ بس پہلے دوستی ہوئی پھر محبت۔"

اپنے شانے اچکائے۔

"ہوں۔۔۔ویسے لگتا نہیں ہے آپ جیسا انسان محبت کر سکتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"آپ بڑے سڑے ہوئے انسان لگتے ہیں۔جو انسان مسکرا کر بات نہیں کرتا اسے محبت ہو جائے حیرت ہے۔"

"میری یہ چیز تو اسے پسند آئی تھی۔" اب کی بار عمران احمد نے آنکھ ماری۔دونوں ہنسنے لگے۔

"پر اب مسئلہ کیا ہے؟"

"وہ امریکہ سے آئی ہے۔اب اس کی والدہ اسے اپنے پاس واپس بلانا چاہتی ہیں۔" عریش کے آگے سے سوپ کا پیالہ اٹھا کر بیگ میں ڈالا۔اس کے لیے دوا نکالی۔

"آپ فکر نہ کریں۔مل کر کوئی پلان بناتے ہیں۔جب بھابھی راضی ہیں تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔" عمران احمد سے دوا لے کر لیٹ گیا۔عمران پاس کرسی پر بیٹھ گیا۔اگرچہ ان میں کوئی رشتہ نہیں تھا۔پر عریش کی معصومیت نے اس کا دل جیت لیا تھا۔اسے بہت پیارا بھائی مل گیا تھا۔اس نے اس کی جان بچائی ہے۔جس کا احسان وہ ساری زندگی نہیں اتار سکتا تھا۔

عریش کی رپورٹس نے اسے دکھی کر دیا تھا۔اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنے بھائی کو سچ کیسے بتائے۔وہ تو دوا کھا کر سو گیا۔پر اس کی نیند اڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

سردی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔سخت ٹھنڈ سے لوگ بیمار پڑنے لگے تھے۔سورج تو ہفتوں سے غائب تھا۔ایسے میں دھند نے سارے شہر کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔سردی کی وجہ سے ہر طرف عجیب سی اداسی پھیلی ہوئی تھی۔

اپنے کمرے کی کھڑکی سے وہ باہر صحن میں لگے مرجھائے ہوئے پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔اس کا دل بھی ان پھولوں کی طرح مرجھا گیا تھا۔بھورے رنگ کی شلوار قمیض پہنے،سر پر بڑی سی چادر اوڑھے وہ اداس کھڑی تھی۔

اس کی طلاق کو ہوئے پندرہ دن ہو گئے تھے۔تب سے وہ اپنے کمرے میں بند تھی۔بھابھی آ کر اس کو کھانا دے جاتیں۔وہ خاموشی سے کھا لیتی ان سے بھی کوئی بات نہ کرتی۔ابھی وہ کرسی پر بیٹھی اپنی ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی۔دروازہ ناک ہوا۔آنے والے انسان سے پہلے اسکی خوشبو سے اسکا کمرہ بھر گیا۔

"کیسی ہو؟۔سوری مجھے تمہارے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا۔"وہ ہیل پہنے اندر داخل ہوئی۔جینز کے اوپر ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔بال کھلے تھے اور ہمیشہ کی طرح میک اپ کیا ہوا تھا۔

"تم سناؤ کیسی ہو؟"

"میں تو ٹھیک ہوں۔تم بتاؤ پہلے اچانک شادی کر لی اور پھر طلاق بھی لے لی۔کیا ہوا تھا؟"انعم بیڈ پر بیٹھ گئی۔

الماش خاموش ہو گئی۔اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔اپنا دکھ کسی کو سنا کر ہمدردی سننے کی عادی نہیں تھی۔

"تم بتاؤ پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"الماش نے بات بدل دی۔

"اچھی جا رہی ہے۔آج کل چھٹیاں ہیں تو بس انجوائے کر رہی ہوں۔کل مری گھومنے کا پروگرام بنایا ہے۔مجھے پتا چلا تم آئی ہو سوچا چل کر مل لوں۔ایک کام کرو تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔"جینز کی جیب سے موبائل نکالا۔اس سے پہلے سامنے کرسی پر بیٹھی لڑکی کچھ بولتی۔فوراً موبائل سائیڈ پر کر کے بولی۔

"تمہاری تو عدت چل رہی ہے۔سوری۔"منہ ٹیڑھا کر کے بولی۔

"کوئی بات نہیں۔میں۔۔۔۔"اس کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی دادی دروازے پر آ گئیں۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔جاؤ اپنے گھر میں۔"غصے سے اپنی سگی پوتی کو دیکھا اور ہاتھ سے انعم کو جانے کا اشارہ کیا۔

وہ بیڈ سے اٹھی الماش کو مسکرا کر دیکھا۔نخرے دکھاتی کمرے سے نکل گئی۔اسکے جاتے ہی دادی نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔جیسے اندر کوئی مجرم موجود ہو۔انکے جاتے ہی وہ کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔اس کی طبیعت خراب ہو رہی تھی۔پر کسی کو کہنے کی ہمت نہیں تھی۔

شام کو بھابھی کمرے میں آئیں۔الماش کو آواز دی اور چائے لے کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ایک چائے کا کپ اسے پکڑایا دوسرا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"آج گھر پر کوئی نہیں ہے۔سب تائی کنزا کے تیسرے بیٹے کی منگنی پر گئے ہیں۔تو میں تمہارے پاس آ گئی۔"

"تو آپ کو میری رکھوالی کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔"اپنے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کیا۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔"ہنس کر بولی۔"مجھے نہیں جانا تھا تو میں نہیں گئی۔یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا کر رکھی ہے۔میری بات کا برا نہیں ماننا، مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ اس رشتے کا یہی انجام ہوگا۔"چائے کا سپ لیا۔

"ابھی تو پہلی طلاق ہوئی ہے ناں جانے آگے۔۔۔"

"بکواس بند رکھو اپنی۔"اس کی بات کاٹ دی۔"اللہ سے اچھی امید رکھو۔وہ کوئی شادی تھی۔مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تم اپنے لیے لڑتی کیوں نہیں۔"اسے گھور کر دیکھا۔وہ خاموش رہی۔تو بھابھی پھر بولیں۔

"الماش۔۔۔کیا تم نے ساری زندگی ایسے ہی گزار دینی ہے۔اپنے آنے والے وقت کے بارے میں کچھ سوچو۔میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔" کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔" گھر والے سب،تم سے سخت ناراض ہیں۔"

"جانتی ہوں صرف ناراض نہیں ہیں۔نفرت بھی کرتے ہیں۔نہ جانے کب مجھے غیرت کے نام پر قتل کر دیں۔"اس کا سر جھکا ہوا تھا۔اپنی انگلی رضائی کی کڑھائی پر پھیر رہی تھی۔

"اپنے لیے سٹینڈ لو۔عدت ختم ہوتی ہے تو پھر سے اپنی پڑھائی شروع کرلو۔"

"ہمم۔۔۔جیسے گھر والے مان جائیں گے۔"طنزاً بولی۔

"تم ارادہ کرو اللہ تم کو ہمت دے گا۔اب ساری زندگی تم اس کمرے میں تو نہیں گزار سکتی۔حشر دیکھو انہوں نے تمہارا کیا کیا ہے۔اللہ پوچھے گا انہیں۔"

"میری جو قسمت میں لکھا تھا وہ مجھے ملا ہے۔"سپاٹ لہجے میں بولی اور بیڈ سے اتر گئی۔"مجھے نماز پڑھنی ہے۔مجھے معلوم ہے بھائی نے آپ کو سختی سے منع کیا ہے مجھ سے بات کرنے لیے۔آپ پلیز میری وجہ سے گھر کا ماحول خراب نہ کریں۔میری سمجھ سے باہر ہے آپ میرا اتنا دھیان کیوں رکھتی ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ واش روم گھس گئی۔بھابھی نے دونوں چائے کے کپ ٹرے میں رکھے۔"میں تو بس وعدہ نبھا رہی ہوں۔"چائے کے کپ لے کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

جس دن آنٹی آمنہ ہسپتال میں تھیں۔ بھابھی ان کے پاس تھی۔ آنٹی آمنہ کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔ انہوں نے اپنی ہونے والی بہو کو اپنے پاس بلایا تھا۔ اور اس سے وعدہ لیا تھا۔ اگر ان کو کچھ ہو جائے تو وہ الماش کا دھیان رکھے گی۔ اس ہی وجہ سے وہ الماش کی اتنی فکر کرتی تھیں۔ وہ تو بس اپنا ساس سے کیا ہوا وعدہ نبھا رہی تھی۔

☆......☆......☆

چالیس سالہ عورت نے اپنے بیگ سے ایک پیکٹ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ سامنے والے شخص نے وہ پیکٹ اٹھایا اور اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ وہ سفید رنگ کے کرتہ پاجامہ میں ملبوس تھا۔ کرتہ پر سلوٹیں تھیں۔ آستین فولڈ کی ہوئی تھیں۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے جیسے وہ ان تصویروں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر شکن پڑ رہی تھی۔

ڈرائنگ روم میں وہ عورت اور شکاری دونوں میز کے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ اے سی فل سپیڈ میں چل رہا تھا۔ اس کے باوجود اس عورت کو پسینہ آرہا تھا۔ رمضان بھی پاس بیٹھا ہوا تھا۔

" پلیز میری مدد کرو۔ میرے بچی کو میرے پاس واپس لے آؤ۔ " وہ عورت رونے لگی۔ " ان لوگوں نے میری بیٹی کو اغواء کیا ہے اور یہ تصویریں سینڈ کی ہیں۔ "

" کل اسکی بیٹی سکول سے واپس آرہی تھی۔ جب راستے سے اسے اغواء کر لیا گیا تھا۔ " رمضان نے بتایا۔

" واپس کیسے آتی ہے؟ "

" رکشے پر آتی جاتی ہے۔ جس نے اغواء کیا ہے اس نے رکشے والے کو راستے میں روک کر اسے بھی مارا ہے۔ وہ ہسپتال میں داخل ہے۔ "

" آپ کے شوہر کہاں ہیں؟ شکاری نے تصویریں میز پر رکھ دیں۔

" جی میرے شوہر ملک سے باہر ہوتے ہیں۔ میں نے بتا دیا ہے رات کی فلائٹ سے آرہے ہیں۔ "

" بھابھی، یہ آپ نے کیا کر دیا ہے۔ میں نے آپ کو منع کیا تھا۔ " کمرے میں ایک شخص داخل ہوا اور کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ " یہ پولیس کو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ "

"جی پولیس پر کون بھروسہ کرتا ہے۔ جو ملزم ہوتا ہے اسی پر شک کرنے لگتے ہیں۔" وہ آدمی صوفے پر بیٹھ گیا۔ "ان ہی سے رشوت مانگنے لگتے ہیں۔ بھابھی، کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں تھا۔ جو رقم انہوں نے مانگی ہے دے کر اپنی بچی کو گھر واپس لاتے ہیں۔"

"آپ کی تعریف؟ آپ کون ہیں؟" شکاری نے سوال کیا۔

"میں اس بچی کا چاچو ہوں۔ میں ساتھ والے گھر میں رہتا ہوں۔"

"ہم اب چلتے ہیں۔ کوئی فون آئے تو ہمیں ضرور کال کرنا۔" شکاری کھڑا ہو گیا۔ اس آدمی سے ہاتھ ملا کر باہر جانے لگا۔ بچی کی ماں ہاتھ جوڑ کر رونے لگی۔

"خدا کا واسطہ ہے میری بچی کو لا دو۔ وہ تو ابھی پانچ سال کی ہے۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ لے لو۔ بس میری واپس لا دو۔ میں نے کل سے اپنی بیٹی کی شکل نہیں دیکھی۔ نہ جانے کس حال میں ہو گی۔"

"آپ فکر نہ کریں سب انشاءاللہ ٹھیک ہو جائے گا" رمضان نے انہیں تسلی دی۔ دونوں گھر سے باہر نکل آئے۔

"اس عورت نے پولیس سٹیشن میں شکایت کیوں نہیں کی۔" وہ اپنی بائیک سے ٹیک لگائے ہاتھ سینے پر باندھے کھڑا تھا۔

"سیدھی سی بات ہے بدنامی کا ڈر ہے۔ لوگ کیا بولیں گے اور اگر بات میڈیا میں آ گئی تو پورے شہر میں بات پھیل جائے گی۔ ویسے بھی اس کے دیور نے بھی منع کیا ہے۔" رمضان نے جیب سے سگریٹ نکال کر جلایا۔

"کتنے پیسے مانگے ہیں؟ اور اس کا شوہر کیا کرتا ہے۔"

"پچاسی لاکھ مانگے ہیں۔ جہاں تک رہی اسکے شوہر کی بات اسکی دبئی میں کپڑوں کی دکان ہے۔ اچھا کما لیتا ہے دوپہر کا وقت تھا۔ دونوں انکے گھر کے سامنے کھڑے تھے۔ رمضان نے سگریٹ زمین پر پھینک دیا۔ اسکا گھر پاس ہی تھا وہ اپنے گھر چلا گیا۔ شکاری نے اپنی پشاوری چپل اس سگریٹ پر رکھ کر اسے اپنی جوتی سے مسل دی۔ ایک نگاہ اس گھر پر ڈالی۔ اپنی بائیک پر بیٹھا اور اس محلے سے نکل آیا۔ وہ عورت رمضان کے محلے میں رہتی تھی۔ اس ہی لیے اس نے رمضان سے مدد مانگی تھی۔

وہ سب سے پہلے ہسپتال پہنچا۔ جہاں پر وہ رکشے والا ایڈمٹ تھا۔ وہ وہاں پر نہیں تھا۔ وہ سیدھا اس بچی کے

سکول میں پہنچا۔ابھی سکول میں چھٹی نہیں ہوئی تھی۔سکول کے چوکیدار سے اس رکشے والے کا ایڈریس معلوم ہوا۔اس نے بائیک اسکے گھر کی طرف بھگائی۔وہاں جا کر دیکھا اس کے گھر تالا لگا ہوا تھا۔محلے والوں سے پتہ چلا اسکا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔اس لیے اپنے گاؤں چلا گیا ہے۔

شکاری وہاں سے نکل کر اس جگہ پر پہنچا۔جہاں پر وہ بچی اغواء ہوئی تھی۔اپنی بائیک اس جگہ پر روکی۔اسے کوئی سراغ تو نہیں ملا البتہ اس سڑک کی موڑ پر ایک سی سی ٹی وی لگا ہوا تھا۔اس نے فون کر کے معلوم کیا تو پتہ چلا وہ کیمرہ خراب ہے۔موبائل بند کر کے جیب میں ڈالا۔اس ہی سڑک پر ایک میڈکل سٹور تھا۔شاید کوئی سراغ مل جائے۔اس ہی امید سے اس دکان پر چلا گیا۔دکان کے مالک سے اجازت لے کر انکے کیمرے کی ریکارڈنگ چیک کی۔اس ریکارڈنگ کو اپنے موبائل میں محفوظ کر لیا۔

میڈکل سٹور سے اپنے لیے کچھ سامان خریدا اور گھر کے لیے نکل پڑا۔گھر آ کر اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ پر اس ویڈیو کو اچھے سے دیکھا۔کچھ تو تھا جو اسے کھٹک رہا تھا۔رمضان کو کال ملائی، اس سے کچھ مزید انفرمیشن لی۔کچن میں گیا، فریج کھولی، پانی کی بوتل نکالی۔بوتل سے منہ لگا کر پانی پیا۔موبائل پر رنگ ہوئی، موبائل دیکھا۔فلک کا فون تھا۔ٹی وی لاؤنج میں آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔اس سے کچھ دیر بات کی۔تھوڑی دیر بعد پھر سے رمضان کی کال آئی۔اس نے جو بتایا اسے شاک لگا۔فوراً بائیک کی چابی اٹھائی اور گھر سے نکل پڑا۔

☆......☆......☆

"میری اور یاسر کی دوستی فیس بک پر ہوئی تھی۔میں لندن میں اور وہ پاکستان میں ماس میڈیا کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔شروع میں ہماری گفتگو صرف پڑھائی پر ہوتی۔پھر اکثر مجھے وہ کال کرنے لگا۔میں نے سوچا بات کرنے میں کیا حرج ہے۔میں تو لندن میں رہتی ہوں۔میں بھی اس سے بات کرنے لگی۔"

"پھر۔"

"مجھے کیا معلوم تھا ہم پاکستان واپس آ جائیں گے۔میں نے غلطی کر دی اسے بتا کر کہ میں پاکستان آ رہی ہوں۔" کچھ دیر رک کر بولی۔"وہ مجھ سے ایک بار ملنا چاہتا تھا۔میں نے سوچا ملنے میں کیا حرج ہے۔"

صبح کا وقت تھا۔ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔فائزہ اور عریش دونوں بالکونی میں تھے۔فائزہ سر جھکا کر

موڑھے پر بیٹھی تھی۔عریش اس کے سامنے دروازے سے ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا تھا۔اس نے نائٹ ڈریس پہنا ہوا تھا۔عریش کے سامنے سورج کی کرنیں آہستہ آہستہ ہر طرف پھیل رہی تھیں۔ایک نیا دن شروع ہو رہا تھا۔چڑیا اپنے گھونسلوں سے نکل کر خدا کا شکرادا کرتیں ہوا میں اڑ رہی تھیں۔

"میں اس سے ملنے چلی گئی۔وہ کہنے لگا وہ مجھے پسند کرنے لگا ہے۔پر میں اسے پسند نہیں کرتی۔میرے انکار کرنے پر وہ مجھے بلیک میل کرنے لگا۔وہ جانتا ہے میری شادی ہونے والی ہے۔۔۔"

"تم اس سے کتنی بار ملی ہو؟" اسکی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"دو دفعہ ملی ہوں۔بھائی، میرا یقین کرو میں اسے پسند نہیں کرتی۔اسکے پاس میری کچھ تصویریں ہیں۔جو اس نے فیس بک سے لی ہیں۔مجھے نہیں معلوم تھا وہ اتنا گھٹیا انسان ہوگا۔" اس کے آنسو بہنے لگے۔

"تم شادی کی تیاری کرو۔میں دیکھتا ہوں کیا کر سکتا ہوں۔اپنے ایک دوست کی مدد سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" اسکا لہجہ کافی سخت تھا۔" کیا ضرورت تھی اس سے دوستی کرنے کی۔تم خود ماس میڈیا کی سٹوڈنٹ ہو۔کیا تم کو نہیں پتہ کہ کسی پر بھروسہ نہیں کرنا۔کس طرح لوگ فراڈ کرتے ہیں۔"

"بھائی پلیز، امی اور ابو کو کچھ نہیں بتانا۔اس شخص نے میری زندگی عذاب بنادی ہے۔یاسر مجھے دھمکی دے رہا تھا۔اگر میں نے میری بات نہیں مانی۔تو وہ میرے سسرال والوں کو بتا دے گا۔"

"فائزہ، اللہ سے معافی مانگو۔وہ ذات بہت رحمت کرنے والی ہے۔تم بس لگا تار درود شریف پڑھتی رہو۔انشاء اللہ وہ ذات تمہاری مدد کرے گی۔" اس کے سر پر پیار دیا اور کمرے سے چلا گیا۔عریش نے اسے یہ نہیں بتایا کہ وہ اس گھر سے آتے ہوئے کیمرہ اپنے ساتھ لے آیا تھا۔اسے خود اس شادی کا بے چینی سے انتظار تھا۔اسے کرن کا انتظار تھا۔کب وہ آئے گی اور سب کو بتائے گی۔اس دن وہ اسکی مدد کر رہا تھا۔وہ بے قصور ہے۔اپنے کپڑے بدل کر اپنے ایک دوست سے ملنے چلا گیا۔اسے سب سے پہلے اپنی بہن کی مدد کرنی تھی۔

چند دن بعد فائزہ کی شادی ہوگئی۔وہ اس شادی پر نہیں آیا۔اسے جس کا انتظار تھا۔کرن کا وہ بھی شادی پر نہیں آئی تھی۔عریش کی ساری امیدیں ٹوٹ گئیں۔اسے ابھی بھی مجرم بن کر جینا تھا۔

فائزہ کی شادی کو چند روز ہو گئے تھے۔عریش اپنے کمرے میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔جب ولید صاحب

اور آنٹی راحیلہ نے اسے اپنے کمرے میں بلایا۔وہ دونوں صوفے پر بیٹھے تھے۔وہ پاس صوفے پر بیٹھ گیا۔ابھی وہ بات شروع کرنے والے تھے۔قاسم بھی اندر آکر انکے پاس بیٹھ گیا۔ولید صاحب نے بات شروع کی۔

"میں نے اللہ کے کرم سے اپنی ایک ذمہ داری پوری کرلی ہے۔اب میں چاہتا ہوں۔اپنا دوسرا فرض بھی ادا کردوں۔"

قاسم اور عریش دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"عریش، ہم نے تمہارا رشتہ طے کردیا ہے۔"

عریش پر جیسے بجلی گری ہو۔اس کا حیرت سے منہ کھول گیا۔یہ اس کے لیے شاکنگ نیوز تھی۔

"میں نے آپ سے پہلے کہا تھا میں نے شادی نہیں کرنی۔" فوراً بولا۔

"میں انکار سننے نہیں بیٹھا۔دو ماہ کے اندر تمہاری شادی ہے۔تمہیں جو جاب آفر ہوئی ہے۔یونیورسٹی میں پروفیسر کے لیے وہ جاب ایکسپٹ کرلو۔" ولید صاحب اپنا فیصلہ سنا چکے تھے۔

"مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ بھی ڈٹ گیا۔آنٹی راحیلہ اور قاسم ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔یہ پہلی بار تھا جب عریش نے کسی بات سے انکار کیا تھا۔

"وہ میرے دوست کی بیٹی ہے۔پڑھی لکھی اور خوبصورت ہے۔"

"میں آپ لوگوں کو کیسے سمجھاؤں میں نے شادی نہیں کرنی۔" وہ پہلی بار بلند آواز میں بولا۔ولید صاحب خاموش ہوگئے۔

"مجھے معاف کردیں۔میرا مقصد آپ کو دکھ دینا نہیں ہے۔بس مجھے شادی نہیں کرنی۔"

"عریش، کیا تم کسی کو پسند کرتے ہو؟" آنٹی راحیلہ نے سوال کیا۔

"نہیں۔۔۔ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"پھر کیا وجہ ہے؟ کیا تم ماضی کی وجہ سے انکار کر رہے ہو۔" ولید صاحب نے صاف گوئی سے کام لیا۔

عریش کافی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔"ہاں میں کسی کو پسند کرتا تھا۔" کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا "اس نے انکار کردیا۔میں اب کسی اور سے شادی نہیں کرسکتا۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ قاسم نے بھی وہاں سے جانا بہتر سمجھا۔ آنٹی راحیلہ کو لگا وہ مذاق کر رہا ہے۔

"میں اسے سمجھا لوں گی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

ولید صاحب کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ اتنا تو وہ سمجھ گئے تھے کہ عریش جھوٹ نہیں بول رہا۔

اس بات کو ہوئے تین دن گزر چکے تھے۔ عریش کو اپنی یونیورسٹی میں لیکچرار کی جاب مل گئی۔ وہ اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھا سٹوڈنٹس کو پڑھانے کے لیے نوٹس تیار کر رہا تھا۔ پاس میز پر کچھ کتابیں پڑی تھیں۔ ایک ہاتھ میں کافی کا مگ تھا۔ قاسم اس کے کمرے میں بیڈ پر لیٹا میگزین پڑھ رہا تھا۔ دروازہ کھولا، ولید صاحب اندر داخل ہوئے۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ قاسم بھی بیڈ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔۔۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ بیڈ پر بیٹھ گئے۔ پہلے سے کافی کمزور ہو چکے تھے۔

"سب خیریت ہے۔" عریش کرسی کا رخ بیڈ کی طرف کر کے بیٹھ گیا۔

"میں نے اپنے دوست کو شادی کے لیے نہ کہہ دی ہے۔"

"شکریہ۔" عریش مسکرایا۔

"پروفیسر صاحب۔۔۔ میں نے تمہارا رشتہ کہیں اور طے کر دیا ہے۔" اب وہ مسکرائے۔ قاسم خاموشی سے دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔

"پر۔۔۔"

"میں تمہارا باپ ہوں۔ سوتیلا ہی سہی۔ پر مجھے بات منوانی آتی ہے۔ ایک ماہ کے اندر تمہاری شادی ہے۔ اب میں انکار نہیں سنوں گا۔ قاسم بیٹا، آپ بھی شادی کی تیاری کر لو۔"

"جی ڈیڈی۔" اس نے مسکرا کر اپنے بھائی کو دیکھا۔ جو ابھی بھی شاک میں تھا۔

وہ قاسم کی طرف مڑے "مجھے انکار نہیں سننا۔ میں نے تمہارا رشتہ اپنے دوست کی بیٹی سے طے کر دیا ہے۔ تم دونوں کی شادی ایک ساتھ ہو گی۔"

وہ یہ کہہ کر اٹھے اور کمرے سے چلے گئے۔ عریش اپنے ہاتھ میں پکڑے خالی کپ کو دیکھنے لگا۔ وہ اچھے سے

جانتا تھا۔ولید صاحب کی کہی بات پتھر پر لکیر کے برابر ہوتی ہے۔اب زیادہ شاک میں قاسم تھا۔عریش نے صوفے سے گدی اٹھا کر اسے ماری۔وہ پیر پٹختا کمرے سے نکل گیا۔عریش بھی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔اس کا موڈ آف ہو گیا۔اپنی نئی جاب کے لیے وہ بہت خوش تھا۔اپنا لیپ ٹاپ بند کیا۔اور کمرے کے چکر لگانے لگا۔

☆......☆......☆

کوئٹہ

عریش صحت یاب ہو کر گھر آ چکا تھا۔اسے تین گولیاں لگی تھیں۔خون تو بہت بہا تھا۔جسکی وجہ سے اسے کافی کمزوری ہو گئی تھی۔اماں جی روز اس کے لیے سوپ بنا لاتی تھیں۔

"اب میں سوپ پی کر تنگ آ چکا ہوں۔کچھ اور نہیں مل سکتا۔" اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھا وہ سوپ کے باؤل کو گھور رہا تھا۔

"صاحب جی۔۔۔یہ سب آپ کی صحت کے لیے فائدہ مند ہے"عمران احمد ہاتھ باندھ کر پاس کھڑا ہو گیا۔

"بھائی نہ تنگ کریں۔میں تو ویسے کہہ رہا تھا۔" سوپ کا چمچ اپنے منہ میں ڈالا۔"میں سوچ رہا ہوں اب یونیورسٹی جانا شروع کر دوں۔پہلے ہی بہت چھٹیاں ہو چکی ہیں۔"

"ابھی ایک ہفتہ ٹھہر جاؤ۔پھر چلے جانا۔" پاس کرسی پر بیٹھ گئے۔"ابھی پیپرز ہونے میں دس دن پڑے ہیں۔میں تمہیں نوٹس لا دوں گا۔تم آرام سے تیاری کر لینا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔پر یہ بتائیں بھابھی نے کیا فیصلہ کیا ہے۔امی کی بات مانیں گی یا ادھر رہنا پسند کریں گی۔ویسے میرے خیال سے انکے والد صاحب سے بات کریں۔جب وہ ہسپتال آئے تھے۔انکی باتوں سے لگ رہا تھا کہ انہیں پاکستان بہت پسند ہے۔پر اپنی بیگم یعنی آپ کی ساسو ماں کی وجہ سے خاموش ہیں۔" ٹشو سے اپنا منہ صاف کیا۔

"وہ تو شادی کے لیے مان گئے ہیں۔بس اس کی امی نہیں مان رہیں۔" افسردگی سے بولا۔"دو ہفتے بعد وہ واپس جا رہے ہیں۔" ٹینشن سے اپنی بائیں ٹانگ ہلانے لگا۔

"یہ تو بڑا مسئلہ ہو گیا ہے۔آپ کورٹ میرج کر لیں۔۔۔"

"بکواس نہ کرو۔"

"پہلے میری پوری بات سن لیں۔آپ انکل کو اعتماد میں لیں۔آپ ان کے گھر جا کر ان سے بات کریں۔ مجھے آپ پر بھروسہ ہے۔آپ انہیں منا لیں گے۔ہم آج ہی چلتے ہیں۔"

"خبردار جو بیڈ سے نیچے اپنا پیر بھی رکھا۔" انگلی سے اسے وارن کیا۔اس پر کمبل دیا۔"یار یہ معاملات ایسے طے نہیں ہوتے۔میں خود منہ اٹھا کر اپنا رشتہ لے جاؤں۔" خفا ہوا۔

"بھائی، اب میری بات غور سے سنیں۔ان کے فادر ایک وکیل ہیں۔اگر آپ ان کو اعتماد میں لیں، ان کو یقین دلائیں کہ آپ ان کی بیٹی کو خوش رکھیں گے۔اسے اچھی زندگی دیں گے۔اسکا ساری زندگی ساتھ دیں گے۔تو وہ آپ ضرور مانیں گے۔"

"مگر۔۔۔"

"ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی۔" ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔"وکیل ہونے کے ناطے وہ انسان کو اچھے سے پرکھنا جانتے ہیں۔وہ آپ سے بہت گھما پھرا کر سوال کریں گے۔ظاہری بات ہے اپنی بیٹی کے لیے ہر باپ فکر مند ہوتا ہے۔اگر آپ ان کے ہر سوال کا اچھے سے جواب دیں گے تو وہ ضرور مان جائیں گے۔"

"تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟" آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔

"پہلی بات جب وہ ہسپتال آئے تھے۔تو آپ دونوں باتیں کر رہے تھے۔وہ آپ کی باتوں سے کافی متاثر ہو آرام سے ادھر بیٹھے رہے۔دوسری بات انکی باتوں سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ امریکی ماحول سے خوش نہیں تھے۔ساری زندگی جاب میں گزر جاتی ہے۔انسان اپنی فیملی کو ٹائم ہی نہیں دے پاتا۔"

"یار جوتے نہ پڑ جائیں۔" اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔

"اب پیار کیا ہے تو فیس کریں۔ایک کام کرتے ہیں میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" بیڈ سے اٹھنے لگا۔

"اچھا رک جاؤ۔۔۔میں کچھ کرتا ہوں۔" کھڑا ہو گیا۔

"بھائی، وقت کم ہے۔لگتا ہے آپ اس طرح نہیں مانیں گے۔مجھے ہی۔۔۔" عریش نے پھر کمبل سائیڈ پر کیا۔

"یار تو آرام کر۔۔۔میں آج اور ابھی جا رہا ہوں۔" اپنے دونوں ہاتھ ہوا میں کھڑے کر لیے۔

"مجھے پوری امید ہے وہ مان جائیں گے۔" بیسٹ آف لک کا اشارہ کیا۔

عمران احمد دروازے کے پاس جا کر واپس مڑا" تم کیسے اتنا یقین سے کہہ رہے ہو کہ انکل مان جائیں گے۔"

"کیونکہ آپ انسان کی عزت کرنا جانتے ہو۔ شادی کے بعد پیار کے ساتھ اپنی بیگم کو عزت دینا بھی بہت ضروری ہے۔ میری بھی بہن ہے۔ غلط مشورہ نہیں دوں گا۔ اگر آپ اس کے ساتھ مخلص نہ ہوتے، تو میں آپ کو کبھی فورس نہ کرتا۔" اپنی دوا نکال کر کھانے لگا۔

"تمہارے گھر والوں کو تم پر بھروسہ کرنا چاہیے تھا۔" وہ یہ کہہ کر فوراً کمرے سے نکل گیا۔

عریش نے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ کرن کی بات کر رہا تھا۔ اسے پھر سے سب یاد آیا۔ وہ اب دوبارہ دکھی نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا۔ اگر کوئی تمہارے کردار کو چوک میں بھی لٹکا دے۔ تو یاد رکھنا عزت اور ذلت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اپنی دوا کھا کر بستر پر لیٹ گیا۔ اسے سخت بے چینی ہونے لگی۔ یہ وقت کیسے گزرے گا یہ وہی بہتر بتا سکتا تھا۔ اپنے بھائی پر اسے پورا بھروسہ تھا۔ وہ خوش خبری لے کر لوٹے گا۔

☆......☆......☆

"یہ اس گھر میں رہ رہی ہے۔ یہی کافی ہے کوئی کسر نہیں چھوڑی اس نے ہمیں ذلیل کرنے کروانے کی۔ اب کیا دنیا بھر میں ہمیں مزید ذلیل کروا کر دم لے گی۔"

"اسے صرف پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ سارا دن کمرے میں بند رہ کر پاگل ہو جائے گی۔" بھابھی نے چائے کا کپ پہلے انکل فرقان کو دیا پھر اپنے شوہر عظیم کو۔

"بیگم۔۔۔ تم اس مسئلے میں نہ آؤ تو بہتر ہے۔ اس کے قصے اس کے سسرال تک پہنچے ہیں۔ تبھی تو اسے طلاق ہوئی ہے۔" چائے کا کپ میز پر رکھ دیا۔

"میں اسکی گارنٹی لیتی ہوں۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ صرف دو سال کی بات ہے۔ ابو جی پلیز مان جائیں۔ وہ پہلے ہی تباہ ہو چکی ہے۔" بھابھی نے سفارش کی۔

"اچھا ہوتا پیدا ہوتے ہی مر جاتی۔ جو کرنا ہے کرو بس وہ مجھے اپنی شکل نہ دکھائے۔ میری بیٹی میری زندگی میں عذاب بن کر آئی ہے۔" انکل فرقان نے خالی کپ میز پر رکھا اور کمرے سے نکل گئے۔

"چین آ گیا ہے تمہیں۔ اسکی وجہ سے میرا باپ بیمار پڑ گیا ہے۔ مجھے معلوم ہے میں نے اپنے اوپر کیسے کنٹرول رکھا ہے۔ میرا بس نہیں چلتا اسے جان سے مار دوں۔" وہ بھی میز کو ٹھوکر مارتا کمرے سے نکل گیا۔

بھابھی نے چائے کے کپ اٹھائے اور کچن میں رکھے۔ الماش کچن میں بیٹھی مٹر کے دانے نکال رہی تھی۔ چہرے سے کافی دنوں کی بیمار لگ رہی تھی۔

"الماش، وہ۔۔۔۔"

"میں نے سب سن لیا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ گھر سے نہیں بھاگ جاتی۔"

"بکواس نہ کرو۔ میرے بیٹے کو بیمار بنا کر آگے سے زبان چلاتی ہو۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔" دادی کچن میں داخل ہوئیں۔

"دادی، پھر نہ شروع ہو جانا۔ آپ روزانہ ایک ہی بات کرتی ہیں۔" بھابھی نے پیاز دیگچی میں ڈالے۔

"بہو۔۔۔ پاگل کر دیا ہے اس نے مجھے۔ خبردار جو اس نے کچن کا کوئی کام کیا۔"

"دادی وہ اچھوت نہیں ہے۔ بس کر دیں۔"

الماش یہ سن اپنے کمرے میں آ گئی۔ دروازہ بند کر دیا اور بیڈ پر بیٹھ کر رونے لگی۔ اسے اس گھر میں چار ماہ ہو چکے تھے۔ اسے روز یاد دلوایا جاتا کہ وہ گناہ گار ہے۔ اس گھر میں سب مصیبتیں اور تکلیفیں صرف اس ہی کی وجہ سے ہیں۔ جب سے اس نے بھابھی کو بتایا تھا کہ اس کے سسرال والوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تب سے وہ اور اسکے دشمن بن گئے تھے۔

الماش نے بڑی مشکل سے اپنے آپکو سنبھالا اور کالج میں ایڈمیشن لے لیا۔ دادی تو اور اسکے خلاف ہو گئی تھیں۔ وہ صبح برقعہ پہن کر کالج جاتی۔ کالج سے آنے کے وہ سارا دن اپنے کمرے میں رہتی۔ کالج جانے کے چند ماہ بعد اس نے ٹیوشن میں پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ اس سے وہ اپنا سارا خرچہ نکال لیتی۔

عظیم بھائی کو اللہ نے ایک بیٹی سے نوازا۔ سب گھر والے بہت خوش تھے۔ الماش بھی بہت خوش تھی۔ اس نے اپنے کچھ پیسوں سے اپنی بھتیجی کے لیے کچھ تحفے خریدے۔ بھابھی ہسپتال سے اپنے میکے چلی گئی تھیں۔ آج ہی گھر لوٹی تھیں۔ جب وہ اپنے کمرے میں اکیلی تھیں تو الماش گھر والوں سے سب سے چھپ کر بھابھی کے

کمرے میں گئی۔ وہ اپنے ساتھ وہ تحفے بھی لے کر گئی۔

"شکر ہے تم اپنی بھتیجی سے ملنے تو آئی۔ کم از کم مجھے فون کر کے مبارک باد ہی دے دیتی۔" وہ خفا ہوئیں۔ بھابھی بیڈ پر اپنی بیٹی لے کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"بھابھی، آپ تو جانتی ہیں میرے پاس موبائل نہیں ہے۔ یہ کچھ تحفے لے کر آئی تھی۔" اپنے دوپٹہ کے نیچے سے ایک پیکٹ نکال کر بھابھی کو دیا۔

"مجھے بہت خوشی ہے تم میری بیٹی کے لیے کچھ لے کر آئی ہو۔ پر اپنے لیے بھی کچھ خرید لیتی۔ کب سے یہی دو سوٹ پہن رہی ہو۔ میں بھی تمہارے لیے سوٹ لائی تھی۔ تم نے وہ بھی واپس کر دیئے۔" بھابھی اس پیکٹ کو کھول کر دیکھنے لگی۔ اتنے میں عظیم بھائی کمرے میں داخل ہوئے۔

"یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟" وہ غصے سے بولے۔

"کیا ہو گیا ہے اکلوتی پھوپھو ہے۔۔۔۔"

"تم اپنا منہ بند رکھو۔" عظیم بھائی اپنی بیگم کی بات کاٹ کر بولے۔ "چلی جاؤ یہاں سے میں نہیں چاہتا اس کا سایہ بھی میری بیٹی پر پڑے۔" انہوں نے ہاتھ سے کمرے کی باہر کی طرف اشارہ کیا اور اپنی بیوی کو گھورنے لگے۔ الماش کمرے سے جانے لگی۔

"اپنے ساتھ یہ پیکٹ بھی لے کر جاؤ، جو تم لائی ہو۔"

الماش نے وہ پیکٹ بھابھی کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور فوراً کمرے سے نکل گئی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ بہن ہے وہ آپ کی۔"

"آئندہ وہ میری بیٹی کو ہاتھ بھی نہیں لگائے۔ اللہ نہ کرے کل کو میری بیٹی اس جیسی نہ بن جائے۔" عظیم بھائی نے ہاتھ میں پکڑا فروٹ والا شاپر میز پر رکھا اور واش روم چلے گئے۔ بھابھی کو بہت دکھ ہوا۔ انکی بیٹی رونے لگی تو اسے بستر پر لٹا کر اسکے لیے دودھ بنانے لگیں۔

الماش اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس پیکٹ کو الماری میں رکھ دیا۔ اب تو اسے رونا بھی نہیں آتا تھا۔ اپنے کمرے میں زمین پر بیٹھ کر کالج کا کام کرنے لگی۔ اسے اپنے بھائی کے رویے پر سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ اسکے

دروازے پر ناک ہوئی۔ وہ جانتی تھی بھابھی ہوں گی پر اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ وہ کبھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے بھائی بھابھی سے ناراض ہوئیں۔

شام کو تائی کنزا ان کے گھر آئیں۔ الماش اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی۔ اس کے سر میں سخت درد ہو رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے ادھر زمین پر لیٹ گئی۔

"میں تائی کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ مجھے پتہ ہے یہ سب ان کا کیا دھرا ہے۔ میری زندگی انہوں نے تباہ کی ہے۔" آج بہت دنوں بعد اسے علیم بھائی کی آواز سنائی دی۔ وہ اٹھ کر باہر جانے لگی پھر رک گئی۔ علیم اسکی شادی کے بعد امریکہ چلا گیا تھا۔ اسکی باہر جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

علیم کو آئے کئی دن ہو چکے تھے۔ ان دونوں کی ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ پہلے سے زیادہ اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگی۔ کالج میں بھی اس نے کسی سے دوستی نہیں کی۔ گھر میں سب اس سے نفرت کرتے تھے اس نے یہ قبول کر لیا تھا۔ اب اس کا کالج ختم ہو چکا تھا۔ وہ صرف چھوٹے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی تھی۔

اسکی طلاق کو ہوئے چار سال ہو چکے تھے۔ اس نے کئی بار کوشش کی اپنے بابا سے بات کرنے کی۔ پر ہر بار وہ اسے نظر انداز کر دیتے۔ علیم تو اسکی شکل بھی نہیں دیکھتا تھا۔ عظیم کی بیٹی لائبہ دو سال کی ہو گئی تھی۔ وہ جب صحن میں کھیل رہی ہوتی۔ تو وہ اسے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھ لیتی۔

ایک دن وہ ٹیوشن سے واپس گھر آئی۔ وہ اپنے کمرے میں جانے لگی دادی کے بلانے پر ٹی وی ہال میں رک گئی۔ برقعہ پہنا ہوا تھا۔ ہاتھ میں فائل پکڑی ہوئی تھی۔ دادی ہال میں موجود تخت پوش پر بیٹھی تھیں۔ سب گھر والے پاس بیٹھے تھے۔

"ہم نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔ دس دن بعد تمہارا نکاح ہے۔ ساتھ میں رخصتی بھی ہے۔"

"مجھے شادی نہیں کرنی۔" مختصر جواب دیا۔ وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ بھابھی اسکے پیچھے اسکے کمرے میں آ گئیں۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے؟"

"میں اپنی زندگی سے بہت خوش ہوں۔" اپنا برقعہ اتار کر ہک پر لٹکایا۔

"انہیں تمہاری شادی اور اس مسئلے کے بارے میں پتہ ہے۔" انہوں نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

"الماش ہاں کہہ دو علیم کی شادی ہو رہی ہے۔۔۔"

"مجھے کیا کس کے ساتھ ہو رہی ہے۔" ان کی بات کاٹ کر بولی۔ "بس مجھے شادی نہیں کرنی۔ میں کسی کی زندگی خراب نہیں کر سکتی۔" سر پر دوپٹہ لے کر واش روم گئی۔ وضو کرنے لگی۔

"اس سے اچھا رشتہ نہیں ہو سکتا۔" بھابھی واش روم کے دروازے پر کھڑی ہوئیں۔ "میں اس لیے مانی ہوں کیونکہ اسے بھی وہی مسئلہ ہے جو۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گئیں۔

الماش نے انکی طرف دیکھا۔ وضو کر کے باہر آئی۔ وہ نماز پڑھنے لگی۔ بھابھی کمرے سے باہر چلی گئیں۔ نماز سے فارغ ہوئی تو جائے نماز پر آنکھیں بند کر کے سوچنے لگی۔

"بھابھی کی اپنی بیٹی ہو گئی ہے۔ انکو اب مجھ سے کیا لگے۔ ویسے بھی انہوں نے کون سا میرا ٹھیکہ اٹھایا ہے۔ اب علیم کی بیگم آئے گی اچھا ہے میں پہلے ہی اس گھر سے چلی جاؤں۔"

جائے نماز سے اٹھی اور کچن میں آئی۔ بھابھی کھانا پکا رہی تھیں۔

"مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔" وہ یہ کہہ کر جانے لگی۔

"الماش۔۔۔"

وہ رک گئی۔ بھابھی بہت خوش لگ رہی تھیں۔

"بازار جا کر شاپنگ کر لیتے ہیں" پیاز گرم تیل میں ڈالے۔ پیاز بھوننے کی خوشبو پورے کچن میں پھیل گئی۔

"مجھے کہیں نہیں جانا۔" وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ رات کو کھڑکی سے صحن میں دیکھنے لگی۔ اسے ذرا پرواہ نہیں تھی اسکی شادی کہاں ہو رہی ہے۔ اسے کچھ یاد آیا۔ اپنی الماری کا دروازہ کھولا۔ دراز سے اپنی امی کا دیا ہوا اپنی نکالا۔ اس سے اسکو اپنی امی کی خوشبو آئی۔ اسے اپنے سینے سے لگا کر کھڑکی کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

اس کے پورے کمرے کو گلاب کے پھولوں سے سجایا ہوا تھا۔ کمرے کا فرنیچر تبدیل کر دیا تھا۔ ساتھ میں اسکا کمرہ بھی شفٹ کر دیا تھا۔ یہ ایک ساتھ دو کمرے بنے ہوئے تھے۔ وہ سبز رنگ کی شیروانی پہنے آئینے کے سامنے

کھڑا تھا۔ آج وہ سیلون سے تیار ہو کر آیا تھا۔ آج اس کی زندگی کا سب سے اہم دن تھا۔ اپنی شادی سے وہ زیادہ خوش نہیں لگ رہا تھا۔ ایک خوف تھا جو اسے مسلسل تنگ کر رہا تھا۔ کنگھی سے اپنے بالوں کو اپنے طریقے سے سیٹ کیا۔ کنگھی میز پر پھینک کر کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

دروازہ ناک ہوا اور فائزہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے اپنی شادی کا لہنگا پہنا ہوا تھا۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

"کیا ہوا بھائی۔۔۔ باہر سب آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"آ رہا ہوں۔" ٹوٹے دل سے بولا۔

"کیا آپ واقعی کسی کو پسند کرتے تھے؟" اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"ہاں۔۔۔ تھی ایک خوبصورت، حسین و جمیل لڑکی، میں نے آج تک اس جیسی پیاری لڑکی نہیں دیکھی۔" جمائی لے کر بولا۔ "پر جو نصیب میں نہیں تھا اس کے لیے کیا شکوہ کرنا۔"

"کیا آپ نے اس سے شادی کے لیے نہیں کہا۔" اسے اپنے بھائی کے لیے برا لگ رہا تھا۔

"کہا تھا پر وہ نہیں مانی۔ اور بعد میں وہ کالج چھوڑ گئی۔" اپنے جوتے پہن کر کھڑا ہوا۔

"ایک بات پوچھنی تھی۔ وہ۔۔۔۔" سوال ادھورا چھوڑ دیا۔

"تم فکر نہ کرو۔" وہ سمجھ گیا کیا پوچھنا چاہ رہی ہے۔ "میں نے پرنسپل جا کر یاسر سے بات کی تھی۔ تمہاری قسمت اچھی تھی۔ وہ اپنی غلطی مان گیا۔ آئندہ تمہیں تنگ نہیں کرے گا۔"

"اتنی جلدی کیسے مان گیا؟" فائزہ دھیرے سے بولی۔

"میں اس سے ہسپتال ملنے گیا۔ اس کا دوست جو اس دن وہاں موجود تھا۔ وہ مجھے مل گیا۔ اس بات کا شکر ہے اس کے دل میں خوف خدا تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے دوست کو سمجھائے گا۔" عریش نے اپنا موبائل جیب میں ڈالا۔ "آئندہ اس بارے میں بات نہیں ہو گی۔" اپنی بہن کو سختی سے تاکید کی۔

دونوں بہن بھائی کچھ دیر بعد شادی ہال میں موجود تھے۔ قاسم سٹیج پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی دلہن بھی بہت پیاری تھی۔ عریش کو بے صبری سے کرن کا انتظار تھا۔ پر وہ فیملی شادی پر نہیں

آئی۔فرح اور فرخ پھوپھو کوئی بھی عریش اور اس کی بیگم کے پاس نہیں آیا۔وہ سب اس کو گھور کر دیکھ رہی تھیں۔
تائی افشاں اپنے بیٹے وقار کے ساتھ آئی تھیں۔انکے چہرے کے تاثرات عجیب سے تھے۔
عریش جلد سے جلد وہاں سے جانا چاہتا تھا۔سب کی نظروں سے اسے تکلیف ہو رہی تھی۔فرح اور فرخ دونوں آنٹی راحیلہ سے کچھ کہہ رہی تھیں۔وہ سٹیج پر بیٹھا بہت آسانی سے سمجھ رہا تھا۔اپنی ماں کے لیے اسے برا لگ رہا تھا۔اسکا صبر جواب دے گیا۔وہ سٹیج سے نیچے اترا اور لمبے ڈگ بھرتا شادی ہال سے باہر نکل گیا۔شادی ختم ہوئی تو سب قاسم اور اسکی بیگم ہانیہ سے مذاق کرنے لگے۔عریش کی بیگم سٹیج پر اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ولید صاحب کے کہنے پر فائزہ اسے اپنے ساتھ گھر لے گئی۔
دلہن کو گھر لا کر اسے اس کے کمرے میں بٹھایا۔تائی افشاں بھی ساتھ آئی تھیں۔عریش گھر پر نہیں تھا۔
"تم کھانے کے لیے کچھ لے آؤ، بیچاری نے ہال میں بھی کچھ نہیں کھایا۔" تائی افشاں نے فائزہ کو کمرے سے باہر بھیج دیا۔
"تمہارے والدین نے کیا دیکھ کر شادی کی ہے؟" لال اور سفید رنگ کے سوٹ میں وہ کسی ایمبولینس سے کم نہیں لگ رہی تھیں۔
"جی۔۔۔" بیڈ کے کنارے پر بیٹھی دلہن نے سر اٹھا کر دیکھا۔
"تم زیادہ ہواؤں میں مت اڑنا۔تمہارے شوہر کی وجہ سے پورا خاندان ایک دوسرے سے جدا ہو گیا ہے۔اپنی کرتوتوں کی وجہ سے وہ تمہیں تنہا ہال میں چھوڑ کر چلا گیا۔" اپنی کمر پر ہاتھ رکھا۔
"میں سمجھی نہیں۔۔۔"
"تمہارا شوہر اپنی پھوپھی کی چار سالہ بیٹی کا گنا ہگار ہے۔آج سے کئی سال پہلے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔اس نے ایک بچی کے ساتھ زیادتی۔۔۔" اس سے پہلے وہ کچھ اور بتاتیں، دروازہ کھلا، فائزہ کھانا لے کر اندر داخل ہوئی۔
"تم کھانا کھالو میں مہمانوں کو دیکھ لوں۔" تائی کمرے سے باہر چلی گئی۔
"مجھے فریش ہونا ہے۔" دلہن نے اپنی شال اتاری۔

"دروازہ اس طرف ہے۔" فائزہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔کھانا میز پر رکھا۔اس کا لہجہ بہت روڈ تھا۔وہ اپنا لہنگا سنبھالتی واش روم میں چلی گئی۔آنٹی راحیلہ سب کے ساتھ واپس آ گئیں۔وہ عریش کے کمرے میں آئیں۔

"امی۔۔آپ نے عریش بھائی کے ساتھ بہت برا کیا ہے۔"

"کیا ہوا ہے آہستہ بولو۔" اس کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔"دلہن کہاں ہے؟"

"مجھے قاسم نے سب سچ بتا دیا ہے۔اور میری ابھی عریش سے بھی بات ہوئی تھی۔وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ آپ نے اس کی شادی زبردستی کروائی ہے۔" غصے سے بولی۔

"آہستہ بولو کوئی سن لے گا۔ویسے یہ تمہارے ابو کا فیصلہ تھا۔" دھیرے سے جواب دیا۔

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔آپ نے بھائی کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" اپنا پیر پٹختی کمرے سے نکل گئی۔آنٹی راحیلہ نے ایک نظر کمرے پر ڈالی اور وہ بھی کمرے سے باہر آ گئیں۔

واش روم کا دروازہ کھلا،اندر سے دلہن باہر آئی۔اس پر ایک ساتھ دو بم گرے تھے۔اسے چکر آیا وہ لڑکھڑاتی ہوئی پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔رات ہو چکی تھی۔باہر سے باتوں اور ہنسنے کی آوازیں آرہی تھیں۔اسکے کمرے میں اندھیرا تھا۔گلاب کے پھولوں کی خوشبو اس کے دماغ کو چڑھ رہی تھی۔اپنے اردگرد لال پھولوں سے اسے خوف آنے لگا۔جیسے خون کے تالاب کے پاس کھڑی ہو۔

"تمہارے شوہر نے ایک بچی کے ساتھ۔۔۔۔" اسکا دم گھٹنے لگا۔"وہ کسی اور کو پسند کرتا۔۔۔۔" بڑی ہمت سے اٹھ کر گلاس میں پانی ڈال کر پیا۔اپنے سر سے دوپٹے کو اتار کر بیڈ پر پھینک دیا۔اپنے ہاتھوں کو چوڑیوں سے آزاد کیا۔اسے لگ رہا تھا کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہے۔پانی کا ایک اور گلاس اپنے اندر ڈالا۔دل تو کر رہا تھا یہاں سے بھاگ جائے۔

دروازہ کھلا اور اسکی زندگی کا ساتھی اندر داخل ہوا۔اس نے ٹیبل لیمپ آن کیا۔الماری سے اپنے کپڑے لے کر واش روم گھس گیا۔وہ ادھر بت بنی بیٹھی رہی۔وہ واش روم سے آیا۔اس نے سادہ سی سفید رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کو پتہ ہے ہم دونوں ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ویسے بھی یہ شادی صرف ایک کمٹمنٹ ہے۔یہ تمہارا

بھی گھر ہے۔ جیسے چاہو رہو بس مجھے تنگ مت کرنا۔" اپنے سر پر ہاتھ پھیرا جیسے یاد کیا ہوا سبق بھول گیا ہو۔ "وہ۔۔۔ مجھے ابھی ایک بہت ضروری کام سے ہسپتال جانا ہے۔تم کھانا کھا کر سو جانا۔" وہ یہ کہہ کر بالکونی کے راستے باہر چلا گیا۔

اس نے اسے دیکھا ہی نہیں۔ پنک کلر کے لہنگے میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اسے تو سانپ سونگھ گیا۔ اپنے دونوں کانٹے اور گلے سے ہار اتار کر سائیڈ ٹیبل پر پٹخ دیا۔آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔اٹھ کر بیگ سے اپنے کپڑے نکال کر واش روم گھس گئی۔ نہا کر وضو کر کے باہر آئی۔ پرپل رنگ کے سوٹ میں وہ پیاری تو بہت لگ رہی تھی۔ پر اسکا دل ٹوٹ چکا تھا۔اپنے سوٹ کیس سے جائے نماز نکالا اور نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آج سالوں بعد الماش نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"یا اللہ! تو بہت غفور اور رحم کرنے والی ذات ہے۔ مجھے معاف کر دے۔ میں ایسے شخص کے ساتھ کیسے زندگی گزار سکتی ہوں۔ جس نے ایک بچی کے ساتھ۔۔۔" آنسو نکل کر اس کے دوپٹے پر گر رہے تھے۔ "میں نے اتنے سالوں تک کوئی دعا نہیں مانگی۔ مجھے معاف کر دے۔ اگر یہ آزمائش ہے تو مجھے ہمت دے میں اس آزمائش پر پورا اتر سکوں۔" وہ سجدے میں جھک کر دعا مانگتی رہی۔ اسکی آنکھ لگ گئی وہ ادھر جائے نماز پر سو گئی۔

جب اسکی آنکھ کھلی تو رات کافی ہو چکی تھی۔ بالکونی کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ باہر اندھیرا تھا۔ چاند کی روشنی کمرے میں آ رہی تھی۔ الماش اٹھی، جائے نماز تہہ کی اور کھانا کھانے لگی۔ کھانا ٹھنڈا تھا اسے تو بس اپنی بھوک مٹانی تھی۔ کھانا کھا کر بیڈ سے چادر لے کر صوفے پر لیٹ گئی۔ دماغ سوچوں اور خیالات سے بھرا ہوا تھا۔ دیوار پر نظر پڑی جہاں اسکی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس کی سوچ اسے ماضی میں لے گئی۔ جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ اس نے خوف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کیا اسکی دعا قبول ہو گئی ہے؟

☆......☆......☆

کوئٹہ

اسکی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ کھڑکی سے باہر دیکھا تو ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اپنے بستر پر لیٹ کر کبھی کھڑکی کی طرف دیکھتا تو کبھی بند دروازے کی طرف دیکھتا۔ ہاتھ میں موبائل تھا پر کال کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لگا

تار خدا سے دعا مانگ رہا تھا۔

ادھر طوفان کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔عریش کو گھبراہٹ ہونے لگی۔گھڑی پر نظر ڈالی تو رات کے سات بج رہے تھے۔دوا کا وقت ہو چکا تھا۔سائیڈ ٹیبل سے دوا لے کر کھالی۔دوا کا اثر تھا نیند آئی اور وہ سو گیا۔

جب دوبارہ آنکھ کھلی تو ساڑھے دس کا ٹائم تھا۔بھوک بھی لگ رہی تھی۔کمبل سائیڈ پر کیا اور پیر زمین پر رکھے۔باہر سے باتوں کی آوازیں آنے لگیں۔ٹیبل کا سہارا لے کر کھڑا ہوا۔تبھی دروازہ کھلا اور عمران احمد اندر داخل ہوا۔

" کدھر جا رہے ہو؟" ہاتھ میں پکڑی کھانے کی ڈش میز پر رکھی اور عریش کو پکڑ کر واپس بٹھایا۔

"واش روم جا رہا تھا۔"

عمران احمد اسے واش روم کے دروازے تک چھوڑ کر آیا۔اسکی بیڈ شیٹ ٹھیک کی۔عریش واش روم سے آیا تو اسے سہارا دے کر بیڈ پر بٹھایا۔

" کیا بنا جس مشن پر گئے تھے۔" عریش کی بے چینی آسمان تک پہنچ چکی تھی۔

" پہلے کھانا کھالو پھر بتاتا ہوں۔" عمران نے اسکے آگے کھانے کی ڈش رکھی اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

" سب خیریت تو ہے، بھائی کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔" عریش کھانا کھانے لگا۔تھوڑی ہی دیر میں عمران احمد واپس آ کر عریش کے پاس بیٹھ گیا۔

" میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔بتادو کیا ہوا ہے؟"

" تم ناراض تو نہیں ہو گے جو میں تم کو بتاؤں گا۔" بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

" بھائی نہیں ہوں گا جلدی بتاؤ۔" عریش بھنویں سکیڑ کر بولا۔

" وہ ساتھ میں آئی ہے۔"

" مطلب؟" عریش کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔

" مطلب میرا نکاح ہو گیا ہے۔تمہاری بھابھی اس وقت اس گھر پر ہے۔"

" مطلب۔۔۔۔"

"اب ناراض مت ہونا۔آج جب میں بابا کے ساتھ رشتے کی بات کرنے گیا تھا۔تو اس وقت اس کے رشتے کے لیے کچھ رشتے دار آئے ہوئے تھے۔میں نے تمہاری بات پر عمل کیا۔اور سسر کی کو قائل کر لیا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہیں گے۔وکیل جی مان گئے۔" مسکرا کر بولا۔

"مجھے لگ رہا ہے میں کسی فلم کی کہانی سن رہا ہوں۔" عرلیش کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"اتنا آسان نہیں تھا۔آنٹی جی ناراض ہیں۔انہوں نے بہت لڑائی ڈالی۔ پر انکل نے حالات کو دیکھتے ہوئے آج ہی نکاح کے لیے ہاں کہہ دی۔" گہری سانس لے کر بولا۔

"اور بھابھی ساتھ آ گئیں۔" اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"یار جیسے ہی انہوں نے اپنی بیگم کو غصے میں کہا کہ ان کی بیٹی کی شادی آج ہی ہو گی۔میں فوراً امی اور تمہیں لینے کے لیے آیا۔تم دوا کھا کر سو رہے تھے۔اس لیے صرف امی کو ساتھ لے گیا۔" عمران نے اپنے چھوٹے بھائی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔" اگر تم آج مجھے فورس نہ کرتے تو میں نہ جاتا۔اور ساری زندگی پچھتاتا رہ جاتا کیونکہ اس کی شادی کہیں اور ہو جاتی۔"

"انکے گھر میں خوب لڑائی ہوئی ہو گی؟"

"ہاں وہ تو ہے۔پر مزے کی بات بتاؤں۔آنٹی جی نے آج اپنی طرف سے نکاح خواں کو بلایا ہوا تھا۔وہ آج ہی اپنی بیٹی کا نکاح کروانے والی تھیں۔پر تمہارے بھائی صاحب انکی بیٹی لے آئے۔"

دونوں قہقہہ لگا کر ہنسے۔

"وہ لڑکا منہ دیکھتا رہ گیا۔مجھے مولوی کا خرچہ بھی نہیں کرنا پڑا۔اس ہی مولوی نے ہمارا نکاح پڑھا دیا۔"

دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسے۔

"بھابھی جی خوش ہیں۔" اپنے آنسو صاف کیے۔اپنے بھائی کے لیے وہ بہت خوش تھا۔

"ہاں ظاہر ہے۔۔۔۔ابھی ذرا دکھی ہے" اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا۔" کچھ دن تک ٹھیک ہو جائے گی۔"

"آپ ابھی اپنی بیوی کے پاس جائیں۔صبح ملاقات ہو گی۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔۔۔۔میں تمہارے دونوں احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔" اٹھ کر اسے گلے لگا لیا۔

"میرا ایک کام کردیں۔ بچھنا احسان اتار دیا ہے۔" بیڈ پر لیٹ گیا۔
"ہاں بولو مجھے تمہاری ہر بات منظور ہے۔" اپنے بھائی کا ماتھا چوما۔
"بعد میں بتاؤں گا۔ ابھی آپ جائیں۔" عمران احمد ڈش لے کر کمرے سے باہر آ گیا۔ عریش سونے کے لیے لیٹ گیا۔ آج وہ واقعی بہت خوش تھا۔ اسے ایک بہت پیار کرنے والا بڑا بھائی مل گیا تھا۔ اس کے اپنوں نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ پر ایک اور فیملی اسے مل گئی تھی۔ جو اسے بہت پیار کرتی تھی۔ ادھر عمران احمد بھی بہت خوش تھا۔ اس کو اسکا پیار مل گیا تھا۔ وہ بھی صرف عریش علی کی وجہ سے۔

☆......☆......☆

اپنی بائیک پر بیٹھا وہ فل سپیڈ سے اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔ گرے ٹراؤزر کے ساتھ چودہ اگست والی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ سر پر کیپ پہنی ہوئی تھی۔ اس کو اصل مجرم کو بے نقاب کرنا تھا۔ رات ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ وہ ایک گیٹ کے سامنے رکا اور بیل دی۔ دروازہ کھلا، وہ شخص اپنی بائیک پر سوار ہوا۔ دونوں کچھ فاصلے پر ایک گھر کے سامنے جا کر رکے۔
"تم کو پکا یقین ہے۔" پچھلا شخص بائیک سے اتر کر پوچھنے لگا۔
"اللہ کا شکر ہے میرا نشانہ ہمیشہ ٹھیک لگتا ہے۔" اس نے بائیک کو لاک کیا اور دروازے پر بیل دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر آیا۔ ان دونوں کو باہر دیکھ کر اس کے رنگ اڑ گئے۔
"کیا ہوا بھائی صاحب؟" ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "میری بھتیجی کا کچھ پتہ چلا؟"
"اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" شکاری نے اس سے ہاتھ ملایا اور فوراً گھر میں گھس گیا۔ اس کے پیچھے رمضان بھی اندر آ گیا۔ وہ سیدھا جا کر ہال میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ رمضان بھی پاس بیٹھ گیا۔ وہ سادہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔
"یہ کس کا گھر ہے؟ رمضان نے بتایا تم اکثر اس گھر میں آتے جاتے رہتے ہو؟"
"وہ جی میرے دوست کا ہے۔" بچی کے چاچو نے جواب دیا۔
"تمہارے بھائی دبئی سے آ گئے ہیں کیا؟" کیپ پہنے ہوئے شخص نے دوبارہ سوال کیا۔ وہ اسکے چہرے

کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"جی وہ تو آ گئے ہیں۔اپنی بیٹی کے لیے بہت پریشان ہیں۔بھابھی کا تو رو رو کر برا حال ہو گیا ہے۔کچھ پتہ چلا وہ کہاں ہے؟"اپنے چہرے سے پسینہ صاف کیا۔

"ہاں سمجھو مل گئی ہے۔"فوراً اٹھا اس بچی کے چاچو کو گردن سے دبوچ لیا۔رمضان نے بندوق نکال لی۔

"بول بچی کو کہاں رکھا ہے؟ورنہ ابھی تیری گردن توڑ دوں گا؟"

"وہ۔۔وہ۔۔۔"وہ جان گیا تھا وہ پکڑا گیا ہے۔"اسے میں نے اغواہ کیا ہے۔مجھے پیسے چاہئیں تھے۔" اس نے اپنا جرم قبول کرلیا۔شکاری نے اسکی گردن چھوڑ دی۔اور اسے تین چار گھونسے مارے۔وہ ادھر زمین پر گر گیا اور معافی مانگنے لگا۔

"کدھر ہے وہ بچی؟کیوں اغوا کیا تھا اسے؟"رمضان زور سے چلایا۔

"اندر۔۔کمرے۔۔۔میں۔"ہاتھ سے اشارہ کیا۔

رمضان فوراً اوپر کو بھاگا اور اپنے ساتھ اس بچی کو لے آیا۔

"چل میرے ساتھ۔"شکاری اسے گریبان سے پکڑ کر گھر سے باہر لے آیا۔وہ اسکے پیچھے بائیک پر بیٹھا، رمضان بچی کے ساتھ دوسری بائیک پر سوار ہو کر اس بچی کے گھر تک پہنچے۔بچی کے والدین اپنی بچی سے مل کر بہت خوش ہوئے۔

"کہاں سے ملی ہے آپ کو میری بیٹی؟"بچی کے والد خوشی سے رونے لگے۔

"آپ اپنے بھائی کا شکریہ ادا کریں۔اس نے ہماری مدد کی ہے۔"چاچو کی طرف اشارہ کیا۔وہ شخص اپنے بھائی کے گلے لگ گیا۔

"دیکھا بیگم تم ہی ہمیشہ میرے بھائی کے خلاف بولتی تھی۔آج اسی نے ہماری مدد کی ہے۔"

"معاف کر دینا دیور جی۔آئندہ میں ہر ماہ آپ کو باقاعدگی سے خرچہ دوں گی۔"اپنی بیٹی کو گود میں اٹھایا اور اسے اندر لے گئیں۔

"اب ہم چلتے ہیں۔"رمضان کو چلنے کا اشارہ کیا۔"تم کل پولیس سٹیشن آنا کچھ قانونی کارروائی کرنی

ہے۔" دونوں گھر سے باہر نکل آئے۔ بچی کے چاچو کے رنگ اڑے ہوئے تھے۔

" یہ تم نے کیا کیا؟ انکو سچ کیوں نہیں بتایا" رمضان گھر سے باہر نکل کر اسکے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

" بائیک پر بیٹھو، بتاتا ہوں۔" وہ اپنی بائیک پر بیٹھا اس نے بائیک سٹاٹ کی۔" مجھے اسی دن شک ہو گیا تھا کہ بچی اس نے اغواء کی ہے۔ اس کا بھائی امیر ہے اور وہ غریب۔ اس نے جو کیا غلط تھا۔ پر رمضان یہ غربت بھی بہت بری چیز ہوتی ہے۔ یہ انسان سے بہت غلط کام کروا دیتی ہے۔ میں نے ایک دکان کی سی سی ٹی وی سے چیک کیا وہ اپنی بھتیجی کے لیے کھانے پینے کا سامان خرید رہا تھا۔ تم نے دیکھا نا بچی بالکل ٹھیک تھی۔" گلی کے موڑ پر بائیک روکی۔

" وہ لڑکی بتا نہیں دے گی؟" بائیک سے اتر کر پوچھا۔

" نہیں مجھے پکا یقین ہے وہ اسکے سامنے نقاب کر کے جاتا ہو گا۔ کل وہ سٹیشن آئے گا۔ تم اسکو اچھے سے سمجھا دینا۔ اسکا گلٹ اسکی سزا ہے۔" اپنی ٹوپی اتاری۔" اگر آج ہم اسے پکڑ لیتے تو وہ ہمیشہ کے لیے مجرم بن جاتا۔ غلطی اسکی بھابھی کی بھی ہے۔ جب اسکا بھائی اسے پیسے بھیجتا ہے تو وہ اسے کیوں نہیں دیتی۔"

" تمہاری بات بھی ٹھیک ہے۔ خیر اس عورت نے پیسے دے دیے ہیں۔ کل تک تمہارے اکاؤنٹ میں بھیج دوں گا۔" رمضان نے اس سے ہاتھ ملایا۔

" ٹھیک ہے اب میں چلتا ہوں۔" شکاری نے اس سے اجازت لی۔ اپنی بائیک سٹاٹ کی اور وہاں سے اپنی منزل کی طرف نکل پڑا۔

☆......☆......☆

الماش کی شادی کو ہوئے چھ ماہ گزر چکے تھے۔ اس نے ایک قریبی سکول میں ٹیچنگ شروع کر لی تھی۔ عریش کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ صبح جاب کرتی اور باقی کا سارا دن اپنے کمرے میں گزارتی۔ جب سے انکی شادی ہوئی تھی۔ الماش نے یہ بات نوٹ کی تھی۔ سب قاسم اور اسکی بیگم ہانیہ کو بہت زیادہ پیار اور اہمیت دیتے ہیں۔ پر اس کو ان باتوں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں ہوتی جب عریش کمرے میں آتا وہ کمرے سے باہر آ جاتی۔ کچن میں کام کرنے لگ جاتی یا اپنی ساس کے پاس بیٹھ جاتی۔

آج الماش نے ہانیہ کے ساتھ بازار جانا تھا۔الماش نے پنک کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔سفید کلر کا سکارف لیا ہوا تھا۔صرف لپ سٹک لگائی ہوئی تھی۔وہ ہانیہ کے پاس گئی پھر اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ہانیہ نے پھر سے بہانہ کر دیا۔وہ اسکے ساتھ نہیں جا سکتی۔ایسا وہ پہلے بھی کر چکی تھی۔

"آئندہ میں نے اس بھروسہ نہیں کرنا۔" اپنا بیگ بیڈ پر پھینک دیا اور بیڈ پر اکڑوں بیٹھ گئی۔اس بات سے انجان اسکا شوہر کمرے میں موجود ہے۔وہ اسی ہی کی وجہ سے جانا چاہتی تھی پر وہ اسکے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا ہے آپ کو۔کس بات سے ناراض ہو۔"اس نے جینز کے اوپر کرتہ پہنا ہوا تھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔میں ذرا بزی ہوں۔" سکارف اتارا اور کمرے سے جانے لگی۔

"آج پیاری لگ رہی ہو۔" عریش نے پہلی بار اسکی تعریف کی۔

"مجھے کام ہے۔" اسکی بات کو نظر انداز کر دیا۔

"میں نے دو دن بعد ترکی جانا ہے۔تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

"مجھے سکول میں کام ہے۔چھٹی نہیں مل سکتی۔" الماری میں اپنا بیگ رکھا۔

"میں نے امی اور ابو کو بتا دیا ہے وہ مان گئے ہیں۔تم تیاری کر لو۔" وہ وہاں سے جانے لگا۔

"مجھے کسی مجرم کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔" وہ پیچھے سے بولی۔عریش ادھر ہی رک گیا۔وہ سمجھ گیا کس بارے میں بات کر رہی ہے۔

"دو دن بعد تیار رہنا۔" اس نے بنا مڑے کہا اور تیزی سے اس کے کمرے سے نکل گیا۔

الماش ادھر کھڑی رہی۔اسے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔جب سے دونوں کی شادی ہوئی تھی۔دونوں علیحدہ علیحدہ کمروں میں رہ رہے تھے۔عریش کی شادی کے وقت اسکا کمرہ شفٹ کر دیا تھا۔یہ ایک ساتھ دو بیڈ روم بنے ہوئے تھے۔

شام کو تائی افشاں آ گئی اپنے بیٹے وقار کے ساتھ۔عریش گھر سے باہر چلا گیا۔الماش نے نہ چاہتے ہوئے اپنا سامان پیک کیا۔رات کو وہ اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔اسے بھوک لگی تو وہ نیچے کھانا کھانے آئی۔وہ کچن میں بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی۔تائی افشاں بھی اسکے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔وہ پھر سے ماضی کی باتیں کرنے لگیں کہ کس

طرح اسکے شوہر کی وجہ سے پورا خاندان اس سے نفرت کرتا ہے۔الماش چپ چاپ کھانا کھاتی رہی۔کھانا کھا کر وہ اوپر اپنے کمرے میں آ گئی۔بالکونی سے آسمان کو دیکھنے لگی۔

"کیا واقعی میرے گھر والے مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ انہوں نے میری شادی ایک ایسے شخص سے کروادی جو ایک بچی کا مجرم ہے۔انہوں نے پتا بھی نہیں کیا۔بس رشتہ آیا تو فوراً شادی کے لیے ہاں کہہ دی۔تائی کنزا، اللہ آپ کو پوچھے گا۔"

جب سے اسکی شادی ہوئی تھی۔وہ ایک بار بھی اپنے میکے واپس نہیں گئی تھی۔نہ ہی وہاں سے اسے کوئی ملنے آیا تھا۔رات ہو چکی تھی۔اپنے کمرے میں آ کر وہ سکول کا کام کرنے لگی۔چائے کی طلب ہوئی تو نیچے کچن میں آئی۔اسکے ہاتھ میں اسکا موبائل تھا۔جو اسے عریش نے لے کر دیا تھا۔جیسے وہ کچن کے دروازے تک پہنچی۔اس کے قدم ادھر رک گئے۔آواز جانی پہچانی تھی۔الماش نے عقل مندی سے کام لیا۔اپنے موبائل سے انکی ویڈیو ریکارڈنگ کی اور بنا آواز کیے اوپر آ گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر عریش کے لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھ گئی۔اپنے موبائل کو لیپ ٹاپ سے کنکٹ کیا۔اور اس ویڈیو کو لیپ ٹاپ میں سینڈ کر دیا۔اس ویڈیو کو پانچ چھ بار اچھے سے دیکھا۔اس ویڈیو کو دیکھ کر ویسے تو اسے غصہ آ رہا تھا۔پر وہ خوش بھی بہت تھی۔شاید سالوں بعد وہ مسکرائی تھی۔اسے بس اپنے شوہر کا انتظار تھا۔اس کا کافی دیر انتظار کرنے کے بعد سو گئی تھی۔

صبح جب آنکھ کھلی تو عریش گھر پر نہیں تھا۔وہ اسکے اٹھنے سے پہلے چلا گیا تھا۔اسے دکھ تو ہوا پر وہ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی۔اسکا سارا دن بے چینی سے گزرا۔رات کو جب عریش گھر لوٹا تو اسکے سر میں شدید درد تھا۔وہ بیڈ پر لیٹ گیا۔الماش اسکے لیے کھانا لائی، کرسی پر بیٹھ گئی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے تم کھانا کھا لو۔" اس نے اپنی آنکھوں پر اپنا بازو رکھا ہوا تھا۔

"مجھے آپ کو ایک بہت ضروری بات بتانی ہے۔" وہ فخر سے مسکرا کر بولی۔

"تمہاری شادی آفتاب سے کیوں ہوئی؟" بنا اسے دیکھے سوال کیا۔

الماش پر تو بجلی گر گئی۔ہاتھ میں پکڑی پلیٹ نیچے گرتے ہوئے بچی۔وہ بیڈ پر لیٹے ہوئے شخص کو دیکھنے لگی۔

جو اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹا ہوا تھا۔اس نے کھانا ادھر چھوڑ دیا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔دروازہ بند کر کے لاک لگا دیا۔اپنے بیڈ پر آ کر پیٹ کے بل لیٹ کر رونے لگی۔اسکا ماضی پھر اس کے سامنے کھڑا اس پر طنزیہ ہنس رہا تھا۔اس رات وہ جی بھر کے روئی۔آج تو وہ عریش کے لیے تیار بھی ہوئی تھی۔پر اس نے دیکھا ہی نہیں۔ روتے ہوئے کب اسکی آنکھ لگی۔اسے پتہ نہیں چلا۔

اگلے دن جب اسکی آنکھ کھلی تو سر میں شدید درد تھا۔آج شام کی فلائٹ تھی۔آج کا سارا دن اپنے ساس کے ساتھ گزرا۔دوپہر کو جب اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی تو عریش اسکے کمرے میں آیا۔وہ کل کے کپڑوں میں ملبوس تھا۔بس اوپر سے کوٹ پہنا ہوا تھا۔سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔

"ایسا ہے مجھے ایک ضروری کام ہے۔اس لیے تم ابھی اکیلی جاؤ گی۔"

"کیا مطلب؟" الماش نے حیرت سے اپنے شوہر کو دیکھا۔بیگ کی سٹرپ کندھے پر ڈالی۔جینز کی پینٹ کے ساتھ گھٹنوں تک فراک پہنا ہوا تھا۔سر پر سکارف تھا۔

"تم پہلے یہاں سے دبئی جاؤ گی۔دبئی میں چند گھنٹوں کا اسٹے ہے۔پھر وہاں سے ترکی جاؤ گی۔" وہ جلدی میں تھا۔اسکا سوٹ کیس پکڑ کر کمرے سے باہر آیا۔"میں تین دن بعد تمہیں ترکی میں ملوں گا۔" وہ اسکا بیگ پکڑ کر نیچے اترا۔وہ بھی آہستہ آہستہ باہر آئی۔اپنی ساس اور سسر سے ملی۔وہ آ کر کار میں بیٹھ گئی۔عریش ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور کار ائیرپورٹ کی طرف بھگائی۔

راستے میں انکے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا وہ اسکے ساتھ ایسا کرے گا۔پہلے خود پلان بنایا اور اب خود ہی بیچ سے غائب ہو گیا۔ائیرپورٹ پر کار روک کر وہ اسے اندر چھوڑنے گیا۔

"میں کیسے اکیلی جاؤں گی؟" الماش کو ڈر لگنے لگا۔وہ تو کبھی اکیلی بازار نہیں گئی۔اور اب تنہا وہ ابھی اتنی دور۔

"اپنا موبائل دو۔میں تم کو اس میں اپنے دوست کا نمبر سینڈ کر دیتا ہوں۔جو ترکی میں رہتے ہیں۔" اس کے ہاتھ سے موبائل پکڑ لیا اور نمبر اپنے موبائل سے دیکھ کر سینڈ کرنے لگا۔

"تم نے بتایا نہیں آفتاب سے تمہاری شادی کیسے ہوئی؟" وہ کافی پرسکون تھا۔نظریں موبائل پر تھیں۔

الماش نے کوئی جواب نہیں دیا۔وہ خاموش ہوگئی۔عریش اس کی شکل دیکھ کر مسکرایا۔

"میں تو ویسے پوچھ رہا تھا۔خیر یہ بتاؤ مجھے کیا بتانا تھا۔"

"اپنے لیپ ٹاپ میں دیکھ لینا۔"جل کر جواب دیا۔

"کیوں کیا کسی لڑکی کی تصویر دیکھ لی ہے؟"

اس سے پہلے وہ کچھ بولتی،اناؤنسمنٹ ہوگئی۔اس سے سوٹ کیس لے کر اندر چلی گئی۔وہ پیچھے سے کچھ بولا پر اس نے نہیں سنا۔الماش نے جاتے وقت مڑ کر دیکھا۔اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں کچھ تو تھا۔جسے وہ سمجھ تو نہیں پایا۔پر اسے اندر سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔وہ پلٹی اور اندر چلی گئی۔عریش نے موبائل اپنی جیب میں ڈالا۔کچھ دیر وہاں رکا پھر اداس دل سے واپس اپنی کار تک آ گیا۔رات ہونے میں ابھی کافی ٹائم تھا۔سارا راستہ اپنی بیگم کے بارے میں سوچتا رہا۔گھر آیا،کوٹ اتارا اور بیڈ پر لیٹ گیا۔

☆......☆......☆

رات کو عریش اپنے سسرال میں تھا۔وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔فوجی ٹراؤزر اور کالی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔اسکے سسر،دونوں سالے اور ان کی بیگمات ہال میں موجود تھے۔آج وہاں انعم کی ماں نوشین اور انکے شوہر شاہد بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔فرق صرف اتنا تھا آنٹی نوشین رو رہی تھیں۔آج ان میں غرور نہیں تھا اور انعم پاس کھڑی تھی۔دراصل انکل فرقان نے سب کو بتایا ہوا تھا۔ولید صاحب اور انکے بیٹے کی ایک مشہور سیاست دان سے بہت دوستی ہے۔انعم کے بھائی کو پولیس نے پکڑ لیا ہے۔اسی وجہ سے سب انکے گھر موجود تھے۔عریش نے اپنی ٹانگ پر زور سے ہاتھ مارا۔

"انکل فرقان!نعمان کو میں جیل سے بعد میں لاؤں گا۔پہلے ماضی کی طرف چلتے ہیں۔۔۔کیوں انعم شروع کریں۔"مسکرا کر انعم سے پوچھا۔سب نے حیرت سے پہلے اپنے داماد کو دیکھا۔انعم نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔اپنے شانے اچکائے۔جینز کی پینٹ کے اوپر ٹاپ پہنا ہوا۔بال کھلے چھوڑے تھے۔میک اپ نہ کرنا اسکی شان کے خلاف تھا۔

"کیا ہوا؟"علیم نے سوال کیا۔دادی بھی پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

" کیوں انعم جی کچھ یاد آیا۔وہ خطوط یاد ہیں، اکیڈمی والے۔"

سب حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔انعم کے چہرے کے رنگ اڑ گئے۔ہال میں سناٹا چھا گیا۔

"وہی خط جو تم نے سر کو لکھے تھے الماش کے نام سے۔کچھ یاد آیا۔" اپنی جیب سے خط اور کارڈز نکال کر سامنے میز پر رکھ دیئے۔انعم پر اب بجلی گری تھی۔

"یہ جھوٹ ہے۔یہ کیا بکواس ہے۔" وہ چیخی۔

"ایک منٹ ابھی بتاتا ہوں۔انکل فرقان، آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ الماش شروع سے اردو سبجیکٹ میں کمزور رہی ہے۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔" پہلی بات الماش اردو کی ہی ٹیوشن پڑھ رہی تھی۔دوسری بات یہ سب خط اردو میں ہیں۔اور ان میں کوئی غلطی نہیں۔تو آپ کی بیٹی یہ کیسے لکھ سکتی ہے۔تیسری سب سے اہم بات یہ سب خط جس سر کو لکھے گئے تھے۔وہ انگریزی پڑھاتے تھے۔الماش انگلش میں ٹاپ کرتی تھی۔تو اسکا ان سر سے کیا واسطہ۔"

ایک خط انکل فرقان کو دیا۔اور ایک خط انکل شاہد کو تھما دیا۔

"ہاں مجھے یاد ہے الماش اردو میں بہت ویک تھی۔اور وہ سر تو انگلش پڑھاتے تھے۔انعم ہی ان سے اکیڈمی میں انگلش پڑھتی تھی۔" عظیم بھائی کو جیسے یاد آیا۔

"بڑی جلدی یاد آیا۔" عریش طنزیہ بولا۔

"یہ سب کیا ہے انعم۔" علیم چلایا۔"یہ تمہاری لکھائی میں اچھے سے پہچانتا ہوں۔تم نے میری بہن کے خلاف۔۔۔" ٹی وی کا ریموٹ اسے دے مارا۔تائی کنزا بھی وہاں آ گئیں۔

"ابھی اور سنیں۔اس سے پوچھیں کون رات کو الماش کا نام لے کر فون کرتا تھا۔" عریش نے ایک اور توپ چلائی۔انکل شاہد غصے سے نوشین کو دیکھنے لگے۔وہ سر جھکا کر بیٹھ گئیں۔

" کیا یہ سچ کہہ رہا ہے۔"اب کی بار علیم نے اپنی بیگم کو ایک تھپڑ رسید کر دیا۔وہ زمین پر گر گئی۔

"میں صرف پرینک کر رہی تھی۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"یہ بتاؤ عظیم بھائی کے برات والے دن الماش کے روم میں وہ گفٹ، موبائل پر میسج، پھول اور وہ کارڈ کس

نے رکھا تھا۔" عریش پرسکون بیٹھا ہوا تھا۔

"وہ بھی میں نے رکھا تھا۔" آخرکار اس نے اپنا جرم قبول کرلیا۔اب سب پر بجلی گری تھی۔دادی تو اسے بددعائیں دینے لگ گئیں۔انکل شاہد نے اپنی بیٹی کو تین چار تھپڑ مارے۔

"تمہاری وجہ سے ہماری بہن کی زندگی تباہ ہوگئی اور کہتی ہو کہ میں نے مذاق کیا تھا۔" علیم کا پارہ چڑھ گیا۔"دفع ہو جاؤ اس گھر سے۔" اسے ہاتھ سے پکڑ کر زور سے باہر کو دھکا دیا۔

"انکل شاہد! اپنی بیگم کے کرتوت بھی سن لیں۔انہوں نے الماش کے سابقہ شوہر کو فون کر کے کہا تھا کہ الماش بدچلن لڑکی ہے۔" وہ کھڑا ہوا۔" جانتے ہیں اسکا نتیجہ یہ ہوا انہوں نے الماش کا زبردستی ابارشن کروادیا اور۔۔۔" وہ رک کر بولا۔"وہ اب کبھی ماں نہیں بن سکتی۔" آخری الفاظ وہ اداسی اور تکلیف سے بولا۔

آج تو انکل فرقان کے گھر پر بم بلاسٹ ہوا تھا۔آنٹی نوشین معافی مانگنے لگیں۔انکل شاہد اسے گالیاں دیتے ہوئے چلے گئے۔وہ انکے پیچھے بھاگیں۔علیم نے انعم کو گھر سے نکال دیا۔آنٹی کنزا بھی واپس چلی گئیں۔آخر تھیں تو انکی بہن۔

"میں اب چلتا ہوں۔بھابھی اپنا دھیان رکھنا۔اور شکریہ مجھے سچ بتانے کے لیے۔اس بیچاری نے بہت سزا کاٹی ہے۔ایسے جرم کی جو اس نے کیا ہی نہیں۔" وہ اللہ حافظ کہتا وہاں سے نکل پڑا۔اسکی آنکھیں نم ہوگئیں۔

"پریشان مت ہو الماش۔میں تم کو ساری خوشیاں دوں گا۔تم کو تمہاری سوچ سے زیادہ پیار دوں گا۔" اپنی بائیک سٹارٹ کی اور وہاں سے نکل پڑا۔

گھر پر سب کی عجیب حالت تھی۔سوائے بھابھی کے وہ بہت خوش تھیں۔انہوں نے ہی وہ خط عریش کو دیئے تھے۔انکل فرقان رو پڑے۔انکی طبیعت خراب ہوگئی تو انہیں دوا دے کر سلا دیا۔دادی اسے بددعائیں دینے لگیں۔ان سب کی وجہ سے ان کی بیٹی کو کیا کچھ برداشت کرنا پڑا۔علیم اپنے کمرے میں بند ہوگیا۔

گھر آکر عریش بہت خوش تھا۔اپنے کمرے میں داخل ہوا اور کرسی بالکونی میں رکھ کر بیٹھ گیا۔اس کی دونوں ٹانگیں ریلنگ پر تھیں۔دونوں ہاتھ سر کے پیچھے تھے۔ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔آج وہ کافی پرسکون تھا۔اسے الماش کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔

"کاش وہ بھی وہاں پر ہوتی۔اسے تو پتہ ہی نہیں کہ اتنے سالوں سے کون اس کے خلاف سازش کر رہا تھا۔

میری بیوی بیچ میں ایک بنی ہے۔میں اب جلدی سے یونیورسٹی کا کام ختم کر کے تمہارے پاس پہنچتا ہوں۔"

جب سے انکی شادی ہوئی تھی۔وہ دونوں علیحدہ رہ رہے تھے۔وہ جب بھی الماش کے پاس جانے کی کوشش کرتا وہ اسے نظرانداز کر دیتی۔یہ بات کافی بار عریش نے نوٹ کی پر وہ بھی اس چیز کو نظرانداز کر جاتا۔وہ ہمیشہ خوف زدہ اور سہمی ہوئی رہتی۔جب سے عریش کی جاب شروع ہوئی تھی۔اسکا سارا دن یونیورسٹی میں بزی رہتا۔اسے کبھی موقع ہی نہیں ملا الماش کو جاننے کا۔اپنی گھڑی پر ٹائم دیکھا۔ابھی وہ جہاز میں ہوگی۔صبح اسکی فلائٹ ترکی روانہ ہوئی تھی۔

وہ بالکونی سے اپنے کمرے میں آگیا۔وہ الماش کے کمرے میں گیا، لائٹ آن کی۔کمرہ بالکل صاف ستھرا تھا۔وہ اسکے بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔اسے پتہ ہی نہیں چلا کب اسکی آنکھ لگ گئی اور وہ ادھر ہی سو گیا۔

وہ ایک باغ میں تھا۔اس نے کالے رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔اسکے سامنے ایک دریا تھا۔جس میں ایک کشتی تھی۔اس میں ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔اسکی پشت اسکی طرف تھی۔اسکے لمبے کالے بال اسکی کمر پر بکھرے ہوئے تھے۔وہ اسکی طرف بڑھا۔اس لڑکی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔وہی بڑی بڑی آنکھوں جن میں آنسو تھے۔

"الماش۔۔۔الماش۔۔۔الماش۔"اسکو آواز دی۔جیسے وہ آگے بڑھا کشتی تیرنا شروع ہوگئی۔وہ بھاگتا ہوا دریا کے کنارے تک پہنچا۔وہ اس سے دور جا چکی تھی۔اس نے اپنا چہرے کا رخ سامنے کی طرف کر لیا۔عریش وہیں کھڑا رہ گیا۔وہ تھوڑی ہی دیر بعد کشتی سمیت غائب ہوگئی۔

عریش کی آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔وہ پسینہ میں شرابور تھا۔گھڑی پر ٹائم دیکھا۔آنٹی راحیلہ کی آواز سنائی دی۔ابھی وہ اٹھا ہی تھا۔قاسم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔اسکے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"بھائی وہ۔۔۔نیچے آئیں؟"

"قاسم، کیا ہوا؟ سب خیریت ہے نا، امی کو کیا ہوا ہے؟" وہ دونوں کمرے سے باہر آئے اور نیچے آئے۔

ابھی عریش زینے اتر کر نیچے آ ہی رہا تھا۔اسکی ٹی وی پر نظر پڑی۔ٹی وی پر نیوز چل رہی تھی۔"جہاز کریش ہو گیا ہے۔کوئی بھی مسافر نہیں بچ سکا۔"

ہر طرف یہی نیوز چل رہی تھی۔ آنٹی راحیلہ اور ولید صاحب دونوں ہال میں موجود تھے۔

عریش نے ریلنگ کو پکڑ لیا۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس ہی فلائٹ میں الماش سفر کر رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اتر کر ٹی وی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے جسم میں جیسے جان ہی نہیں رہی۔ انکل فرقان اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ انکے گھر آ گئے۔

شام ہو گئی تھی۔ مرنے والوں کی لسٹ جاری کر دی تھی۔ ٹی وی، سوشل میڈیا پر، ہر جگہ یہی خبر چل رہی تھی۔ ہر کوئی دکھ کا اظہار کر رہا تھا۔ مولوی صاحب نے غائبانہ نماز جنازہ کا اعلان کر دیا تھا۔ نیوز چینل والے مختلف گھروں میں جا کر ان کے لواحقین سے بات کر رہے تھے۔ اس خبر نے پورے ملک کو سوگوار کر دیا تھا۔ انکل فرقان کی بہت بری حالت تھی۔

" مجھے ایک بار معافی تو مانگنے دیتی۔۔۔ ہم نے اسکے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ " انکا رو رو کر برا حال ہو گیا تھا۔ سب ٹی وی لاؤنج میں جمع تھے۔ کچھ اور رشتے دار بھی وہاں موجود تھے۔

" کل صبح مشترکہ نماز جنازہ ہو گا۔ " قاسم نے سب کو اطلاع دی۔ بھابھی کو اپنے شوہر اور دیور پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ جب زندہ تھی تو اسے پوچھا ہی نہیں اب کیوں رو رہے ہیں۔

اگلے دن صبح نماز جنازہ پڑھا گیا۔ عریش وہاں سے فوراً نکل گیا۔ وہ تنہا رہنا چاہتا تھا۔ اپنی بائیک پر سوار ہوا اور سڑکوں پر بے مقصد پھرتا رہا۔ دوپہر کو ایک مسجد میں نماز ادا کی۔ وہاں سے نکلا اور ایک باغ میں درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اسکا سر جھکا تھا۔ اسے اپنا خواب یاد آیا۔ اسکی بیوی اس دنیا میں نہیں رہی اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ کاش وہ اسے اکیلا نہیں بھیجتا یا اسکے ساتھ جاتا۔ وہ اپنے آپ کو قصوروار ٹھہرا رہا تھا۔ الماش کی آنکھیں اسکی نظروں سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔ اسے ادھر بیٹھے ہوئے شام ہو گئی۔ مغرب کی نماز قریبی مسجد میں پڑھی۔ پھر بائیک پر سوار ہوا اور رات دیر تک گھر پہنچا۔ اس نے صبح کا کچھ نہیں کھایا۔ آنٹی راحیلہ نے اسے زبردستی کھانا کھلایا۔ کافی کا کپ لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ موبائل پر رنگ ہوئی۔ چونک کر کمرے میں دیکھا۔ اسے خیال ہی نہیں رہا۔ موبائل اس کے کوٹ کی جیب میں تھا۔

جب کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا۔ اسے ایک اور شاک لگا۔ الماش کا موبائل بھی اسکے پاس رہ گیا تھا۔

اب تو اسکے آنسو بہنے لگے۔ اسکا موبائل لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اسے کھول کر چیک کیا۔ اس میں صرف اسکا نمبر سیو تھا۔ جب وہ گیلری میں گیا۔ اسے حیرت ہوئی ساری تصویریں اسکی تھیں۔ جو اس نے چھپ کر لی تھیں۔ عریش اپنی بیوی کو سمجھ نہیں پایا۔ وہ تو اس سے دور رہتی تھی پھر یہ سب کچھ۔۔۔ اسے احساس ہوا اس نے کیا کھو دیا ہے۔ پر اب اسکی صرف یادیں اسکے پاس تھیں۔

☆......☆......☆

سردیاں شروع ہو چکی تھیں۔ صبح سے بارش ہو رہی تھی۔ وہ آج گاڑی سے یونیورسٹی سے لوٹا تھا۔ جیسے گھر میں داخل ہوا سامنے تائی افشاں اور وقار ولید صاحب کے ساتھ بیٹھے تھے۔ آج سالوں بعد عابد تایا بھی آئے ہوئے تھے۔ عریش کو دیکھ کر نظریں پھیر لیں۔ ولید صاحب کی گود میں قاسم کا بیٹا تھا۔ وہ ایک سال کا ہو گیا تھا۔ شام کو اسکی سالگرہ تھی۔ کچھ دیر تک فرح اور فرخ پھوپھو بھی پہنچنے والی تھیں۔ امی کچن میں تھیں۔ وہ انکو سلام کر کے فوراً اوپر چلا گیا تھا۔ الماش کی موت کو دو سال گزر چکے تھے۔ اپنے کمرے میں آ کر کپڑے تبدیل کیے۔

وہ کچن میں کھانا کھانے آیا۔ تو افشاں آنٹی پانی پینے کے بہانے کچن میں آئی تھیں۔ عریش علی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ آنٹی راحیلہ کباب فرائی کر رہی تھیں۔

"میں نے سنا ہے ایک سال تک کرن کی شادی ہو رہی ہے۔" طنزیہ بولیں۔ "اگر اسکے سسرال والوں کو پتہ چل گیا کہ اسکے ساتھ بچپن میں کیا ہوا تھا تو کیا ہوگا؟" پانی کا گلاس میز پر رکھ کر چلی گئیں۔

عریش ایک پل رکا، ان پر نظر ڈالی اور کھانا کھانے لگ گیا۔ امی بھی خاموش رہیں۔ عریش اپنے کمرے میں آ گیا۔ اور لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھ کر کام کرنے لگا۔ وہ پہلے سے کافی زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ سفید رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ بال لمبے تھے، پیچھے پونی باندھی تھی۔ عینک لگ چکی تھی۔ وہ الماش کا کمرہ بالکل ویسے صاف رکھتا تھا۔

شام کو گھر پر پارٹی پر سب موجود تھے۔ وہ ابھی بھی لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا۔ کسی نے اسے ڈسٹرب نہیں کیا۔ اچانک اسکی نظر ایک فولڈر پر پڑی۔ اس نے اپنی عینک لگائی۔ لیپ ٹاپ کی سکرین پر چھوٹا سا بنی لکھا ہوا تھا۔ اسے حیرت ہوئی اس پر پہلی بار اسکی نظر پڑی تھی۔ تاریخ چیک کی تو یاد آیا یہ الماش کی فلائٹ سے ایک دن

پہلے کی تھی۔ وہ جاتے وقت بھی کسی ویڈیو کی بات کر رہی تھی۔ عریش نے فوراً اسے کھولا۔ جو اس نے اس ویڈیو میں دیکھا وہ ادھر ہی کھڑا ہو گیا۔ اس نے وہ ویڈیو پانچ بار دیکھی۔ پہلے ایک ضروری فون کیا۔

وہ ویڈیو لے کر نیچے آیا۔ سب باتوں میں مصروف تھے۔ وقار اپنے موبائل پر لگا ہوا تھا۔ وہ گیٹ پر گیا اور فہد انکل اور مونا آنٹی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ کرن کے ابو کو دیکھ کر ٹی وی لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔

"انکل! میں نے آپ کو کچھ دکھانا ہے۔" وہ ٹی وی کے پاس گیا۔ فہد انکل بنا کسی سے ملے صوفے پر وقار کے ساتھ بیٹھ گئے۔ مونا کھڑی رہی۔

"کیا ہوا ہے بھائی۔" فائزہ نے اپنی بیٹی کا منہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" عریش نے مسکرا کر افشاں کو دیکھا۔ سب کی نظریں عریش پر تھیں۔ اس نے ٹی وی کے ساتھ موبائل لگا کر وہ ویڈیو چلائی۔ اور خود ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پاس کھڑا ہو گیا۔ ویڈیو کو دیکھ کر سب کے چہروں کے رنگ بدل گئے۔ خاص طور پر افشاں تائی اور وقار کے۔

اس دن جب الماش کچن میں چائے کے لیے آئی تھی تو اس نے ان دونوں ماں بیٹے کو بات کرتے سنا تھا کہ کس طرح بچپن میں وقار نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر کرن کو ابیوز کرنے کی کوشش کی تھی اور سارا الزام عریش کے سر ڈال دیا تھا۔ اور وہ ہیرے کی انگوٹھی بھی عریش کے سر ڈال دی تھی۔ جسے تائی افشاں نے خود کھو دیا تھا۔ اس نے یہ ویڈیو تین بار چلائی۔ اب سب کی نظریں وقار اور اسکی ماں پر تھیں۔

"جی وقار۔۔۔۔" کرن کے ابو نے اسے گریبان سے پکڑ لیا۔ اور اسے زناٹے دار تھپڑ رسید کیے۔ آج تایا کا سر شرم سے جھک گیا۔ قاسم وقار پر برس پڑا۔ افشاں کو تو سانپ سونگھ گیا۔ وقار معافی مانگنے لگا۔ عریش اپنی ماں کے پاس بیٹھ گیا۔ فرح اور فرخ دونوں نے افشاں کی خوب بے عزتی کی۔ فرح کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوئی۔

"اتنے سال ہماری زندگی میں زہر گھولتی رہی۔ ہم سب کو جدا کر دیا۔ اور بے شرمی سے ہم سے ملتی رہی۔ اچھا ہوا بھائی صاحب آپ نے فائزہ کا رشتہ اس شیطان سے نہیں کیا۔"

"مجھے پہلے سے معلوم تھا عریش ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ مجھے بس سچ جاننا تھا۔ اللہ جنت میں جگہ دے الماش کو۔ میری بچی کے مجرم کو بے نقاب کر دیا۔ اب میں اسے پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔" انکل فہد نے تایا کو انگلی

دکھا کر کہا۔

وقار زمین پر بیٹھ کر ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔وہ برانڈڈ کپڑے،وہ مہنگا موبائل،وہ نخرا سب غائب تھا۔ مونا نے اپنا جوتا اتارا اور وقار کو دے مارا۔ایسی ہی حالت افشاں تائی کی تھی۔ان کا غرور خاک میں مل گیا۔

"کیوں بھابھی جی کیا سزا طے کی آپ نے اپنے اکلوتے بیٹے کی۔"ولید صاحب اپنی بھابھی کے پاس جا کر کھڑے ہوئے۔فرح اور فرخ دونوں کے شوہر خاموشی سے سب دیکھ رہے تھے۔ان کے بچے بھی وہاں موجود تھے۔

"میری طرف سے تم دونوں ماں بیٹے مر گئے ہو۔آئندہ کے بعد مجھے اپنی شکل دکھائی تو اسی وقت طلاق دے دوں گا۔"تایا عابد نے افشاں کو تھپڑ مارا۔افشاں روتی رہ گئی۔وہ لمبے لمبے ڈگ لیتے چلتے بنے۔

"ابھی اسی وقت دفع ہو جاؤ میرے گھر سے اور دوبارہ یہاں مڑ کے مت آنا۔"ولید صاحب نے چٹکی بجائی۔

"بابا،اسے پولیس کے حوالے کریں۔"فائزہ کہاں پیچھے رہنے والی تھی۔

وہ دونوں ماں بیٹے گھر سے چلے گئے۔

"فائزہ۔۔۔تایا نے انہیں گھر سے نکال دیا ہے۔ان ماں بیٹے کا اصلی امتحان اب شروع ہوا ہے۔جن کو عیش کی عادت پڑی ہو دیکھو اب محل میں رہنے والے اب کیسے زندگی گزارتے ہیں۔"قاسم فٹ بولا۔

فرح اور فرخ نے آنٹی راحیلہ سے معافی مانگی۔قاسم اب بھی بہت غصے میں تھا۔مونا نے عریش سے معافی مانگی۔

"آپی،میں اس ہی دن سمجھ گیا تھا کہ عریش بے قصور ہے۔میں بہت جلد کرن کو بھی لاؤں گا۔مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے بیٹے کی اچھی تربیت کی ہے۔"انکل فہد نے پانی کا گلاس میز پر رکھا۔سب سے اجازت لے کر دونوں میاں بیوی چلے گئے۔دونوں پھوپھی اپنی فیملیز کے ساتھ چلی گئیں۔

گھر پر سب بہت خوش تھے۔آنٹی راحیلہ نے شکرانے کا نفل ادا کیا۔آج سالوں بعد ان کے سر سے بوجھ اتر گیا۔عریش ان کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔

"آج آپ کو راز کی بات بتاتا ہوں۔آپ کے شوہر ہر تین ماہ بعد مجھ سے ملنے کوئٹہ آتے تھے۔"

آنٹی راحیلہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"وہ شروع دن سے جانتے تھے میں بے قصور ہوں۔بس خاندان کی وجہ سے خاموش ہو گئے تھے۔وہ مجھ

سے بھی اتنا پیار کرتے ہیں۔ جتنا وہ قاسم اور فائزہ سے کرتے ہیں۔"

دروازہ کھلا، ولید صاحب اندر داخل ہوئے۔ وہ بہت خوش تھے۔

"آخر بتا دیا ہمارا راز۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسے۔ "چل جا اپنے کمرے میں، مجھے اپنی بیوی کے ساتھ مووی دیکھنی ہے۔ اس سے پہلے بیگم کچھ کھانے کے لیے لے آؤ بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

"جی ابھی کباب لاتی ہوں۔" وہ فوراً کمرے سے نکل گئیں۔

"بابا مجھے بات پوچھنی تھی۔ آپ انکل فرقان کو کب سے جانتے ہیں؟" وہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹا بچپن سے جانتا ہوں۔ ہمارے والدین ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ یاد ہے ایک بار ہم ٹرین میں بھی ملے تھے۔ تب الماش بھی تھی بچاری۔ مجھے بہت یاد آتی ہے اسکی۔" ٹی وی پر مووی لگانے لگے۔ عریش کو جیسے کچھ یاد آیا ہو۔ فوراً اپنے کمرے میں بھاگا۔ اس نے الماری سے اپنا ایک پرانا بیگ نکالا۔ اس میں سے ایک گھڑی نکالی۔ وہ اس گھڑی کو لے کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ گھڑی الماش کی تھی۔ وہ کتنی دیر اس کو دیکھتا رہا۔ اسے وہ وقت یاد آیا۔ جب ان دونوں نے ایک ساتھ سفر کیا تھا۔

"کاش تم اس وقت میرے پاس ہوتی۔ میں تم کو بتاتا کہ میں تم سے کتنا پیار کرتا ہوں۔ تم کو نہیں معلوم تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے۔ میری ماں کا کھویا ہوا مقام ان کو واپس مل گیا ہے۔ ہم سب کو دوبارہ ایک کر دیا ہے۔" اس گھڑی کو چوما اور اپنے پاس جیب میں رکھ لیا۔ ایک خیال اسکے ذہن میں آیا۔ یونیورسٹی سے چھٹیاں شروع ہو چکی تھیں۔ اس نے ترکی جانے کا پروگرام بنایا۔ ایک بار اس جگہ پر جانا چاہتا تھا جہاں اس نے الماش کے ساتھ جانا تھا۔ وہ روز اسکی تصویر کو دیکھ کر سوتا تھا۔

☆......☆......☆

رات سے بارش ہو رہی تھی۔ جسکی وجہ سے ٹھنڈ میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اپنے کمرے میں بیٹھا وہ کافی پی رہا تھا۔ بلیک ٹراؤزر کے اوپر ہائی نیک پہنی ہوئی تھی۔ ہڈی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس کی ٹوپی اسکے سر پر تھی۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے وہ کھڑکی سے باہر بارش کو دیکھ رہا تھا۔ کافی سے بھاپ اڑ کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" کمرے میں داخل ہونے والا اس کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کچھ نہیں بس یہ ماضی جان نہیں چھوڑتا۔" وہ اب بھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"یار سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ بتا تمہاری فلائٹ کب کی ہے؟"

"آج شام کی۔۔۔اس سے پہلے یہ گھر خالی کردوں گا۔" کافی کا سپ لیا۔

"اچھا ٹھیک ہے دیور جی۔ ہم لاہور میں آئے ہیں آپ سے ملنے اور آپ جا رہے ہیں۔" بھابھی کمرے میں اپنے بیٹے کے ساتھ آئیں اور بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ بچہ اپنے باپ کی گود میں بیٹھ گیا۔

"نہیں بھابھی مجھے یونیورسٹی سے چھٹیاں ہیں۔اس لیے ترکی جانا چاہتا ہوں۔" فوراً صفائی دی۔

"اور یہ گھر خالی کرنے کی کیا بات کر رہے تھے۔دیور جی یہ گھر آپ کا بھی ہے۔اتنے سالوں سے اتنے اچھے طریقے سے سنبھالا ہوا تھا۔بس بیسمنٹ سے خوف آتا ہے۔جہاں تم دونوں بھائیوں نے عجیب چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔" اپنے شوہر کو گھور کر بولیں۔"ویسے دیور جی آج جانے سے پہلے اپنا اصلی نام بتا دیں۔اتنے سالوں سے میں آپ کو دیور جی یا شکاری کے نام سے جانتی ہوں۔" فلک نے کافی کا کپ اپنے شوہر کو دیا۔

"ایک شرط پر فلک۔کیا آج آپ سالوں بعد اپنے علم فلکیات سے میرے بھائی کے بارے میں کچھ بتائیں گی؟ نجومی جی کتاب اور پین بیڈ کی دراز میں ہیں۔" اپنی بیگم سے کافی کا کپ لیا۔

"ٹھیک ہے مجھے آج یہ بھی منظور ہے۔" اپنا ہاتھ کھڑا کر کے بولی۔"پتہ نہیں پھر کب مجھے یہ موقع ملے۔ ویسے میں بہت ناراض ہوں ایک بار اپنی بیگم سے ملاقات کروا دیتے۔ویسے اسکا نام کیا تھا۔ایک اور بات تمہارے سر کون ہیں؟ کس نے تمہیں شکار کرنا سکھایا ہے۔" دراز سے کاپی پین نکالا۔

"دوسری بات کا جواب میں دیتا ہوں۔اسکا سر میں ہوں۔" عمران احمد فخر سے بولا۔"اس نے ہی میری شادی تم سے کروائی تھی۔جب احسان اتارنے کی باری آئی یہ میرا اسٹوڈنٹ بن گیا۔اب بھابھی جی کے دیور آج اپنا نام بتا دیں۔" شکاری کو آنکھ ماری۔

"ٹھیک ہے میرا پورا نام عریش علی حیدر ہے۔اور بیگم کا الماش فرقان تھا۔" شکاری گہری سانس لے کر بولا۔

"ٹھیک ہے میں ابھی حساب لگا کے بتاتی ہوں۔" فلک اسکے ستاروں کا حساب لگانے لگی۔حساب لگاتے وقت اسکے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔یہ بات عمران نے نوٹ کی۔عریش عمران احمد کے بیٹے سے کھیلنے لگا۔

"کیا ہوا ہے؟ تم پریشان کیوں ہو۔ایسا کیا پتہ چل گیا۔" جب وہ فارغ ہوئی تو عمران نے پوچھا۔

"کاش تم میرے پاس پہلے آتے۔تم کو نہیں پتہ تم نے کیا کھویا ہے۔" انکا لہجہ سنجیدہ تھا۔

"صاف بتاؤ کیا ہوا ہے؟" عمران نے آنکھیں سکیڑیں۔عریش انکی طرف متوجہ ہوا۔

جو بات فلک نے عریش کو بتائی اسکے ہوش اڑ گئے۔اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔جیسے ہاتھ میں لگا خزانہ اچانک کھو گیا ہو۔

"میں اب چلتا ہوں۔شام کی فلائٹ ہے مجھے کچھ اور کام بھی ہے۔" شکاری اسی وقت کھڑا ہو گیا۔اس گھر سے اپنی ضرورت کا سامان لیا۔ان سے اجازت لے کر چلا گیا۔فلک اور عمران احمد کو اسکے لیے برا لگ رہا تھا۔پر وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

گھر پہنچ کر اپنا سامان پیک کیا۔سامان پیک کرنے کے بعد اپنی جاب کا کچھ ادھورا کام نمٹایا۔شام کو تیار ہو کر نیچے آیا۔آنٹی راحیلہ اور ولید صاحب سے ملا۔قاسم کے بیٹے کو بہت پیار کیا۔آنٹی راحیلہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ جائے۔پر ولید صاحب نے اپنے بیٹے کا ساتھ دیا۔سب سے مل کر وہ ائیر پورٹ کی طرف نکل پڑا۔تقریباً گھنٹے بعد وہ جہاز میں تھا۔

وہ جہاز میں کھڑکی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔پاکستان کا موسم کافی خراب تھا۔اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔وہ کالی پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس تھا۔اوپر کالے رنگ کا لونگ کوٹ پہنا ہوا تھا۔جہاز کالے بادلوں میں سے نکل کر اب صاف آسمان میں اڑنے لگا۔اس کا دل دکھی تھا۔آنکھیں کھول کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔اسکی آنکھوں میں آنسو تھے۔ٹشو سے اپنا چہرہ صاف کیا۔جہاز آسمان پر اڑ رہا تھا۔بھابھی فلک نے اسے جو الماش کے بارے میں بتایا کاش اسے کبھی پتہ نہ چلتا۔

"الماش تم سے بہت پیار کرتی تھی۔وہ تم دونوں کی شادی سے پہلے تم سے پیار کرتی تھی۔"

"مطلب۔" شکاری حیران ہوا۔

"میں نے الماش کا ستارہ دیکھا ہے۔وہ بچپن سے تم سے پیار کرتی تھی۔ادھر تم چوک گئے شکاری صاحب۔تم دونوں بچپن میں ایک ہی سکول میں پڑھتے تھے۔شاید تب سے وہ تمہیں چاہنے لگی تھی۔تم نے جیسے بتایا تم

دونوں انجانے میں پہلے بھی مل چکے ہو۔بس وہ تم سے پیار کر بیٹھی تھی۔اس نے اپنی زندگی میں بہت تکلیفیں کاٹی تھیں عریش علی۔اسکا پیار اسچا تھا اور تم دونوں کی شادی ہو گئی تھی۔"

شکاری نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔آخر کیوں وہ تڑپ رہا ہے؟ائیر ہوسٹس سے سر کی دوا لے کر کھائی۔بیگ سے کتاب نکال کر پڑھنے لگا۔دوا کا اثر ہونے لگا۔آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔اسکی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گیا۔جب آنکھ کھلی تو جہاز کے لینڈ ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔اسکی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔وہ دوبارہ اپنی کتاب پڑھنے لگا۔جب جہاز لینڈ ہوا۔وہ جہاز سے اترا۔ائیر پورٹ سے اپنا سامان لے کر سیدھا ہوٹل چلا گیا۔

ہوٹل پہنچ کر اپنے لیے کھانا آرڈر کیا اور نہا کر فریش ہوا۔کھانا کھانے کے بعد نماز پڑھی۔اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔الماش کا چہرہ اسکی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔اسکی بڑی بڑی آنکھیں،اسکے لمبے کالے بال۔شکاری کو فخر تھا وہ لوگوں کو پڑھ سکتا ہے۔پر اس لڑکی نے اسے شکست دے دی۔۔شادی کی رات یاد آئی۔کیسے وہ اسے اکیلا چھوڑ گیا تھا۔اور دو دن بعد لوٹا تھا۔اور تب سے دونوں علیحدہ رہنے لگ گئے تھے۔وہ اس سے ہمیشہ سختی سے بات کرتا۔شاید اس ہی وجہ سے وہ اس سے دور رہنے لگی تھی۔شوہر ہونے کے ناطے اس نے ایک بار بھی الماش کو اپنے پاس نہیں بلایا تھا۔

سائیڈ ٹیبل سے اپنا بیگ اٹھایا۔اور اس میں سے الماش کی گھڑی نکالی۔جو اس روز وہ ٹرین میں بھول گئی تھی۔اسے اپنا سکول کا وقت یاد آیا۔وہ الماش تھی جب پوری کلاس اسکے ہکلانے کا مذاق اڑاتی۔تو وہ اسکا ساتھ دیتی۔وہی اسکی کاپی پر خرگوش کی تصویر بناتی۔

"کاش مجھے ایک بار تم مل جاؤ۔۔۔"اسکے پھر سے آنسو بہنے لگے۔"مجھے کیوں پتہ نہیں چلا کہ تم مجھ سے اتنا پیار کرتی ہو۔تم ایک بار مجھ سے کہہ کر تو دیکھتی۔"اپنی آنکھیں بند کر لیں۔وہ خدا سے دعا مانگنے لگا۔کیا واقعی دنیا میں معجزے ہوتے ہیں۔کیا سچے دل سے مانگی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

صبح کی ٹھنڈی ہوا نے اسکا استقبال کیا۔کالی پینٹ کے اوپر ہڈی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔لونگ بلیک کوٹ پہنا

ہوا تھا۔ بالوں کو جیل لگا کر پیچھے کو سیٹ کیا ہوا تھا۔ آنکھوں پر سن گلاسز تھے۔ ہلکی ہلکی داڑھی تھی۔ اسے ترکی میں آئے ہوئے ہفتہ ہو چکا تھا۔ اس نے صبح کی فلائٹ سے واپس جانا تھا۔

وہ باغ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ آج موسم بہت پیارا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ درخت پر لگے سوکھے پتے نیچے گر رہے تھے۔ گھاس پر چھوٹے بچے کھیل رہے تھے۔ وہ ان کو دیکھ رہا تھا۔ تبھی ایک گیند اسکے پاس آیا۔ اس نے ہاتھ سے اسے پکڑ لیا۔ ایک چھوٹی بچی اسے لینے کے لیے اس کے پاس آئی۔ اس بچی کی عمر دو سال ہوگی۔ اسکی شرٹ پر خرگوش بنا ہوا تھا۔ عریش ادھر رک گیا اور اس کی شرٹ کو گھورنے لگا۔ اس بچی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے وہ گیند مانگا۔

"سجل، ادھر آؤ۔" ایک لڑکی نے اس بچی کا ہاتھ پکڑا۔ "بھائی صاحب بچی کا بال واپس کریں۔" وہ غصے سے بولی۔ عریش نے فوراً بال زمین پر پھینک دیا۔ اس عورت نے جینز کے اوپر لونگ کوٹ پہنا تھا۔ جو اسکے گھٹنوں تک تھا۔ سر پر سکارف تھا۔ وہ یقیناً اس بچی کی ماں تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" ایک اور آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ لڑکی کی آواز تھی۔ وہ درخت کے دوسری طرف تھی۔ عریش اسکا چہرہ نہیں دیکھ پایا۔ وہ ان ماں بیٹی سے مخاطب تھی۔

"کچھ نہیں۔۔۔ آؤ چلتے ہیں۔" سکارف والی نے جواب دیا۔ چھوٹی بچی بھاگ کر اسکے پاس چلی گئی۔ وہ تینوں وہاں سے جانے لگے۔ عریش کو کچھ کھٹکا فوراً کھڑا ہوا۔ ان کی پشت اسکی طرف تھی۔ دوسری لڑکی نے جینز کے اوپر ٹاپ پہنا ہوا تھا۔ بال گردن سے اوپر کٹے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ پر ڈھیر ساری بریسلٹ تھیں۔ ہائی ہیل پہنی ہوئی تھی۔ وہ اسکا چہرہ تو نہیں دیکھ پایا پر وہ آواز۔۔۔ عریش ادھر رک گیا۔ اس نے ایرن باندھا ہوا تھا۔ یقیناً وہ کسی قریبی کافی شاپ پر کام کرتی ہوگی۔ اسکے موبائل پر بیل ہوئی۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟ بخار کم ہوا۔ میں نے تم کو پہلے ہی منع کیا تھا کہ نہ جاؤ۔" آنٹی راحیلہ اسکا حال پوچھ رہی تھیں۔

"امی پہلے سے بہت بہتر ہوں۔ میڈیسن کھالی تھی۔" اسکی نظریں ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔

"اچھا اپنا دھیان رکھنا زیادہ سردی میں مت نکلنا۔"

"اچھا ٹھیک ہے اللہ حافظ۔" فون بند کر دیا۔ وہ وہاں سے چلی گئی تھیں۔ اسکا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ شاید پھر سے بخار ہو رہا تھا۔ وہ واپس اپنے ہوٹل آ گیا۔ گلاسز اور کوٹ اتارا اور کمبل لے کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ الفاظ اسکے کانوں میں گھومنے لگے۔ اپنے لیے کھانا آرڈر کیا۔ کھانا کھانے کے بعد اپنا سامان پیک کیا۔ کھڑکی سے باہر دیکھا۔ شام ہو چکی تھی۔ بادل گرجنے لگے۔ پھر سے طوفان آنے والا تھا۔

اس لڑکی کے حلیے پر غور کیا۔ وہ ڈھیر ساری بریسلٹ ان میں سے ایک پر خرگوش بنا ہوا تھا۔ اس ہی وقت اپنا کوٹ پہنا اور واپس باغ کی طرف بھاگا۔ باغ کے قریب کچھ ہوٹل بنے ہوئے تھے۔ وہ اسے تلاش کرنے لگا۔ موسم ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ اسے ایک آدمی نظر آیا۔ جس نے ویسا اپرن باندھا ہوا تھا۔ وہ اس ہوٹل میں گیا۔ اور الماش کے بارے میں پوچھا۔ اس ہوٹل میں اس نام کی کوئی لڑکی کام نہیں کرتی تھی۔ اسے بہت مایوسی ہوئی۔ وہ وہاں سے نکلا اور ایک دکان پر گیا۔ وہ لڑکی دکان سے باہر آ رہی تھی۔ عریش اسکے آگے کھڑا ہو گیا۔ وہ لڑکی ادھر رک گئی۔ اس نے ہڈی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ کیپ اسکے سر پر تھی۔ شکاری نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ اس نے لینز لگائے ہوئے تھے۔ ان بڑی بڑی آنکھوں میں مسکارا لگا ہوا تھا۔ سر کے کچھ بال ماتھے پر تھے۔ جو ہوا کی وجہ سے ہل رہے تھے۔ اس نے پورا میک اپ کیا ہوا تھا۔ پر الماش کو لپ سٹک لگانی نہیں آتی تھی۔ ہانیہ اسکی مدد کرتی تھی۔ وہ گم چباتے ہوئے بولی۔

"مسٹر۔۔۔ کوئی پرابلم۔" وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اسکے سامنے کھڑی ہو گئی۔ زور سے بادل گرجا۔ عریش فوراً پیچھے ہو گیا۔ وہ سائیکل پر سوار ہو کر وہاں سے نکل گئی۔ وہ چلی گئی تو عریش بھی وہاں سے نکل پڑا۔ وہ لڑکی سائیکل پر ایک گلی میں داخل ہوئی۔ گلی سنسان تھی۔ ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی۔ وہ بڑی احتیاط سے سائیکل چلا رہی تھی۔

"بنی۔۔۔" پیچھے سے آواز آئی۔ وہ سائیکل سمیت ادھر سڑک پر گر گئی۔ شکاری اسکے پاس جا کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسٹریٹ لائٹ اس پر پڑ رہی تھی۔ اس نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھا۔

"بنی کیسی ہو؟" طنزیہ بولا۔ اور اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھایا۔ بارش کے قطرے اس پر پڑ رہے تھے۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ شکاری نے ایک جھٹکے میں اسے کھڑا کر دیا۔ اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ انکے درمیان ذرا سا

فاصلہ تھا۔

"میرا ہاتھ چھوڑو۔" اسکی ٹوپی اتر گئی تھی۔ دوسری طرف ہاتھ کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ "عریش۔۔۔" وہ کہتے ہوئے رک گئی۔

"تم نے مجھے بے وقوف سمجھا ہے۔ اتنے سال یہاں چھپ کر بیٹھی ہو۔ تمہیں پتہ ہے ہم سب پر کیا بیتی تھی۔ جب تمہاری موت کی خبر سنی تھی۔" اسکا لہجہ سخت تھا۔

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اپنے ہاتھ کو آزاد کرنے کی کوشش کی۔ "دھوکہ اور نفرت ہی دی ہے تم سب نے مجھے۔ میرا کوئی نہیں ہے جس کے لیے واپس آتی۔"

"کیوں میں مر گیا تھا کیا؟ اور میں نے تمہیں کون سا دھوکہ دیا ہے۔ بولو۔۔۔"

"اپنی بہن سے پوچھو۔" اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"میں نے تم سے پوچھا ہے۔" وہ چلایا۔

"کیا تم کسی اور سے محبت نہیں کرتے تھے۔ اور شادی کی رات مجھے چھوڑ کر کیوں گئے تھے؟" اسکی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"یہ جھوٹ ہے۔" عریش کچھ یاد کر کے بولا۔ "میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے ان کو ٹالنے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔ اسکی وجہ تم اچھے سے جانتی ہو۔ تبھی تم نے شادی کے لیے ہاں کہی تھی۔ دوسرا سچ بھی تم جان گئی تھی۔ میں نے کرن کے ساتھ کچھ نہیں کیا تھا۔ ہماری شادی کی رات میرے دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے شادی ہال سے چلا گیا تھا۔ میں نے تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔" ایک ہی سانس میں بولا۔

الماش رونے لگی۔ "تم کیوں آئے ہو؟ چلے جاؤ یہاں سے۔ مجھے کسی سے نہیں ملنا۔ میں یہاں بہت خوش ہوں۔ مجھے اپنوں نے دکھ اور تکلیف کے سوا کچھ نہیں دیا۔"

عریش اس کی کنڈیشن سمجھ سکتا تھا۔ اسے غصہ تو بہت آرہا تھا پر وہ جانتا تھا۔ اسکے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اور وہ یہ کیسے بھول سکتا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے۔ بارش اب تیز ہونے لگی۔

"تمھارا جسم کیوں گرم ہے؟" الماش نے اپنا ہاتھ اس سے چھڑایا۔

"کچھ نہیں بس بخار ہو گیا تھا۔" ناک سے مکھی اڑائی۔

"میرے ساتھ چلو۔۔ بارش تیز ہو رہی ہے۔اور تم اتنی ٹھنڈ میں کھڑے ہو۔" سڑک سے اپنی سائیکل اور سامان اٹھایا۔عریش اسکے پیچھے چلنے لگا۔وہ بالکل بدل گئی تھی۔وہ دونوں ایک گلی چھوڑ کر ایک گھر کے پاس رکے۔الماش نے فوراً جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھولا،اور لائٹ آن کی۔

وہ گھر تو نہیں تھا،بہت چھوٹا گھر تھا۔پر بنی کے لیے کسی جنت سے کم نہیں تھا۔اندر داخل ہو تو سامنے ایک کچن تھا۔جہاں ایک چھوٹا سا مائیکرو ویو تھا۔پاس ایک چھوٹے سائز کی فریج اور چولہا موجود تھا۔اسکے ساتھ ہی بیڈ روم تھا۔بیڈ شیٹ پر خرگوش بنا ہوا تھا۔پاس ایک الماری اور ٹی وی تھا۔اس نے اپنی ہڈی اتار کر ہک پر ڈالی۔ اور سامان کچن میں رکھا۔

"تم فریش ہو جاؤ۔پھر کھانا کھا لینا۔" چولہا جلایا اور فریج سے کباب کا پیکٹ نکالا۔

"اس ننھے گھر میں واش روم بھی ہے۔" چھت پر ہاتھ لگا کر بولا۔

"میرے لیے کسی محل سے کم نہیں ہے۔تم کس ہوٹل میں رکے ہو۔" کباب کی خوشبو پورے گھر میں پھیل گئی

"میں ہوٹل جا رہا ہوں۔" وہ جانے لگا تو الماش فوراً بولی۔

"تمہیں بخار ہے۔اور اگر جانا ہی تھا تو آئے کیوں تھے۔"

"یار،میرے کپڑے سارے گیلے ہیں۔اور اگر ان میں رہا تو بخار اور بڑھ جائے گا۔ویسے میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں۔ابھی آتا ہوں ہوٹل پاس ہی ہے۔"

وہ چلا گیا۔بنی نے بند دروازے کی طرف دیکھا۔اگر وہ نہ آیا تو؟ نہ جانے کیوں وہ اتنی جلدی اداس ہو گئی۔اپنے کپڑے تبدیل کیے۔پنک ٹراؤزر کے اوپر خرگوش کے کارٹون والی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔بال کھلے چھوڑ دیے۔کھڑکی سے باہر دیکھا ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ تیز بارش ہونے لگی۔

"مجھے اسے اکیلے نہیں جانے دینا تھا۔اسے پہلے ہی بخار تھا۔" وہ بڑبڑائی۔کچن میں آئی۔اسکے لیے مائیکرو ویو میں کیک اور بسکٹ بنائے جو اس نے نیٹ سے سیکھے تھے۔کھانا تیار کر کے عریش کا انتظار کرنے لگی۔اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔وہ اپنا سامان لے کر آ گیا۔واش روم گیا کپڑے بدل کر آیا۔چیتے والا نائٹ سوٹ

پہنا ہوا تھا۔ الماش نے اسے تولیہ دیا۔ دونوں کھانا کھانے بیٹھ گئے۔

" کیا میں جان سکتا ہوں تم زندہ کیسے بچ گئی؟" کباب کا ٹکڑا اپنے منہ میں ڈالا۔

" زندگی میں صرف ایک دوست بنائی تھی۔ مس رابعہ میری اس سے سالوں بعد جہاز میں ملاقات ہوئی تھی۔ اسکی طبیعت اچانک خراب ہوگئی۔ اسکے ساتھ اسکے بچے تھے۔ میں بھی اسکے ساتھ دبئی ایئرپورٹ پر اتر گئی۔ ایک دن وہیں رہی۔ اسکے والد پائلٹ تھے۔ انہوں نے ہماری مدد کی۔ مجھے ترکی کا ویزا دلوایا۔ یہ گھر انہی کا ہے ساتھ والے گھر میں وہ خود رہتی ہے۔" بسکٹ کھاتے ہوئے بولی۔

" تمہارے بال اتنی جلدی کیسے لمبے ہوگئے؟ ابھی کچھ دیر پہلے تو چھوٹے تھے۔"

" یہ اتنے ہی تھے۔ میری امی کو میرے بال بہت پسند تھے۔ تو میں انہیں کیسے کٹوا سکتی ہوں۔"

" تمہیں کسی کی یاد نہیں آتی۔"

" نہیں۔" کافی کا سپ لیا۔

" تمہیں معلوم ہے اتنے سال تمہارا دشمن کون رہا تھا؟ کس نے تمہاری زندگی تباہ کی ہے۔"

" تائی کنزا اور کون۔" بالوں کو کان کے پیچھے کیا۔

" نہیں۔۔۔وہ انعم تھی۔ جس نے تمہارے بیگ میں خط ڈالے تھے۔ تمہیں کالز کیں۔ تمہارے کمرے میں وہ فون اور گفٹ چھوڑا تھا۔" ٹشو سے اپنا منہ صاف کیا۔ الماش کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

" تمہارے بھائی علیم کو جب سچ پتہ چلا تو اس نے اسے طلاق دے دی۔ اس کے بھائی نعمان کو پولیس پکڑ کر لے گئی۔ ان کی بہت بدنامی ہوئی ہے۔ اور وقار کرن کا مجرم اس کو بلڈ کینسر ہوگیا ہے۔ آفتاب تمہارا سابقہ شوہر اس نے اس لڑکی کو طلاق دلوا کر اس سے تیسری شادی کی تھی۔ اس لڑکی کو پتہ چل گیا۔ آفتاب کی وجہ سے اسے طلاق ہوئی ہے۔ اب وہ ان بچوں سے بہت برا سلوک کرتی ہے۔ اس کی بہن کا شوہر کار حادثے میں مرگیا۔ اب ان سب کے حالات بہت برے ہیں۔ جس دن تمہاری ترکی کے لیے فلائٹ تھی۔ اسی دن اسکی موت ہوئی تھی۔ تبھی میں اس دن تم سے آفتاب کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

" اور بابا۔" ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"کمزور ہو گئے ہیں تم کو بہت یاد کرتے ہیں۔" کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

الماش خاموش ہو گئی۔اٹھ کر برتن سمیٹے۔عریش کو کافی بنا کر دی،ساتھ میں اسے دوا دی۔باہر بہت شدید طوفان آیا ہوا تھا۔عریش کافی کا کپ لے کر کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا۔اپنی بیگم پر نظر ڈالی۔اسکی پشت اسکی طرف تھی۔وہ برتن دھو رہی تھی۔اسکے لمبے بال بہت پیارے لگ رہے تھے۔

"ایک بات پوچھوں،کیا تم کسی سے پیار کرتی تھی۔میرا مطلب ہے بچپن میں۔۔" دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی الماش برتن دھو کر فارغ ہوئی تھی۔ادھر ہی رک گئی۔سامنے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھا جو اسے گھور رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔آپ سے کرتی ہوں۔" اس نے سچ بول دیا۔" آپ اندر بیڈ پر سو جائیں۔"

نظریں چرا لیں۔

"تم کو پتہ ہے ہماری شادی کیوں ہوئی۔" وہ اس کے پاس آیا۔" نہ تمہاری اولاد ہو سکتی ہے نہ میری۔میں اس وقت اس جگہ پر تھا جہاں تمہارا ابارشن ہوا تھا۔" اسکے بالوں کو پیچھے کیا۔

"تم وہاں کیا کر رہے تھے؟"

"لمبی کہانی ہے بتاتا ہوں۔پہلے یہ لو اپنی امانت۔" اپنی جیب سے اسکی گھڑی نکال کر دی۔الماش اس گھڑی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"ٹھیک ہے ہماری اولاد نہیں ہو سکتی۔پر ہم ساتھ میں تو رہ سکتے ہیں۔" عریش اسے لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"تم بہت پیاری ہو الماش،پر تم نے ایک غلطی کی۔تم اللہ پر بھروسہ نہیں کرتی۔وہ ذات بہت رحم کرنے والی ہے۔وہ اپنے بندوں کو ضرور آزماتا ہے۔قرآن پڑھو،درود شریف پڑھا کرو۔وہ کسی کو تنہا نہیں چھوڑتا۔نماز میں سکون تلاش کرو۔" بخار کی وجہ سے بیڈ پر لیٹ گیا۔

"یہ عمران احمد کون ہے۔میں نے اکثر آپ کو اس سے بات کرتے سنا تھا۔" اپنے شوہر پر کمبل دیا۔

"وہ میرے بھائی اور سر بھی ہیں۔ایک دفعہ ان کو بچاتے ہوئے مجھے گولی لگ گئی۔تب ڈاکٹر نے بتایا میں باپ نہیں بن سکتا۔بس میں نے اپنی زندگی اس ملک کے نام کر دی۔بھائی سے ٹریننگ لی۔کراٹے سیکھے،بندوق چلانا سیکھی،جاسوسی سیکھی،یخ ٹھنڈے پانی میں تیرنا سیکھا اور بھی بہت کچھ سیکھا تاکہ مشکلوں کا سامنا کر سکوں۔"

اسکی طرف دیکھا۔

"مجھ سے ناراض ہیں؟"

"نہیں تم اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہو۔اور شکریہ مجھ سے پیار کرنے کا۔" اسکے ہاتھ کو تھاما۔ "مجھے تو یاد ہی نہیں تھا کہ ہم بچپن میں ایک ہی سکول میں پڑھتے تھے۔کیا واقعی میں تم کو اچھا لگتا تھا۔"

"ہاں۔۔تم مجھے اچھے لگتے تھے۔شادی کی رات تائی افشاں نے مجھے کرن کے بارے میں بتایا۔اور فائزہ سے سنا تھا کہ تم کسی اور سے محبت کرتے تھے۔اس لیے تم سے دور ہوگئی۔"

دوا کا اثر تھا وہ سونے لگا۔الماش نے اٹھ کر وضو کیا اور نماز ادا کی۔اپنے شوہر کی لمبی زندگی کے لیے دعا مانگی۔رب کا شکر ادا کیا، اسکا سچ سب کے سامنے آگیا۔وہ گھڑی اپنے ہاتھ پر پہن لی۔عریش نے بھی اللہ کا شکر ادا کیا۔اسکی دعا قبول ہوگئی۔اسکا پیارا اسے مل گیا۔اسے یقین آگیا کہ معجزے آج بھی ہوتے ہیں۔

☆......☆......☆

فائزہ کی شادی پر انکل فرقان اور ولید صاحب کی ملاقات ہوئی۔دونوں شادی ہال میں بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے۔

"بھائی، آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔آپ نے فائزہ کی شادی کر کے اپنا فرض ادا کر دیا۔اللہ اس کے نصیب اچھے کرے۔" انکل فرقان نے سٹیج پر بیٹھی دلہن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اللہ سب بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے۔بھائی آپ کی بیٹی کیسی ہے۔مجھے اچھے سے یاد ہے ہم ٹرین میں ملے تھے۔آج کل کیا کر رہی ہے؟"

"اسکی شادی کی تھی پر اسے طلاق ہوگئی ہے۔" وہ کافی غم زدہ تھے۔

"مجھے جان کر دکھ ہوا۔ابھی تو جوان ہے۔آپ اس کی شادی پھر سے کر دیں۔اللہ بہتر کرے گا۔" ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بھائی، میں کیا بتاؤں۔" کچھ دیر بعد بولے۔ "اس کی اولاد نہیں ہو سکتی۔"

ولید صاحب ان کو دیکھ کر کچھ سوچنے لگے۔ "میرے پاس ایک رشتہ ہے۔"

"مطلب۔۔۔وہ ماں نہیں بن سکتی۔کون کرے گا میری بیٹی سے شادی۔" وہ حیران تھے۔

"میرا بیٹا عریش۔"

"پر وہ۔۔۔کیوں کرے گا۔"

"آج سے کئی سال پہلے اسے گولی لگی تھی۔اس حادثے کے بعد وہ باپ نہیں بن سکتا۔اگر دونوں کی شادی کردیں۔آپ گھر جا کر بات کرلیں۔" ولید صاحب بہت مطمئن تھے۔

"بات تو ٹھیک ہے۔" انکل فرقان رک رک کر بولے۔ولید صاحب کی فیملی کو وہ اچھے سے جانتے تھے۔

"آپ گھر جا کر اپنی فیملی سے بات کریں۔میں یہ شادی جلد از جلد کرنا چاہتا ہوں۔میں اپنے بیٹے کو منالوں گا۔میری طرف سے رشتہ پکا سمجھیں۔" ان سے ہاتھ ملایا اور چلے گئے۔ولید صاحب کو اپنے بیٹے کے شکاری ہونے کے بارے میں سب کچھ معلوم تھا۔وہ کس طرح چھپ کر لوگوں کی مدد کرتا ہے۔وہ یہ بھی جانتے تھے کہ فائزہ اور یاسر کا مسئلہ بھی عریش نے حل کیا تھا۔انہیں اپنے بیٹے پر فخر تھا۔

انکل فرقان نے گھر آ کر اپنی بہو سے بات کی۔وہ اس رشتے کو لے کر بہت خوش تھے۔

"بہو، اسے سمجھاؤ، ہاں کہہ دے۔کب تک اس طرح زندگی گزارے گی۔وہ ٹیوشن پڑھانے کے بعد سارا دن اپنے کمرے میں گزار دیتی ہے۔شادی ہو جائے گی۔تو اسے سہارا مل جائے گا۔دونوں ایک ساتھ خوش رہیں گے۔"

اگرچہ انکل فرقان اپنی بیٹی سے ناراض تھے۔پر تھی تو انکی اولاد، وہ اسکے لیے بہت فکر مند تھے۔وہ کب تک اپنے بھائیوں کے ساتھ رہے گی۔اپنی ہر دعا میں اپنی بیٹی کے لیے دعا کرتے۔الماش کی شادی سے وہ بہت خوش تھے۔اسے ایک اچھا جیون ساتھی مل گیا تھا۔

......ختم شد......